مقالات شبلی

جلد اول

www.KitaboSunnat.com

علامہ شبلی نعمانیؒ

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی پوسٹ باکس نمبر ۱۹ - اعظم گڈھ (ہند) ۲۷۶۰۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی

کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے

درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

مقالات شبلی

جلد اول (مذہبی)

مولانا شبلی نعمانیؒ کے تمام مذہبی مضامین کا مجموعہ جن کو مختلف رسالوں اور اخباروں سے یکجا کیا گیا ہے۔

دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (ہند) ۲۷۶۰۰۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ

سلسلہ دارالمصنفین نمبر: ۲۸

کتاب :	مقالات شبلی حصہ اول
مصنف :	علامہ شبلی نعمانیؒ
صفحات :	۲۳۹
جدید اڈیشن :	۱۹۹۹ء
مطبع :	معارف پریس، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (ہند)
ناشر :	دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (ہند)
قیمت :	

باہتمام

عبدالمنان بلالی

☆ ☆ ☆ ☆

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

مقالات شبلی جلد اول (مذہبی)

مضمون	صفحہ
دیباچہ	۲ - ۳
تاریخ ترتیب قرآن	۱ - ۲۴
اختلاف مصاحف اور قرات	۱۰
علوم القرآن	۲۵ - ۳۳
اعجاز قرآن	۳۴ - ۳۷
قرآن مجید میں خدا نے قسمیں کیوں کھائیں ؟	۳۸ - ۴۴
قضا وقدر اور قرآن مجید	۴۵ - ۶۳
یورپ اور قرآن کے عدیم الصحۃ ہونے کا دعویٰ	۶۴ - ۷۲
قرآن مجید کی تدوین کی کیفیت	۶۷
تحریر وکتابت	۷۰
مسائل فقہیہ پر زمانہ کی ضرورتوں کا اثر	۷۳ - ۷۸
وقف اولاد	۷۹ - ۹۹
فقہ میں وقف اولاد	۹۴
مفتی بہ، قاضی ابو یوسف اور امام محمد کی رائے ہے	۹۳
پریوی کونسل کے شبہات کا جواب	۹۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
پردہ اور اسلام	۱۰۰ - ۱۱۵
الاسلام	۱۱۶ - ۱۵۵
رسالہ "اسلام" کا ترجمہ	۱۱۷
پہلی فصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی	۱۲۲
عربوں کی صلح پسندی اور بے تعصبی	۱۲۴
دولت فرانس اور اسلام	۱۳۱
تعدد ازواج	۱۳۶
مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیوں کر رہنا چاہیئے	۱۵۶ - ۱۹۱
غیر قوموں کی مشابہت	۱۹۲ - ۱۹۸
خلافت	۱۹۹ - ۱۶۴
حقوق الذمیین	۱۶۵ - ۲۰۸
الجزیہ	۲۰۹ - ۲۱۹
پہلی بحث	۲۰۹
دوسری بحث	۲۱۱
تیسری بحث	۲۱۳
اختلاف اور مسامحت	۲۲۰ - ۲۲۹
اختلاف کے ساتھ اتحاد	۲۲۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی سید المرسلین و علی آلہ الطاہرین ۔

مولانا شبلی مرحوم نے مستقل تصنیفات کے علاوہ مختلف عنوانات پر سینکڑوں علمی و تاریخی و ادبی و سیاسی مضامین لکھے تھے جو ہنوز اخبارات و رسائل کے صفحات میں منتشر تھے، علم دوست اصحاب کا تقاضا تھا کہ ان پراگندہ موتیوں کو ایک سلک میں منسلک کردیا جائے، کہ وہ ہر شخص کو یکجا میسر آسکیں اور اہل علم ان سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکیں، اگرچہ مولانا مرحوم کے چند مضامین "رسائل شبلی" اور "مقالات شبلی" کے نام سے ان کی زندگی ہی میں شائع ہو چکے تھے، لیکن یہ دونوں مجموعے نا تمام ہیں اور صرف چند تاریخی و علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس بنا پر یہ ارادہ کیا گیا کہ مختلف عنوانات کے تحت اس عنوان پر ان کے تمام مضامین ایک ایک مستقل جلد میں کر دیئے جائیں تاکہ ان کے مضامین جن جن موضوع پر ہوں وہ الگ الگ مرقع میں نظر آئیں، اس خیال کو پیش نظر رکھ کر ملک کے مختلف رسائل و اخبارات مثلاً معارف علی گڑھ، دکن ریویو، انسٹیٹیوٹ گزٹ، تہذیب الاخلاق، الندوہ، مسلم گزٹ وغیرہ وغیرہ سے ان کے تمام مضامین استقصاء کے ساتھ نہایت تلاش و محنت سے جمع کئے گئے اور مختلف موضوع کے لحاظ سے الگ الگ ان کی تقسیم کی گئی اور ان کی اشاعت کا انتظام کیا گیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ تمام مضامین غالباً ۹ جلدوں میں سما سکیں، جن کے علٰحدہ علٰحدہ عنوانات حسب ذیل ہوں گے، مذہبی، تاریخی، علمی، ادبی، تنقیدی، تعلیمی، قومی، سیاسی، اور آخری جلد ان کے خطبات اور تقریروں کے مجموعہ پر مشتمل ہوگی۔

پیش نظر جلد اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، بقیہ جلدیں آئندہ بہ ترتیب شائع ہوتی رہیں گی۔

وما توفیقی الا باللہ۔

سید سلیمان ندوی

ناظم دارالمصنفین

اعظم گڈھ

۲۷/ شعبان ۱۳۴۹ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ ترتیب قرآن

قرآن مجید کا نزول اور جمع و ترتیب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جس قدر زیادہ ہوتی جاتی تھی، اسی قدر دنیوی تعلقات سے آپؐ کا جی ہٹتا جاتا تھا اور جستجوئے حق آپؐ کو بے تاب کئے دیتی تھی، یہاں تک کہ آپؐ آبادی چھوڑ کر پہاڑ اور صحرا میں پھرنے لگے، مکہ سے منا کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس کو حرا کہتے ہیں، اس میں ایک غار تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمول کرلیا کہ کئی کئی دن تک متصل اس میں رہتے اور مراقبہ و مجاہدہ کرتے، کھانا گھر سے پکوا کر ساتھ لاتے، جب ہو چکتا تو گھر کو واپس جاتے، دو تین دن وہاں ٹھہرتے اور پھر واپس آجاتے، اس طرح پورا ایک مہینہ گذر گیا (۱) اور اتفاق یہ کہ یہ رمضان کا مہینہ اور آپؐ کی عمر کا چالیسواں سال تھا، اخیر دفعہ آپؐ اسی غار میں تشریف رکھتے تھے کہ آپؐ کو فرشتہ یزدانی نظر آیا، اس نے آپؐ سے کہا کہ "پڑھ" آپؐ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتہ نے آپؐ کو زور سے بغل میں بھینچا، پھر چھوڑ کر کہا کہ "پڑھ" آپؐ نے پھر وہی جواب دیا، اس طرح تین بار اتفاق ہوا، تیسری دفعہ کے بعد فرشتہ نے یہ آیتیں خود پڑھیں اور آپؐ سے پڑھنے کی فرمائش کی:۔

اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ، اِقْرَءْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ (العلق ۹۶: ۱-۳)	خدا کے نام سے پڑھ جس نے خلقت پیدا کی، جس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا خدا بڑا کریم ہے۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ خواب میں واقع ہوا، یعنی فرشتہ

(۱) عینی ج ۱ ص ۶۷، بہ حوالہ سیرۃ ابن اسحاق، مطبعہ العامرہ ۱۳۸۰ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا آنا اور آپؐ کو دبانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا۔ (۱)

آپؐ اس واقعہ کے بعد گھر میں آئے، آپؐ کا دل دھڑک رہا تھا، حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھ کو کچھ اڑھا دو، دیر کے بعد جب سکون ہوا تو آپؐ نے تمام واقعات حضرت خدیجہؓ سے بیان فرمائے اور کہا کہ مجھ کو ڈر ہے (دیکھئے کیا ہوتا ہے) خدیجہؓ نے کہا آپؐ مطمئن رہئے، خدا ہرگز آپؐ کو خوار نہ کرے گا، آپؐ صلہ رحم کرتے ہیں، ناداروں کی خبر لیتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، یہ کہہ کر خدیجہؓ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لوا گئیں، ورقہ حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی تھے، جاہلیت میں عیسائی ہوگئے تھے اور چونکہ عبرانی زبان جانتے تھے، عبری زبان میں انجیل کا ترجمہ کیا کرتے تھے، آپؐ نے ورقہ کے سامنے سب ماجرا بیان کیا، ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس (رازدار) ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا، کاش میں جوان ہوتا کہ جب قوم آپؐ کو نکالنا چاہتی تو میں آپؐ کے کام آسکتا، آپؐ نے پوچھا کہ کیا یہ بھی ہوگا، ورقہ نے کہا ہمیشہ ایسی حالتوں میں لوگ دشمن بن جاتے ہیں۔ (۲)

اس کے بعد تین برس تک آپؐ پر کوئی وحی نہیں آئی (۳) ایک دن آپؐ نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی آنکھ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو حرا میں نظر آیا تھا، آسمان اور زمین کے بیچ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا، آپؐ پر رعب طاری ہوا، اسی حالت میں گھر واپس آئے اور فرمایا کہ مجھ کو کچھ اڑھا دو، اس وقت یہ آیتیں آپؐ پر

(۱) عینی شرح بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ ج ۱ ص ۳، سطر ۳ (۲) یہ پوری تفصیل قریباً حرف بہ حرف بخاری کے پہلے ہی صفحہ میں ہے، محدثانہ طریقہ سے اس حدیث میں لحاظ کے قابل یہ بات ہے کہ حضرت عائشہؓ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں نہیں آئی تھیں، بلکہ پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں، اس لئے یہ حدیث کسی اور سے سنی ہوگی، لیکن انھوں نے راوی کا نام نہیں بتایا، اس قسم کی حدیث کو محدثین کی اصطلاح میں مرسل کہتے ہیں، لیکن محدثین کا یہ مذہب ہے کہ صحابی جب کوئی حدیث بے سند بیان کرتا ہے تو وہ معتبر ہوتی ہے کیونکہ اس نے آخر کسی صحابی سے سنا ہوگا اور صحابہ سب ثقہ ہیں۔ (۳) عینی ج ۱ ص ۳، بحوالہ ابن اسحاق و تاریخ احمد بن حنبل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نازل ہوئیں :-

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ (المدثر ۷۴: ۱ تا ۵)	اے کپڑوں میں لپٹے ہوئے اٹھ لوگوں کو ڈرا، خدا کی بڑائی کر کپڑے پاک کر ڈال اور ناپاکی سے الگ ہو جا۔

اس کے بعد وحی کا سلسلہ برابر جاری رہا، وحی کا نزول اکثر تو کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آنے پر ہوتا تھا اور کبھی یوں بھی ہوتا تھا اکثر تین تین چار چار آیتیں ایک ساتھ اترتی تھیں، کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ دس دس آیتیں ایک ساتھ اتریں (۱)، جب کوئی آیت اترتی تھی تو آپ کسی پڑھے لکھے صحابی کو بلوا کر وہ آیت لکھوا دیتے تھے (۲) اس زمانہ میں جن چیزوں سے کاغذ کا کام لیا جاتا تھا، حسب ذیل تھیں۔

عسیب : کھجور کی شاخ جس سے پتے کو الگ کر لیتے تھے۔

لخفہ : پتھر کی پتلی تختیاں۔

کتف : اونٹ یا بکری کی چوڑی ہڈیاں۔

ادیم : چمڑا۔

قتب : پالان کی لکڑی۔

چنانچہ کاغذ کے علاوہ ان تمام چیزوں پر قرآن مجید لکھا جاتا تھا۔

قرآن مجید کی جمع و ترتیب کے متعلق جو روایتیں منقول ہیں، ان سے یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں میں کوئی ترتیب نہ تھی، وجوہ ذیل سے اس شبہہ کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ عموماً روایتوں میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب قرآن جمع کیا جانے لگا تو کھجور کے تختوں، ٹھیکروں اور ہڈیوں پر قرآن کی جو آیتیں لکھی ہوئی ملتی تھیں، ان کو جمع کرتے تھے اور ان سے نقل لیتے تھے، اگر سورتیں مرتب ہو چکی ہوتیں

(۱) اتقان نوع سادس عشر ج ۱ ص ۹۸ و مابعد مطبوعہ کلکتہ ۱۲۷۱ھ (۲) اتقان نوع ۱۸ ص ۱۳۳ و مابعد بحوالہ ترمذی و نسائی وغیرہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس ریزہ چینی کیا کیا ضرورت تھی۔

ترمذی اور نسائی وغیرہ میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آپ نے سورہ براۃ کو انفال کے بعد کیوں رکھا اور دونوں میں بسم اللہ کے ذریعہ سے حد فاصل کیوں نہیں قائم کی؟ حضرت عثمانؓ نے کہا " سورہ انفال مدینہ میں سب سے پہلے اتری تھی اور سورہ براۃ سب سے اخیر سورہ ہے، لیکن دونوں کے واقعات ملتے جلتے ہیں، اس لئے میں سمجھا کہ دونوں ایک ہی سورہ ہیں، لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں فرمائی تھی، اس لئے میں نے دونوں کو پاس پاس لکھا اور بیچ میں بسم اللہ نہیں لکھی۔

اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہے کہ سورہ براۃ اور سورہ انفال کا الگ الگ مستقل سورہ ہونا مشتبہ اور مشکوک ہے۔

ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ حارث بن خزیمہ نے دو آیتیں پیش کیں کہ میں نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا تھا، حضرت عمرؓ نے تصدیق کی اور کہا کہ اگر تین آیتیں ہوتیں تو ایک مستقل سورہ ہو جاتی، اس لئے اب یہ کرنا چاہئے کہ جو سورہ سب سے اخیر میں اتری ہو، اس کے اخیر میں یہ آیتیں شامل کر دی جائیں (۱) اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک سورتیں مرتب نہیں ہو چکی تھیں۔

چونکہ یہ ایک مہتم بالشان بحث ہے اس لئے ہم کسی قدر تفصیل سے اس کو لکھنا چاہتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہونی شروع ہوتی تھی تو دو دو چار چار آیتیں موقع بہ موقع اترتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کو اسی سورہ میں داخل کراتے جاتے تھے، جب ایک سورہ ختم ہو جاتی تو علیحدہ نام سے موسوم ہو جاتی تھی اور دوسری سورہ شروع ہوتی تھی، کبھی ایک ساتھ دو سورتیں نازل ہونی شروع ہوتیں

(۱) اتقان ذکر جمع و ترتیب قرآن ج ۱ ص ۱۴۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سورتوں کو الگ الگ لکھواتے جاتے، اس طرح سے آپ کے زمانہ ہی میں سورتیں مدون ہو چکی تھیں، لیکن باہم سورتوں میں کوئی ترتیب نہ تھی، یہی کام تھا جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں انجام پایا، یہ امر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورتیں مرتب ہو چکی تھیں اور ان کے نام قرار پا چکے تھے عموماً حدیثوں سے ثابت ہے، حذیفہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں، بقرہ، آل عمران اور نساء پڑھی، صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورہ اعراف پڑھی، اسی طرح اور حدیثوں میں یہ تصریح آیا ہے کہ فلاں فلاں سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھتے تھے۔

یہ امر بھی قطعی ہے کہ قرآن مجید کا بڑا حصہ ایک مجموعہ کی شکل میں مدون ہو چکا تھا، حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ قرآن مجید تین مرتبہ مدون کیا گیا اور سب سے پہلی تدوین خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی، حاکم نے زید بن ثابت سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کی سند بخاری اور مسلم کی شرط کے موافق ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں۔

كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم نولف القرآن من الرقاع (۱)	یعنی ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن مجید کو پرزوں اور ٹکڑوں سے لے کر جمع کرتے تھے۔

یہی مجموعہ ہے جس کی نسبت قرآن مجید میں جابجا صحیفہ، کتاب اور لوح کا لفظ آتا ہے۔

رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۔ (البینہ ۹۸ : ۲)	خدا کا پیغمبر جو پاک صحیفے پڑھتا ہے، جن میں معقول احکام ہیں۔
وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ فِي رَقٍّ (۲) مَّنشُورٍ ۔ (الطور ۵۲ : ۳)	اور قسم ہے اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ پر لکھی ہوئی ہے۔

(۱) اتقان ج ۱ ص ۵۹ (۲) رق چمڑے کو کہتے ہیں، جس کو قدیم زمانہ میں کاغذ کے طور پر (بقیہ ص ۶ پر)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔ (عبس ۸۰: ۱۱ تا ۱۶)

قرآن مجید نصیحت نامہ ہے، سو جسکا جی چاہے اسکو پڑھے، وہ ایسے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے جو محترم ہیں، بلند پایہ ہیں، پاک ہیں اور ایسے کاتبوں کے ہاتھ میں ہیں جو بزرگ اور نیک کردار ہیں۔

خوش اعتقادوں کا خیال ہے کہ صحیفہ سے لوح محفوظ اور سفرہ سے فرشتے مراد ہیں، یعنی قرآن مجید لوح محفوظ میں ہے اور لوح محفوظ فرشتوں کے ہاتھ میں ہے، لیکن یہ صحیح نہیں، اس قدر تمام مفسروں کے نزدیک مسلم ہے کہ سفرہ کے معنی کاتب یا سفیر کے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ لوح محفوظ فرشتوں کا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ اس پر جو کچھ لکھا ہے خود دست قدرت نے لکھا ہے، اس لئے یہ تو مراد نہیں ہو سکتا کہ لوح محفوظ ان فرشتوں کے ہاتھ میں ہے جنھوں نے اس کو لکھا ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ لوح محفوظ کے حامل جو فرشتے ہیں ان کو لکھنا آتا ہے، لیکن کسی روایت میں کہیں آسمانی فرشتوں کے لکھنے کا ذکر نہیں آیا ہے، نہ کسی چیز کے حامل ہونے کے لئے فن کتابت کی ضرورت ہے۔

سفرہ کے معنی اگر سفیر کے لئے جائیں تو یہ ظاہر ہے کہ جو ملائکہ سفرائے وحی ہیں (حضرت جبرئیلؑ وغیرہ) لوح محفوظ ان کے ہاتھ میں نہیں، نہ لوح محفوظ کے حامل

(بقیہ حاشیہ ص ۵ کا) استعمال کرتے تھے۔ منشور کے معنی کھلے ہوئے کے ہیں، جس سے یہ مراد ہے کہ کتاب ملاطفہ کی صورت میں نہیں لکھی گئی ہے جو لپیٹ کر رکھی جاتی ہے، بلکہ کتاب کی صورت میں ہے۔ حیرت ہے کہ ان تصریحات کے ساتھ بھی اکثر مفسروں نے یہاں کتاب سے لوح محفوظ یا نامہ اعمال مراد لیا ہے، لیکن کیا لوح محفوظ اور نامہ اعمال میں چمڑے کا کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ تاہم غنیمت ہے کہ بعض مفسرین نے صحیح معنی یہی لکھے ہیں۔ تفسیر ابو السعود ج ۷، ص ۶۹۳ دار الطباعۃ العامرہ میں ہے المراد به القرآن امام رازی نے بھی یہی معنی نقل کئے ہیں۔ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۸ مطبعہ مصریہ ۱۳۰۸ھ لیکن دونوں تفسیروں میں بہ کی جگہ منہ کا لفظ ہے۔ "س"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، وہ انبیاء کو زبانی وحی پہنچاتے ہیں، لوح محفوظ کے اوراق لے کر نہیں آتے۔

غرض یہ ہے اور صاف معنی یہی ہیں کہ قرآن مجید صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور یہ صحیفے برگذیدہ اور پاک لوگوں یعنی صحابہ کے ہاتھ میں ہیں، تفسیر کبیر میں ہے:۔

والسفرة الكرام البررة هم اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقيل هم القراء ۔ (۱)

سفرائے کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حافظ قرآن مراد ہیں۔

خوش اعتقادی کی وجہ سے اگرچہ عام لوگوں کا ذہن، لوح محفوظ کی طرف جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ کہ آیتوں کے سباق و سیاق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحیفہ سے یہی قرآن مجید مراد ہے، حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔ (۲)

وقد اعلم الله تعالى فى القرآن بانه مجموع فى الصحف قوله يتلوا صحفا مطهرة الاية وكان القرآن مكتوبا فى الصحف لكن كانت مفرقة فجمعها ابو بكر خدا نے قرآن مجید میں بتا دیا کہ قرآن صحیفوں میں مجتمع ہے (یعنی اس آیت میں يتلوا صحفا الخ) اور قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا موجود تھا، لیکن یکجا نہ تھا، حضرت ابو بکرؓ نے یکجا کر دیا۔ (۳)

خدا نے جابجا قرآن مجید کے مدون اور محفوظ رہنے کو اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔ (الحجر ۱۵: ۹)

ہم نے قرآن کو اتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۔ (القیامۃ ۷۵: ۱۷)

ہم پر ہے قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھ کر سنانا۔

یہ ظاہر ہے کہ جس چیز کی حفاظت اور تدوین کا ذکر ہے، وہ لوح محفوظ نہیں بلکہ وہ قرآن ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قید کتابت میں

(۱) تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۸۰ (۲) فتح الباری ج ۹ ص ۱۰ (۳) ایضاً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیا تھا اور کاغذ وغیرہ پر لکھا گیا تھا۔

خدا نے جب قرآن مجید کی حفاظت اور تدوین کا اہتمام سے ذکر کیا تو حفاظت اور تدوین کے اسباب ظاہری بھی ذکر کئے، یعنی یہ کہ وہ محفوظ اوراق میں ہے، ہر کس و ناکس اس کو چھونے نہیں پاتا، جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ معزز اور مقدس لوگ ہیں۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (۱) لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۔ (واقعہ ۵۶: ۷۷ تا ۷۹)	وہ بزرگ قرآن ہے، محفوظ کتاب میں ہے، اس کو صرف پاک لوگ چھونے پاتے ہیں۔
فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ (عبس ۸۰: ۱۳ تا ۱۶)	وہ ایسے اوراق میں لکھا ہوا ہے جو بلند پایہ ہیں، پاک ہیں، نیکو کار بزرگ کے ہاتھ میں ہیں۔

آیات مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ:۔

۱۔ قرآن مجید کے اجزاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قلم بند کئے گئے تھے۔

۲۔ یہ اجزاء چمڑے یا اور کسی قسم کے کاغذ پر لکھے گئے تھے۔

۳۔ ان کی حفاظت کا خاص اہتمام تھا اور بغیر طہارت کے لوگ ان کو ہاتھ نہیں لگانے پاتے تھے۔

با ایں ہمہ یہ نہیں ہوا کہ یہ اجزاء اس طرح مرتب ہوگئے تھے کہ ایک آیت بھی چھوٹنے نہ پائی ہو، چونکہ وحی کا سلسلہ وفات تک جاری رہا اور یہ اجزاء ہر وقت ساتھ نہیں رہتے تھے، اس لئے یہ بھی ہوا کہ بعض آیتیں جو اتریں وہ کسی پرچہ یا ہڈی وغیرہ پر لکھ لی گئیں اور اس مجموعہ میں نہ شامل ہو سکیں، الگ کسی پرچہ یا ہڈی وغیرہ پر لکھی رہ گئیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے اپنے زمانہ میں ایک ایک پرزہ اور ہڈی وغیرہ جو جمع کیں استقصا اور احتیاط کی غرض سے کیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن مجید اس وقت

(۱) مکنون کے معنی تمام مفسرین نے محفوظ کے لکھے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک صرف انھیں پرزوں پر تحریر تھا، حارث محاسبی لکھتے ہیں۔

كتابة القرآن ليست بمحدثة فانه صلى الله عليه وسلم كان يامر بكتابته و لكنه كان مفرقا فى الرقاع والاكتاف والعسب فانما امر الصديق ينسخها من مكان الى مكان مجتمعا۔ (۱)

قرآن مجید کی کتابت کچھ نئی بات نہ تھی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مختلف چیزوں یعنی کاغذ، شانہ کی ہڈی، کھجور کے تختہ پر لکھا ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ سب ایک جا جمع کردیا جائے۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس حد تک تدوین ہوچکی تھی اسی قدر تھی، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ کی تحریک سے قرآن کے تمام اجزاء یکجا لکھوائے، جس کی تفصیلی کیفیت حسب ذیل ہے۔

سنہ نبوت میں جو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا پہلا سال تھا، حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ یمامہ کی لڑائی میں اکثر حفاظ قرآن شہید ہوئے، اگر اور لڑائیوں میں اسی طرح حفاظ شہید ہوئے تو قرآن کا بہت سا حصہ جاتا رہے گا (۲) حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں وہ کام کیونکر کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت عمرؓ نے کہا لیکن یہ اچھا کام ہے، غرض حضرت عمرؓ کے بار بار کہنے سے حضرت ابوبکرؓ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آگئی، انھوں نے زید ابن ثابتؓ کو جو کاتب وحی تھے، بلاکر اس کام پر مامور کیا، انھوں نے بھی پہلے عذر کیا،

(۱) اتقان نوع ۱۸ ج ۱ ص ۱۳۷ (۲) بخاری باب جمع القرآن ج ۲ ص ۷۴۵، کی روایت میں یہی لفظ ہے لیکن یہ امر تمام محدثین اور مؤرخین کے نزدیک مسلم ہے کہ قرآن مجید کل کا کل قلم بند ہوچکا تھا، بعض روایتیں اس کے خلاف ہیں تو ان میں صرف دو آیتوں کا ذکر ہے کہ وہ لکھنے سے رہ گئی تھیں اور بعض صحابہ کو زبانی یاد تھیں، اس لئے اگر تمام حفاظ قرآن شہید ہو جاتے تب بھی اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ قرآن مجید کا بڑا حصہ ضایع ہو جاتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن بالآخر وہ بھی متفق ہوئے اور جہاں جہاں قرآن مجید کسی چیز پر لکھا ملتا تھا، سب کو یکجا کرنا شروع کیا۔

اختلاف مصاحف اور قرأت

حضرت عثمانؓ نے جس طرح قرآن مجید کو ترتیب دیا، بعض صحابہ نے اس کے خلاف ترتیب دی تھی اور وہ اپنی اسی ترتیب پر قائم رہے، یہاں تک کہ جب حضرت عثمانؓ کا حکم پہنچا کہ ان کی ترتیب کے خلاف جو نسخے پائے جائیں ضایع کر دیے جائیں تو ان لوگوں نے اس حکم کی اطاعت نہیں کی اور بڑے استقلال سے ان کے حکم کو روکا، ان مصاحف کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

مصحف عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان چار صحابہ میں ہیں جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ لوگ ان سے قرآن مجید سیکھیں، انھوں نے اپنے اجتہاد کے موافق سورتوں کی ترتیب کی تھی، جو حضرت عثمانؓ کی ترتیب کے مخالف تھی، فتح الباری شرح بخاری میں ہے، وان فیہ دلالۃ علی ان تالیف مصحف ابن مسعود علی غیر تالیف العثمانی۔ (۱)

نسائی اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے منبر پر چڑھ کر کہا "تم لوگ مجھ کو کیوں کر حکم دیتے ہو کہ میں زید بن ثابتؓ کی قرأت کے موافق قرآن پڑھوں، میں نے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سیکھا ہے"۔ (۲)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس کی ترتیب بھی ترتیب نزول کے موافق نہ تھی (۳) ؟ ابن الندیم نے اس کی ترتیب حسب ذیل بیان کی ہے:۔

بقرہ، نساء، آل عمران، المص، انعام، مائدہ، یونس، براۃ، نحل، ہود، یوسف، بنی اسرائیل، انبیاء، مومنون، شعراء، صافات، احزاب، قصص، نور، انفال، مریم، عنکبوت، روم، الخ (کتاب الفہرست میں اخیر تک کی تمام سورتیں لکھ دی ہیں)

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے ابن مسعود کے متعدد قرآن دیکھے، لیکن

(۱) ج ۹ ص ۳۸ مطبعۃ الکبری بولاق مصر ۱۳۰۱ھ (۲) ایضاً ص ۴۴ (۳) ایضاً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں دو بھی باہم متفق نہ تھے۔ (۱)

مصحف علی، یہ مصحف حضرت علیؓ نے ترتیب دیا تھا اور اس میں نزول کی ترتیب ملحوظ رکھی تھی، یعنی جو آیتیں اور سورتیں جس ترتیب سے اتری تھیں وہی ترتیب قائم رکھی تھی، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:۔

و یقال ان مصحف علی کان علی ترتیب النزول اوله اقرء ثم المدثر ثم ن و القلم، ثم المزمل، ثم تبت، ثم التکویر، ثم سبح وهكذا الى اخر المكى ثم المدنى۔ (۲)

ابن الندیم کتاب الفہرست میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابو یعلی حمزۃ الحسنی کے پاس ایک قرآن دیکھا تھا جو ان کے خاندان میں متوارث چلا آتا تھا اور حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا (۳) ابن الندیم کا زمانہ چوتھی صدی ہے، اس لئے اس زمانہ تک اس نسخہ کا موجود ہونا ثابت ہے۔

مصحف ابی بن کعبؓ، اس مصحف کا ذکر بھی حافظ ابن حجر اور سیوطی نے جا بجا کیا ہے، ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ "بصرہ سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا، جس کو قریۃ الانصار کہتے تھے، ابی بن کعبؓ نے یہیں بیٹھ کر قرآن کی ترتیب کی تھی، اس کے بعد ابن الندیم نے تمام سورتوں کا نام ان کی ترتیب کے موافق لکھا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے قرآن میں کل آیتیں ۶۲۱۰ ہیں۔ (۴)

مصحف عائشہؓ، صحیح بخاری باب تالیف القرآن میں ہے کہ عراق سے ایک شخص حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور کہا کہ ام المومنین! آپ اپنا قرآن لائیے تو میں اپنا نسخہ درست کرلوں، کیونکہ لوگ قرآن کو بے ترتیب پڑھتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے کہا کسی سورہ کے پہلے پیچھے پڑھنے میں کیا حرج ہے (یعنی سورتوں میں کوئی خاص ترتیب ضروری نہیں)۔

(۱) کتاب الفہرست ص ۲۹ مطبعۃ الرحمانیہ مصر ۱۳۴۸ھ (۲) فتح الباری ج ۹ ص ۴۸
(۳) کتاب الفہرست ص ۳۲ (۴) ایضاً ص ۴۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے اپنا نسخہ نکالا اور عراق نے اس کے موافق آیتیں درست کرلیں (۱) ممکن ہے یہ وہی قرآن ہو جو حضرت ابو بکرؓ نے مرتب کرایا تھا۔

مصاحف کے اس اختلاف اور بعض غیر مستند روایتوں سے جو بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں، لوگوں کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ قرآن مجید بھی توریت اور انجیل کی طرح بہت کچھ ادل بدل گیا ہے، ان شبہہ کرنے والوں کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ حضرت ابو بکرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابیؓ وغیرہ کے مصاحف میں جو اختلاف تھا وہ صرف ترتیب سور کی بنا پر نہیں ہوسکتا تھا، سورتوں کی ترتیب کوئی امر اہم نہ تھا، جس کی بنا پر عبداللہ بن مسعودؓ اس قدر جان بازی پر آمادہ ہو جاتے۔

۲۔ تمام اہل روایت متفقاً لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے قرآن میں دو سورتیں (معوذتین) نہ تھیں۔

حافظ ابن حجر شرح بخاری میں لکھتے ہیں :۔

قد صح عن ابن مسعود انکار ذلک فاخرج احمد و ابن حبان عنہ انہ کان لا یکتب المعوذتین فی مصحفہ۔

احمد بزار، طبرانی وغیرہ محدثین نے بسند صحیح روایت کی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ جس قرآن میں یہ دونوں سورتیں پاتے تھے مٹا دیتے تھے۔ (۲)

۳۔ طبری اور بیہقی نے بعض ایسی سورتیں روایت کی ہیں جو موجودہ قرآن میں مطلق نہیں ہیں، مثلاً۔

اللھم انا نستعینک و نستغفرک و نثنی علیک ولا نکفرک و نخلع و نترک من یفجرک اللھم ایاک نعبد و لک نصلی و نسجد و الیک نسعی و نحفد نرجو رحمتک و نخشی نقمتک ان عذابک بالکافرین ملحق۔ (۳)

(۱) صحیح بخاری باب تالیف القرآن ج ۲ ص ۷۴۶، مطبع اصح المطابع دیوبند (۲) اتقان معرفۃ متواتر و مشہور نوع ۲۲ و ۲۳ ج ۱ ص ۸۱ (۳) اتقان معرفۃ متواتر و مشہور ص ۶۷ مطبوعہ مصر مطبع ازہریہ مصر ۱۳۱۸ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ شیعہ جو مسلمانوں میں ایک گروہ اعظم ہے، اس بات کا قائل ہے کہ قرآن میں بہت کچھ حذف و اسقاط ہوا ہے۔

۵۔ قرأتوں کے اختلافات جو منقول ہیں، ان میں ایسے اختلافات ہیں جو معمولی اختلاف نہیں بلکہ لفظ کے لفظ اور بعض جگہ جملے کے جملے بدل گئے ہیں۔

ان واقعات نے عیسائیوں کو موقع دیا کہ وہ تحریف انجیل کی مذمت اس الزامی جواب سے مٹائیں۔

سب سے پہلے ہم کو شیعوں کے الزام کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کی حالت اور ان کی روایت قرآن مجید کے محفوظ رہنے کی سب سے بڑی دلیل ہے، شیعہ وہ فرقہ ہے جو خلفائے ثلثہ کو سرے سے (نعوذ باللہ) کافر سمجھتا ہے اور ان لوگوں کے ہاتھ سے جو کام انجام پایا ہو، اس پر کبھی اعتبار نہیں کرسکتا، یہ مسلم ہے کہ جامع قرآن حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ اور اس کو بزور حکومت شایع کرنے والے حضرت عثمانؓ تھے، یہ بھی مسلم ہے کہ حضرت علیؓ نے قرآن مجید مرتب کیا تھا، جس کی ترتیب بالکل مختلف تھی، خود سنیوں میں سے طبرانی اور بیہقی وغیرہ محدثین نے یہ روایتیں نقل کیں، (جیسا کہ ابھی اوپر نقل ہوچکیں) کہ بعض سورتیں قرآن مجید سے نکل گئیں اور بعض سورتوں کی بہت سی آیتیں جاتی رہیں، با ایں ہمہ شیعوں نے کیا کہا؟

علامہ طبرسی جو مشہور اور مستند شیعی مفسر ہیں، تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں:۔

ومن ذلک الکلام فی زیادۃ القرآن ونقصانہ فانہ لایلیق بالتفسیر فاما الزیادۃ فمجمع علی بطلانہ واما النقصان منہ فقد روی جماعۃ من اصحابنا و قوم من حشویۃ العامۃ ان فی القرآن تغیرا و	انھیں میں سے ایک بحث یہ ہے کہ قرآن مجید میں حذف یا اضافہ ہوا ہے یا نہیں؟ یہ بحث فن تفسیر سے متعلق نہیں یہ امر کہ قرآن میں کچھ اضافہ ہوگیا ہے، سب کے نزدیک باطل ہے باقی نقصان تو ہمارے فرقہ میں سے ایک گروہ نے اور سنیوں میں حشویہ (۱) نے

(۱) حشویہ سے یہ لوگ کم درجہ کے محدثین کو مراد لیتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقصانا و الصحيح من مذهب اصحابنا خلافه وهو الذي نصره المرتضى قدس الله روحه و استوفى الكلام فيه غاية الاستيفاء في جواب المسائل الطبرسيات و ذكر في مواضع ان العلم بصحة نقل القرآن كالعلم بالبلدان والحوادث الكبار والوقايع العظام و الكتب المشهورة واشعار العرب المسطورة فان العناية اشتدت والدواعي توفرت على نقله و حراسته و بلغت الى حد لم يبلغه فيما ذكرناه لان القرآن معجزة النبوة وماخذ العلوم الشرعية والاحكام الدينية وعلماء المسلمين قد بلغوا في حفظه و حمايته الغايته حق عرفوا كل شئي اختلف فيه من اعرابه و قرائته و حروفه وآياته فكيف يجوزان يكون مغيرا او منقوصا مع العناية الصادقة والضبطا الشديد ..... و قال ايضا ان القرآن كان

روایت کی ہے کہ قرآن میں تغیر اور نقصان ہوگیا ہے لیکن ہمارے فرقہ کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے اور سید مرتضیٰ نے اس کی تائید کی ہے اور مسائل طبرسیات کے جواب میں اس پر نہایت مفصل بحث کی ہے، سید مرتضیٰ نے متعدد موقعوں پر لکھا ہے کہ قرآن کے صحت کا علم ایسا ہی ہے جیسا شہروں کا علم اور بڑے بڑے واقعات اور مشہور کتابوں اور عرب کے مدون اشعار کا علم، کیونکہ قرآن کی نقل اور حفاظت کے اسباب نہایت کثرت سے تھے اور اس حد تک پہنچے تھے کہ اور کسی چیز کے نہیں گئے، اس لئے کہ قرآن نبوت کا معجزہ اور علوم شرعیہ اور احکام دینیہ کا ماخذ ہے اور علمائے اسلام نے اس کی حفاظت اور حمایت میں انتہا درجہ کی کوشش کی، یہاں تک کہ قرآن کے اعراب، قرات، حروف آیات کے اختلافات تک انھوں نے محفوظ رکھے، اس لئے کیونکر قیاس ہوسکتا ہے کہ اس احتیاط شدید کے ہوتے اس میں نقصان یا تغیر آنے پائے، سید مرتضیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہی مکتوب اور مرتب تھا جیسا اب ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ قرآن اس زمانہ میں پڑھا جاتا تھا اور لوگ اس کو حفظ کرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علی عہد رسول اللہ مجموعا مؤلفا علی ما ہو علیہ الآن و استدل علی ذلک بان القرآن کان یدرس و یحفظ جمیعہ فی ذلک الزمان حتی عین علی جماعۃ من الصحابۃ فی حفظھم لہ و انہ کان یعرض علی النبی ویتلی علیہ و ان جماعۃ من الصحابۃ مثل عبد اللہ بن مسعود و ابی بن کعب و غیرھما ختم القرآن علی النبی عدۃ ختمات وکل ذلک یدل بادنی تامل علی انہ کان مجموعا مرتبا غیر مبتور ولا مبثوث وذکر ان من خالف فی ذلک الامامیۃ و الحشویۃ لا یعتد بخلافھم فان الخلاف فی ذلک مضاف الی قوم من اصحاب الحدیث نقلوا اخبارا ضعیفۃ (۱)

تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے اور متعدد صحابہ مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ وغیرہ نے قرآن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چند بار ختم کیا تھا، سید مرتضیٰ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو امامیہ یا حشویہ اس کے مخالف ہیں ان کی مخالفت قابل اعتبار نہیں، کیونکہ اس میں جن لوگوں نے خلاف کیا ہے وہ اہل حدیث میں سے ایک گروہ ہے اور انہوں نے ضعیف روایتیں نقل کی ہیں۔

طبرانی اور بیہقی وغیرہ نے جو روایتیں نقل کی ہیں، جن میں دعائے قنوت کو قرآن کی سورتوں میں داخل کیا ہے سرتاپا خرافات اور لغو ہیں، حیرت ہے کہ ایسے معزز محدثین اس قسم کی جھوٹی حدیثیں کیوں کر اپنی کتابوں میں نقل کرتے تھے اور جلال الدین سیوطی تو حاطب اللیل ہیں ہی، ان کو کسی قسم کی روایت سے کیا دریغ ہے۔

طبرانی کی روایت میں ۵ راوی ہیں، عباد بن یعقوب الاسدی، یحییٰ بن یعلی اسلمی، ابن لہیعہ، ابو ہبیرہ، عبد اللہ بن زرير الغافقی، ان کی کیفیت یہ ہے کہ عباد بن یعقوب گو رواۃ بخاری میں ہیں لیکن جیسا کی میزان الاعتدال ذہبی میں ہے " غالی شیعہ

(۱) تفسیر مجمع البیان طبع ایران ج ۱ ص ۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور رؤس بدعت " سے ہیں اور یہ اصول حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ بد مذہب شخص جب کوئی ایسی روایت کرے جس سے اس کے مذہب کو تقویت پہنچتی ہو تو نا معتبر ہوگی۔ یہ ظاہر ہے کہ اس روایت سے ان غالی شیعوں کے دعوی کی تائید ہوتی ہے جو قرآن میں حذف و اضافہ کے قائل ہیں۔ یحییٰ بن اسلمی، مضطرب الحدیث ہیں اور حاتم نے ان کو ضعیف کہا ہے (۱) ابن سیعہ بھی ضعیف الحدیث ہیں۔

بیہقی کی روایت میں عبد الملک بن جریج ہیں۔ ان کو ذہبی نے اگرچہ نامور ثقات میں لکھا ہے۔" لیکن ساتھ ہی لکھا ہے کہ مدلس تھے " اور مدلس کی روایت عن عنہ کے ذریعہ سے نا قابل اعتبار ہوتی ہے۔ ذہبی کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت بھی شیعہ تھے۔ کیونکہ آپ نے ۹۰ عورتوں سے متعہ کیا تھا۔ (۲) امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ " ابن جریج نے جو مرسل روایتیں کی ہیں ان میں بعض محض جعلی ہیں۔ بیہقی کے دوسرے راوی عبید بن عمیر ہیں اور ان کو میزان الاعتدال میں مجہول لکھا ہے " (۳) اسی طرح مستدرک وغیرہ کی یہ روایتیں کہ سورہ براءۃ پہلے سورہ بقرہ کے برابر تھی۔ سب جھوٹ اور افتراء ہیں۔ مستدرک کے مصنف نیم شیعہ تھے۔ اس لئے اس قسم کی روایتوں میں ان کو مزہ آتا ہوگا۔ علامہ ذہبی ان کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

یصحح فی مستدرکہ احادیث ساقطۃ و یکثر من ذلک ...... ثم ھو شیعی مشہور یعنی وہ اکثر ساقط الاعتبار حدیثیں نقل کرتے ہیں اور مشہور شیعی ہیں۔ (۴)

عبداللہ بن مسعودؓ کا معوذتین سے انکار کرنا اگرچہ شہرت پکڑ گیا ہے اور حافظ ابن حجر کو روایت پرستی کی بنا پر اس کی صحت پر اصرار ہے۔ لیکن اور تمام محققین اس کو افترائے محض سمجھتے ہیں۔ امام نووی نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ " عبداللہ ابن مسعودؓ کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں۔ علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کی نسبت یہ اتہام ہے " (۵) چنانچہ یہ تمام اقوال سیوطی نے اتقان بحث

(۱) میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹ مطبعۃ السعادہ مصر ۱۳۲۵ھ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۵۱ (۳) ایضاً ص ۱۶۲ (۴) ایضاً ج ۳ ص ۸۵ (۵) الاتقان ج ۱ ص ۸۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متواتر و مشہور بین نقل کئے ہیں۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ سورتیں ان کے نزدیک داخل قرآن نہ تھیں تو اس سے قرآن مجید کے تواتر اور قطعیت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ اس سے صرف اس قدر نتیجہ نکل سکتا ہے کہ انھوں نے یہ سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی تھیں اور اپنے سماع کے سوا وہ اوروں کے سماع کو قطعی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کو تو بڑی شکایت یہ بھی تھی کہ ان کے ہوتے قرآن مجید زید بن ثابتؓ سے کیوں لکھوایا گیا، چنانچہ صحیح ترمذی میں روایت ہے کہ "مسلمانو! میں تو قرآن کی کتابت سے معزول کیا گیا اور وہ شخص (زید بن ثابتؓ) مقرر کیا گیا کہ جب میں اسلام لایا تو وہ ایک کافر کے صلب میں تھا" (۱) ابن ابی داؤد میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ستر سورتیں سیکھیں اور زید بن ثابتؓ بچے تھے" (۲) لیکن جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابتؓ کو کاتب وحی مقرر فرمایا تھا تو کسی کو ان کی قابلیت کے انکار کا کیا حق ہے۔

اس تمام بحث میں یہ مسئلہ البتہ مہتم بالشان ہے کہ اختلاف قرأۃ کیا چیز ہے؟ اور ان میں جو اختلافات ہیں وہ کس حد تک ہیں اور ان کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے۔

عرب کے مختلف قبائل میں ان الفاظ، مخارج حروف، اعراب، اوزان میں اختلاف تھا، مثلاً ایک قبیلہ حتیٰ کو عتیٰ کہتا تھا کوئی علامت مضارع کو فتحہ کے بجائے کسرہ سے پڑھتا تھا، کسی قبیلہ میں مالک کو ملک کہتے تھے، اس طرح کے کثرت سے اختلافات تھے اور چونکہ ہر قبیلہ اپنے لب و لہجہ پر مجبور تھا، اس لئے وہ اپنی ہی زبان کے موافق الفاظ ادا کر سکتے تھے، اسی بنا پر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ "نزل القرآن علی سبعۃ احرف یعنی قرآن سات حرفوں پر اترا ہے" محدثین نے تصریح کی ہے کہ سات سے عدد مخصوص مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے، یہ اختلافات قرات جس نوع کے تھے۔ (۳)

(۱) صحیح ترمذی ابواب التفسیر تفسیر سورہ توبہ ج ۲ ص ۱۴۲ (۲) یہ روایت مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۱ میں بھی ہے "ک" (۳) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف ج ۱ ص ۲۰۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کا اندازہ تفصیل ذیل سے ہوگا۔

چند اختلافات متعلق سورہ فرقان

قرأت مشہور	قرأت غیر مشہور
نَزَّلَ الْفُرْقَانَ	اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ
عَلٰی عَبْدِهٖ	علی عبیده
تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ	یَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ
ضیقا	ضیقا
مقرنین	مقرنون
مایعبدون من دون اللّٰه	مایعبدون من دوننا
سراجا	سرجا
قرة اعین	قرات اعین
سجدا	سجودا
لما تامرنا	لما تامرنا به
یجزون الغرفة	یجزون الجنة
فقد کذبتم	فقد کذب الکافرون

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۹ صفحہ ۳۰) میں اس قسم کے تمام اختلافات کا استقصا کیا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر بلکہ قریب کل صرف اعراب یا اختلاف لغت کا فرق ہے، شاذ و نادر مترادف الفاظ کا اختلاف ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان اختلافات سے اصل معنی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے، عرب میں سینکڑوں قبیلے تھے اور ان کا لب و لہجہ مختلف تھا، صحابہ نے قرآن زبانی سیکھا تھا، لکھے ہوئے اجزاء بہت کم تھے، عجم کے اختلاط سے لب و لہجہ میں اور تغیر ہوا، ان سب حالات کے ساتھ اس قدر اختلاف ہونا ضروری تھا اور شارع نے خود اس میں مسامحت کی۔ لیکن اس سے اس دعویٰ کا زور مطلق نہیں گھٹ سکتا کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف محفوظ ہے اور آج

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک دنیا میں کوئی کتاب اس طرح محفوظ اور غیر محرف نہیں رہی ۔ اعلان عام کیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن مجید کا کوئی ٹکڑا ہو ۔ لے کر آئے ۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا ۔ اس پر اوروں کی بھی شہادت لی جاتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کو قلمبند دیکھا تھا (۱) ایسے صحابہ جن کو قرآن مجید کے اکثر حصے زبانی یاد تھے ، نہایت کثرت سے تھے ۔ وہ زبانی قرآن مجید کی آیتیں سناتے تھے ۔ لیکن وہ اسی وقت قلمبند کی جاتی تھیں جب وہ ان کے پاس یا کسی اور صحابی کے پاس قلمبند بھی ملتی تھیں ۔ اتقان میں حافظ ابو شامہ کا قول نقل کیا ہے کہ :-

و کان غرضهم ان لا یکتب الا من عین ما کتب بین یدی النبی لا من مجرد الحفظ ۔ (۲)	ان کا مقصد یہ تھا کہ قرآن صرف حفظ کی بنا پر نہ لکھا جائے بلکہ اس کی نقل کی جائے جو آنحضرتؐ کے سامنے قلمبند ہوا تھا ۔

غرض ایک ایک پرزہ ایک ایک ٹھیکری تک جس پر قرآن کی ایک آیت بھی لکھی گئی تھی جمع کئے گئے اور سب کو سامنے رکھ کر حافظوں کی مدد سے حضرت عمرؓ اور زید بن ثابتؓ نے قرآن مجید کا ایک مکمل نسخہ تیار کیا ۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ صرف سورہ توبہ کی دو آیتیں ایسی ملیں جو خزیمہ بن ثابت کے سوا اور کسی کے پاس نہ تھیں ۔

یہ بیان کسی قدر تشریح طلب ہے کہ " زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ صرف سورہ توبہ کی دو آیتیں ایسی ملیں جو خزیمہ بن ثابت کے سوا اور کسی کے پاس نہ تھیں " واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں کے جزو قرآن ہونے میں کسی کو کلام نہ تھا ، بات صرف اتنی تھی کہ اس وقت کی تفتیش میں یہ آیتیں ابو خزیمہ کے علاوہ اور کسی کے قرآن میں لکھی ہوئی نہیں ملیں ورنہ خود زید بن ثابت و ابو خزیمہ و حضرت عمر (رضی اللہ عنہم) کو یہ آیتیں یاد تھیں اور ان کے آیت قرآنی ہونے پر سب کو اتفاق تھا ۔ (۳)

یہ نسخہ جو تیار ہوا حضرت ابو بکرؓ کے خزانہ میں رہا ۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ

(۱) ابو داؤد و اتقان نوع ۱۹ ج ۱ ص ۶۰ (۲) الاتقان ج ۴ ص ۶۰ (۳) فتح الباری ج ۹ ص ۱۲ و اتقان ج ۱ ص ۶۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قبضہ میں آیا، حضرت عمرؓ کے بعد ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے پاس آیا، مروان بن حکم جب مدینہ منورہ کا حاکم مقرر ہو کر آیا تو اس نے حضرت حفصہؓ سے یہ نسخہ مانگ بھیجا، انھوں نے انکار کیا، ان کے مرنے کے بعد مروان نے عبداللہ بن عمرؓ سے بہ جبر منگوا کر اس کو چاک کر ڈالا، چنانچہ فتح الباری میں بہ سند صحیح یہ واقعہ نقل کیا ہے (۱) بنوامیہ کے جو احسانات اسلام پر ہیں ان میں ایک یہ بھی احسان عظیم ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں قرآن مجید کے حفظ و اشاعت کا نہایت اہتمام کیا، تمام ممالک مفتوحہ میں قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلموں اور قاریوں کی تنخواہیں مقرر کیں (۲) خانہ بدوش بدویوں میں قرآن کی جبری تعلیم جاری کی، پھر ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر کر ایک ایک شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کی کوئی آیت یاد نہ ہو اس کو سزا دے (۳) صحابہ میں سے پانچ بزرگ تھے جو مشہور حفاظ قرآن تھے، معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابی بن کعبؓ، ابو ایوبؓ، ابو الدرداءؓ، حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے، ابو ایوبؓ اور ابی بن کعبؓ نے بیماری اور ضعف کی وجہ سے معذوری ظاہر کی، باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا، یہ لوگ پہلے حمص گئے، وہاں تعلیم جاری ہو گئی تو عبادہؓ نے وہیں قیام کیا اور ابو درداءؓ دمشق کو اور معاذ بن جبلؓ بیت المقدس کو روانہ ہوئے، (۴) علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے کہ ابو الدرداءؓ کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ نماز صبح کے بعد جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے، قرآن پڑھنے والے کثرت سے جمع ہوتے تھے، دس دس آدمیوں کی ٹکڑیاں کردی جاتی تھیں اور ہر ٹکڑی پر ایک قاری مقرر کیا جاتا تھا جو شخص

---

(۱) ج ۹ ص ۱۷ (۲) سیرۃ العمرین لابن جوزی (۳) اغانی جزؤ ۱۶ ص ۵۸ و اصابہ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے (۴) یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے، کنز العمال کتاب الاذکار میں قسم الافعال ج ۱ ص ۲۸۱ میں ابن سعد کی یہ روایت مذکور ہے مطبعہ دائرہ معارف اسلامیہ حیدر آباد ۱۳۱۲ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پورے قرآن کا حافظ ہو جاتا تھا ابو درداءؓ اس کو اپنا شاگرد خاص بناتے تھے ۔ ایک دن شمار کرایا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو طالب العلم اس وقت حلقہ درس میں حاضر ہیں ۔

حضرت عمرؓ نے اشاعت قرآن کے لئے اور بہت سی تدبیریں اختیار کیں ۔ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کردی جائیں (۱) ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا ، حفاظ کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز ہو گئی ، حضرت عمرؓ نے جب فوجی افسروں کو خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو کہ میں ان کو تعلیم قرآن کے لئے جابجا بھیجوں تو سعد بن وقاصؓ نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ موجود ہیں ۔ (۲)

بااین ہمہ چونکہ قرآن کے نسخے نہیں شائع کئے گئے تھے ، ادھر اسلام روز بروز دور دراز ممالک میں پھیلتا جاتا تھا اور نئی نئی قومیں اسلام میں داخل ہوتی جاتی تھیں ، اس لئے الفاظ کے اعراب تلفظ ، وجوہ قرأت میں اختلاف ہوتا گیا اور یہ اختلاف برابر بڑھتا گیا ، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں لوگوں نے ان سے آکر شکایت کی کہ قرآن کی خبر لیجئے ، ورنہ اس کی حالت بھی توریت اور انجیل کی حالت ہو جائے گی ، حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ کا مرتب شدہ قرآن حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی) کے پاس تھا ، حضرت عثمانؓ نے ان کے ہاں سے منگوا بھیجا اور زید بن ثابتؓ ، عبداللہ ابن زبیرؓ ، سعید بن العاصؓ ، عبدالرحمان بن حارثؓ سے چار نسخے نقل کرائے اور مختلف صوبوں میں بھیجے ، (۳) یہ کام ۲۵ھ میں انجام پذیر ہوا ، ابن ابی داؤد کی روایت ہے کہ ۱۲ شخص کتابت کے کام پر مقرر کئے گئے تھے ۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عثمانؓ کا نام جامع القرآن مشہور ہو گیا ہے ، حالانکہ ان کو قرآن مجید کے جمع و ترتیب میں کوئی دخل نہیں ، انھوں نے جو کچھ کیا وہ

(۱) علامہ شبلیؒ نے کنز العمال کی یہ روایت الفاروق حصہ دوم ص ۱۱۸ میں سیرۃ العمرین لابن الجوزی کے حوالہ سے نقل کی ہے ، مطبعہ معارف پریس ۱۹۵۶ء "ک" (۲) کنز العمال ج ۱ ص ۲۱۷

(۳) بعض حدیث کی کتابوں میں ہے کہ سات نسخے نقل کرائے تھے ، کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے نسخہ کی چند نقلیں کرائیں اور مختلف صوبوں میں بھیج دیں کہ ان کے موافق پڑھا جائے ۔ اتنا البتہ کیا کہ اس وقت تک قرآن مجید مختلف قرائتوں میں پڑھا جاتا تھا (اس کی تفصیل آگے آئے گی) حضرت عثمانؓ نے قرأت مشہورہ کے موافق قرآن لکھوا کر باقی قراتوں کے موافق جہاں کہیں جو اجزاء ملے وہ چاک کر دئے یا جلا ڈالے۔

حضرت عثمانؓ کی نسبت یہ روایت مشہور تو ہے کہ قرآن کے متفرق و مختلف اجزاء ان کے حکم سے جلا دیئے گئے ۔ روایت کے الفاظ میں "یحرق" (حائے حطی) سے بیان کیا جاتا ہے مگر حافظ ابن حجر عسقلانی بڑے وثوق اور تصریح کے ساتھ لکھتے ہیں کہ "فی روایة الاکثر" "ان یخرق" بانحاء المعجمة وھو اثبت (یعنی اکثر روایتوں میں "یحرق" کی جگہ جس سے جلانے کا ثبوت دیا جاتا ہے "یخرق" خائے نخذ سے وارد ہے ۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ قرآن کے غیر مرتب نسخے خرقہ کی طرح لپیٹ کر رکھ دیئے جائیں ۔ یعنی اب ان سے کام نہ لیا جائے ۔ (۱)

اس کے ساتھ یہ بھی کیا کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں سورتوں میں باہم کوئی ترتیب نہ تھی بلکہ بلا خیال تقدیم و تاخیر تمام سورتیں الگ الگ لکھوا کر یکجا رکھوا دی گئی تھیں ۔ حضرت عثمانؓ نے سورتوں کے مطول و مختصر ہونے کی بنا پر ترتیب دے دی کہ وہی آج موجود ہے ۔ اتقان میں ہے :-

قال الحارث المحاسبی المشھور عند الناس ان جامع القرآن عثمان و لیس کذلک انما حمل عثمان الناس علی القرائة بوجه واحد ۔ (۲)	حارث محاسبی کہتے ہیں کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت عثمانؓ جامع قرآن ہیں لیکن ایسا نہیں ہے ۔ حضرت عثمانؓ نے صرف یہ کیا کہ لوگوں کو ایک خاص قرأت پر مجبور کیا ۔

عینی شرح بخاری میں ہے ۔

ان الصحف ھی الاوراق المحررة	صحیفہ ان اوراق کا نام ہے جو حضرت ابو بکرؓ

(۱) ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۹ ص ۱۶ (۲) اتقان ج ۱ ص ۶۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

التی جمع فیہا القرآن فی عہد ابی بکر و کانت سور مفرقۃ کل سورۃ مرتبۃ بآیاتہا علی حدۃ لکن لم یرتب بعضہا اثر بعض فلما نسخت ورتب بعضہا اثر بعض صارت مصحفا ولم یکن مصحفا الا فی عہد عثمان (۱)

کے زمانہ میں لکھے گئے تھے، یہ متفرق سورتیں تھیں جن کی آیتیں مرتب تھیں لیکن خود سورتوں میں باہم کوئی ترتیب نہ تھی، پھر جب ان کی نقل لی گئی اور سورتیں آگے پیچھے رکھی گئیں تو اس کا نام مصحف ہوا اور یہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوا۔

حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف نقل کرا کے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، دمشق میں بھجوائے تھے، مدت تک موجود تھے، چنانچہ ان کی تفصیل جیسا کہ مقری نے نفح الطیب میں لکھی ہے، (۲) حسب ذیل ہے۔

دمشق۔ اس مصحف کو ابو القاسم سبتی نے ۶۵۷ھ میں جامع دمشق کی مقصورہ میں دیکھا، عبد الملک کا بیان ہے کہ میں نے اس کو ۷۳۵ھ میں دیکھا، یہ مصحف میرے سفر قسطنطنیہ کے زمانہ تک دمشق میں موجود تھا، کئی برس ہوئے جب سلطان عبد الحمید خاں کے زمانہ میں جامع مسجد جل گئی تو یہ مصحف بھی جل گیا۔

مدینہ منورہ۔ اس مصحف کا بھی ۷۳۵ھ تک پتہ چلتا ہے، اس نسخہ کی پشت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی، ھذا ما اجمع علیہ جماعۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہم زید بن ثابت و عبد اللہ ابن الزبیر و سعید بن العاص (اس کے بعد اور صحابہ کا نام تھا)۔

مکہ معظمہ۔ یہ بھی ۷۳۵ھ تک موجود تھا۔

بصرہ یا کوفہ۔ یہ قرآن معلوم نہیں کس زمانہ میں قرطبہ پہنچا، پھر عبد المومن اس کو قرطبہ سے اپنے دار السلطنت میں بڑے تزک و احتشام سے لایا، ۶۴۵ھ میں وہ معتضد کے قبضہ میں آیا، اس کے بعد ابو الحسن نے جب تلمسان فتح کیا تو یہ نسخہ اس کے قبضہ میں آیا، اس کے مرنے پر پرتگیز میں پہنچا، وہاں سے ایک تاجر نے کسی طرح اس

(۱) عینی شرح بخاری ج ۹ ص ۳۰۶ (۲) نفح الطیب ج ۱ ص ۲۸۲ مطبوعہ مصر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو حاصل کیا اور ۴۳۵ھ میں شہر فارس میں لایا، چنانچہ مدت تک خزانہ شاہی میں موجود تھا۔ (۱)

علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں جہاں قاضی فاضل (سلطان صلاح الدین کا وزیر تھا) کے مدرسہ کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ اس کے کتب خانہ میں مصحف عثمانی کا نسخہ موجود تھا جس کو قاضی فاضل نے تیس ہزار اشرفی میں خریدا تھا۔

حضرت عثمانؓ نے اگرچہ قرآن مجید کی متعدد نقلیں شایع کیں، لیکن اس وقت تک قرآن میں اعراب (زیر و زبر) اور نقطہ نہیں ہوتے تھے اور قریباً ۴۰ برس تک یہی حال رہا۔ اہل عرب کو تو اس کی کچھ ضرورت نہ تھی، ان کی زبان تھی، وہ ہر حالت میں صحیح پڑھ سکتے تھے اور پڑھتے تھے، لیکن عجم کے لئے بڑی دقت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اعراب کچھ سے کچھ ہو چلا، یہ دیکھ کر حجاج بن یوسف نے اپنے کاتبوں کو حکم دیا کہ اعراب اور نقطے لگائیں، چنانچہ نصر بن عامر یا یحییٰ بن یعمر نے یہ خدمت انجام دی۔ (۲)

(۱) نفح الطیب ج ۱ ص ۲۸۳ و مابعد مطبع ازہریہ مصر ۱۳۰۲ھ (۲) ابن خلکان، تذکرہ حجاج بن یوسف ج ۱ ص ۲۲۱، کتاب الاوایل میں یہ ہے کہ نقطے ابو الاسود دوئلی نے لگائے تھے جو حضرت علیؓ کے شاگرد رشید تھے۔ المقدمۃ فی نقط المصاحف میں ص ۶ پر بھی ابو الاسود دوئلی کے نقطے لگانے کا ذکر ہے۔ مطبوعہ دمشق ۱۹۶۰ء۔ "ک"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علوم القرآن

اس امر سے زیادہ کیا چیز حیرت انگیز ہو سکتی ہے کہ مذہب اسلام کی روح رواں جو کچھ کہو، قرآن ہے، تاہم آج کل مسلمانوں کو جس قدر قرآن کے ساتھ بے اعتنائی ہے، کسی چیز سے نہیں، عربی کے موجودہ درس میں ہر علم و فن کی کتابیں کثرت سے داخل ہیں، لیکن فن تفسیر کی صرف دو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، جلالین اور بیضاوی، جن میں سے پہلی اس قدر مختصر ہے کہ اس کے الفاظ و حروف قرآن مجید کے الفاظ و حروف کے برابر برابر ہیں اور دوسری گو چنداں مختصر نہیں، لیکن اس کے صرف ڈھائی پارے درس میں داخل ہیں، جو کتاب کا پانچواں حصہ بھی نہیں۔

منطق و فلسفہ کی مدت تحصیل پانچ برس ہے اور اور علوم پر بھی ایک معتدبہ زمانہ صرف ہوتا ہے، لیکن قرآن مجید اور تفسیر کی تحصیل کے لئے پورا سال بھر گوارا نہیں کیا جاتا، عربی علوم و فنون کی کتابیں کثرت سے چھپ چھپ کر شائع ہو رہی ہیں اور خصوصاً فن حدیث کا سرمایہ تو اس قدر وجود میں آگیا ہے کہ اگلوں کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا، لیکن قرآن مجید کے متعلق دو ایک معمولی درسی تفسیروں کے سوا آج تک کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی، یہ تو ظاہری بے پروائی کی کیفیت ہے، معنوی حیثیت سے دیکھو تو اس سے بھی زیادہ افسوس ناک حالت ہے، تمام مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کا معجزہ ہونا اس کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ہے، لیکن کیا ہمارے علماء اس دعویٰ کو ثابت کر سکتے ہیں، اگر ان سے پوچھا جائے کہ قرآن مجید کی انشاء پردازی کی کیا خصوصیات ہیں، قرآن مجید نے بلاغت کے کیا کیا نئے اسلوب پیدا کئے، شعرائے جاہلیت نے مدح و ذم، فخر و تمنا، شادی و غم، عزم و استقلال، نیکی و رحم دلی، جوش و اثر کے مضامین کو جس پایہ تک پہنچایا تھا، قرآن مجید نے انھیں مضامین کو کس رتبہ تک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پہنچا دیا؟ تو کیا ہزاروں علماء میں سے ایک بھی ان سوالوں کا معقول جواب دے سکے گا؟ ادب و بلاغت پر موقوف نہیں، فقہ، اصول، علم کلام، سب کا ماخذ قرآن مجید ہے، لیکن ہمارے علماء خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ علوم مذکورہ کے مسائل کو انھوں نے قرآن مجید سے سیکھا ہے یا ہدایہ و تلویح و عقائد نسفی سے۔

یہ شکایت نئی نہیں، تقریباً چھ سو برس سے یہی حالت ہے، اس سے صرف یہی نہیں ہوا کہ قرآن مجید کے متعلق نئی تالیفات کا سلسلہ بند ہو گیا، بلکہ افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ قدماء کی نادر اور بیش بہا تصنیفات ناپید ہو گئیں، خاص قرآن مجید کے اعجاز پر قدماء نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں، جن میں سے آٹھ یا نو کتابوں کا تذکرہ جلال الدین سیوطی نے اتقان میں کیا ہے، لیکن لوگوں کی بد مذاقی سے، ان میں سے صرف باقلانی کی ایک کتاب رہ گئی ہے جو اس باب میں معمولی درجہ کی تصنیف ہے، اگرچہ ابوبکر عربی اس کو احسن الکتب کا خطاب دیتے ہیں۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شروع اسلام سے آج تک قرآن مجید کے متعلق جو کچھ علمی سرمایہ مہیا کیا گیا، ان پر ایک مختصر ریویو کیا جائے، جس سے ایک طرف تو یہ ثابت ہو گا کہ ہمارے اسلاف نے اور علوم کی طرح اس فن کو کس قدر وسیع کیا تھا اور کیا کیا نکتہ آفرینیاں کیں تھیں، دوسری طرف یہ ظاہر ہو گا کہ قدماء نے گو اپنے زمانہ کے موافق تحقیقات و تدقیقات کا حق ادا کر دیا تھا، تاہم آج اور بہت سے نئے پہلوؤں سے ان مسائل پر بحث کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید جس وقت نازل ہو رہا تھا، اس وقت جو لوگ موجود تھے، وہ اگرچہ اس کے مطالب و معانی کے سمجھنے میں کسی معلّم یا استاذ کے محتاج نہ تھے، تاہم بعض بعض مقامات میں جہاں زیادہ اجمال ہوتا تھا یا کوئی قصہ طلب بات ہوتی تھی، لوگ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتوحات کی ترقی اور تمدن کی وسعت کی وجہ سے احکام میں نئی نئی صورتیں پیش آنے لگیں اور اس ضرورت سے قرآن مجید کی آیات احکامیہ پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غور و فکر کرنے کی ضرورت پڑی، صحابہ میں سے جو لوگ علم و فضل میں زیادہ ممتاز تھے، انھوں نے اس طرف زیادہ توجہ کی، ان بزرگوں میں سے حضرت علیؓ سب کے پیشرو تھے، ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ کا درجہ ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حلقہ درس نے نہایت وسعت حاصل کی اور سینکڑوں، ہزاروں شاگرد پیدا ہوگئے، ان میں سے مجاہد، عطاء بن رباح، عکرمہ، سعید بن جبیر، سب سے ممتاز تھے، ان بزرگوں کے سوا جن لوگوں نے فن تفسیر پر توجہ کی، وہ حسن بصری، عطاء بن سلمہ خراسانی، محمد بن کعب القرظی، ابو العالیہ، ضحاک بن مزاحم، قتادہ، زید بن اسلم، ابو مالک وغیرہ ہیں، غالباً سب سے پہلے اس فن کی جس نے ابتداء کی وہ سعید بن جبیر تھے، عبد الملک بن مروان نے ان سے تفسیر لکھنے کی درخواست کی، چنانچہ انھوں نے اس کی فرمایش کے موافق تفسیر لکھ کر دربار خلافت میں بھیجی اور اس کا نسخہ دفتر شاہی میں داخل کیا گیا، عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے، وہ درحقیقت یہی تفسیر ہے۔ (۱)

اس طبقہ کے بعد ائمہ مجتہدین اور ان کے ہم عصروں مثلاً سفیان بن عیینہ، شعبہ، یزید بن ہارون، عبد الرزاق، ابو بکر بن ابی شیبہ وغیرہ نے تفسیریں لکھیں، اس کے بعد عام رواج ہوگیا اور سینکڑوں، ہزاروں تفسیریں تصنیف ہوگئیں اور ہوتی رہیں۔

تفسیر کے علاوہ قرآن مجید کے خاص خاص مباحث پر جداگانہ اور مستقل تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ سلسلہ تفسیر سے بھی زیادہ مفید تھا، کسی نے صرف مسائل فقہیہ پر بحث کی، کسی نے اسباب نزول پر کتاب لکھی، کسی نے صرف ان الفاظ کو جمع کیا جو غیر زبان کے الفاظ ہیں، کسی نے امثال قرآنی کو یکجا کیا، کسی نے آیات مکررہ کے نکات بیان کئے، اس قسم کے مضامین کی تعداد ۸۰ ہزار کے قریب پہنچی اور قریباً ہر ایک پر الگ الگ مستقل تصنیفیں لکھی گئیں (۲) ان مضامین میں سے بعض

(۱) یہ تفصیل میزان الاعتدال ذہبی تذکرہ عطاء بن دینار ج ۲ ص ۱۹۷ سے ماخوذ ہے، مطبعۃ السعادہ مصر ۱۳۲۵ھ (۲) دیکھو اتقان فی علوم القرآن کا دیباچہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض پر تمام بڑے بڑے ائمہ فن نے طبع آزمائیاں کیں اور ہزاروں کتابیں تیار ہو گئیں۔

یہ تصنیفات اگرچہ بے شمار ہیں لیکن ان سب کو چھ قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ فقہی ، جس میں صرف ان آیتوں کو یکجا کیا ہے جن سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے ، مثلاً احکام القرآن اسماعیل بن اسحاق ، احکام القرآن ابو بکر رازی ، احکام القرآن قاضی یحییٰ بن اکثم

۲۔ ادبی ، ان تصنیفات میں قرآن مجید کا فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجز اور بے نظیر ہونا ثابت کیا ہے ، اسی سلسلہ میں وہ تصنیفات بھی داخل ہیں جو قرآن مجید کی حقیقت و مجاز ، تشبیہات و استعارات ، مکررات ، وجوہ ترتیب ، صنائع و بدائع وغیرہ پر لکھی گئیں۔

۳۔ تاریخی ، قرآن مجید میں انبیائے سابقین اور بزرگوں کے جو قصے مذکور ہیں ، ان کی تفصیل اور مزید حالات۔

۴۔ نحوی ، جس میں قرآن مجید کے نحوی مسائل سے بحث کی ہے ، مثلاً اعراب القرآن رازی وغیرہ۔

۵۔ لغوی ، یعنی قرآن مجید کے الفاظ مفردہ کے معانی اور ان کی تحقیق ، مثلاً لغات القرآن ابو عبیدہ وغیرہ۔

۶۔ کلامی ، جن آیتوں سے عقاید کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں ، ان پر بحث۔

ان مضامین میں سے فقہی مباحث پر جو کچھ لکھا گیا ، اس پر اضافہ کی بہت کم گنجائش ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر بڑے بڑے ائمہ فن نے طبع آزمائیاں کیں اور چونکہ شروع ہی سے ان مسائل کے متعلق الگ الگ فرقے بن گئے تھے ، کسی فریق نے تدقیق و تحقیق کا دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ، امام شافعی ، قاضی یحییٰ بن اکثم ، (استاذ ترمذی) ابو بکر رازی ، جس پایہ کے لوگ تھے سب کو معلوم ہے ، ابو بکر رازی کی تصنیف آج بھی موجود ہے اور ہماری نظر سے گذر چکی ہے ، اسی طرح لغات قرآن اور مسائل نحویہ پر جو کچھ لکھا گیا ، اس سے بڑھ کر نہیں لکھا جاسکتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصاحت و بلاغت کے متعلق نہایت کثرت سے کتابیں لکھی گئیں، جو اعجاز القرآن کے نام سے مشہور ہیں، ان میں فصاحت و بلاغت کے تمام اقسام سے بحث کی ہے، سب سے پہلے غالباً جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ نے اس موضوع پر لکھا، پھر محمد ابن یزید واسطی، عبد القادر جرجانی، رمانی، خطابی، زملکانی، امام رازی، ابن سراقہ، قاضی ابو بکر باقلانی نے بسیط اور مفصل کتابیں لکھیں، یہ کتابیں آج کل بالکل ناپید ہیں۔

میں نے قسطنطنیہ اور مصر کے تمام کتب خانے دیکھے، لیکن ایک کتاب کا بھی پتہ نہ لگا، البتہ قاضی باقلانی کی تصنیف موجود ہے، اس کا نسخہ میں نے خدیو کے کتب خانہ سے لکھواکر منگوایا تھا اور اب وہ چھپ بھی گئی ہے، اس کتاب کی نسبت ابن العربی (۱) کا قول ہے کہ اس بحث پر کوئی کتاب اس درجہ کی تصنیف نہیں ہوئی، ابن العربی کی رائے پر اگر اعتماد کیا جائے تو اسلاف کی علمی حالت پر سخت افسوس ہوگا، کیونکہ باقلانی کی کتاب گو انشاء پردازی کے لحاظ سے بلند رتبہ ہے، لیکن اصل مضمون کی حیثیت سے محض ایک ملایانہ تصنیف ہے۔

عبد القاہر جرجانی جو فن بلاغت کا موجد ہے، اس کی اعجاز القرآن ہم نے نہیں دیکھی، لیکن اس کی دو کتابیں دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغہ جو خاص فن بلاغت میں ہیں، ہمارے پیش نظر ہیں، ان کتابوں میں اس نے جو نکتہ آفرینیاں کی ہیں وہ حیرت انگیز ہیں اور اس لئے قیاس ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید پر اس نے جو کچھ لکھا ہوگا، بے مثل ہوگا، اسی طرح جاحظ کی تصنیف بھی بے نظیر ہوگی، لیکن چونکہ پانچ چھ سو برس سے قوم کا علمی مذاق بالکل پست ہوگیا ہے، اس لئے لوگ ابن العربی، باقلانی ہی کی تصنیف کو بہترین تصانیف قرار دیتے ہیں۔

اعجاز القرآن کے سلسلہ کے علاوہ اور بہت سی تصنیفات ہیں، جن میں انشاء پردازی کی خاص خاص قسموں سے بحث کی ہے، مثلاً ابن ابی الاصبع نے قرآن مجید کے صنائع و بدائع پر مستقل کتاب لکھی، عزالدین بن عبد السلام نے قرآن کے مجازات

(۱) اتقان بحث اعجاز القرآن نوع ۶۴ ج ۲ ص ۱۱۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو یکجا کیا، ابو الحسن ماوردی نے قرآن کی ضرب الامثال جمع کیں اور ان کی خوبیاں دکھائیں، علامہ سیوطی نے سورتوں کے طریق ابتداء پر ایک رسالہ لکھا، جس کا نام الخواطر السوانح فی اسرار الفواتح ہے، ابن القیم نے کتاب التبیان اس بحث پر لکھی کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں کثرت سے قسمیں کیوں کھائیں ہیں۔

قصص اور حقایق اشیاء کے متعلق تصنیفات کا جو سرمایہ ہے، وہ درحقیقت شرم کا باعث ہے اور افسوس اور سخت افسوس ہے کہ تفسیر کے اجزاء میں سے جو حصہ سب سے زیادہ عوام میں مقبول اور متداول ہے اور سلسلہ بہ سلسلہ تمام اسلامی لٹریچر میں سرایت کرگیا، وہ یہی حصہ ہے، انبیاء اور صلحائے سابقین کے افسانے جو یہودیوں میں پھیلے ہوئے تھے، وہ نہایت مبالغہ آمیز اور دور از کار تھے، قرآن مجید میں نہایت اجمال کے ساتھ صرف ان واقعات کو بیان کیا گیا، جو فی نفسہ صحیح تھے اور جن سے طبائع پر کوئی اخلاقی عمدہ اثر پڑتا تھا، ہمارے مفسروں نے قرآن مجید کو ایک متن قرار دیا اور اس کی شرح میں وہ تمام بیہودہ افسانے شامل کردیئے، جن کے سامنے بوستان خیال کی بھی کچھ حقیقت نہیں، حقایق اشیاء کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں مذکور تھا، اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا، چاہ بابل، کوہ قاف، سکندر ذوالقرنین، یاجوج ماجوج وغیرہ وغیرہ کی نسبت جو روایتیں مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہیں، وہ انھیں تفسیروں کی بدولت ہیں، علامہ ابن خلدون نے اس کے متعلق مقدمہ تاریخ میں نہایت محققانہ مضمون لکھا ہے، ہم اس کی عبارت اس موقع پر بقدر ضرورت نقل کرتے ہیں:۔

وقد جمع المتقدمون فی ذلک واوعوا الا ان کتبھم ومنقولاتھم تشتمل علی الغث والسمین و المقبول والمردود والسبب فی ذلک ان العرب لم یکونوا اھل کتاب ولاعلم وانما غلبت علیھم	اور اس باب میں متقدمین نے بڑا ذخیرہ جمع کیا، لیکن ان کی تصنیفات اور روایتوں میں نیک و بد، مقبول و مردود سب کچھ شامل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب لکھے پڑھے نہ تھے اور ان پر بالکل بدویت اور جہالت غالب تھی اور جب ان کو اشیاء کی دریافت کا شوق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البدواة والامیة و اذا تشوقوا الی معرفة شئی مما تشوق الیه النفوس البشریة فی اسباب المکونات وبدء الخلیقة و اسرار الوجود فانما یسالون عنه اهل الکتاب قبلهم و یستفیدونه منهم وهم اهل التوراة من الیهود ومن تبع دینهم من النصارٰی و اهل التوراة الذین بین العرب یومئذ بادیة مثلهم ولا یعرفون من ذلک الا ما تعرفه العامة من اهل الکتاب فلما اسلموا بقوا علی ما کان عندهم مما لا تعلق له بالاحکام التی یحتاطون لها مثل اخبار بدء الخلیقة و ما وجع الی الحدثان والملاحم و امثال ذلک و هٰولاء مثل کعب الحبار وهب بن منبه و عبد اللہ بن سلام و امثالهم فامتلات التفاسیر من المنقولات عندهم و یتساهل المفسرون فی مثل ذلک وملؤا کتب التفسیر من هذه المنقولات واصلها کما قلنا عن اهل التوراة الذین یسکنون البادیة ولا تحقیق عندهم بمعرفة ما ینقلونه من ذلک الا انهم

ہوتا تھا، جو طبایع بشری کا اقتضاء ہے، مثلاً آفرینش عالم کے اسباب، دنیا کی ابتداء، وجود کے اسرار تو ان باتوں کو وہ لوگ یہودیوں سے دریافت کرتے تھے یا ان عیسائیوں سے جو یہودیوں کے مقلد تھے اور اس زمانے کے یہود ایسے ہی جاہل تھے جیسے بادیہ نشین عرب، ان کو صرف وہی معلومات تھیں جو عوام اہل کتاب کو ہوتی ہیں، پھر جب یہ لوگ اسلام لائے تو ان امور کے متعلق جو احکام شرعی سے تعلق نہیں رکھتے تھے، مثلاً دنیا کا آغاز، واقعات قدیمہ اور قصص انبیاء، ان کے خیالات وہی رہے جو پہلے سے تھے، ان اسلام لانے والوں میں کعب احبار، وہب بن منبہ، عبداللہ بن سلام وغیرہ تھے، اس لئے تمام تفسیریں ان کی روایتوں سے بھر گئیں اور اس قسم کے امور میں مفسرین سہل انگاری کرتے ہیں، اس لئے ان لوگوں نے تفسیر کی کتابوں کو انھیں روایتوں سے بھر دیا اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ان روایتوں کا ماخذ وہی توراۃ والے تھے جو صحرا نشین تھے، اور ان کو ان روایتوں کے متعلق کچھ تحقیق حاصل نہ تھی، لیکن چونکہ مذہباً ان لوگوں کا پایہ بلند تھا اور قوم میں ان کو شہرت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد صیتهم و عظمت اقدارهم لما کانوا علیه من المقامات فی الدین و الملۃ فتلقیت بالقبول من یومئذ۔ (۱)

اور عظمت حاصل تھی، اس لئے وہ روایتیں قبول عام پا گئیں۔

علامہ ابن خلدون نے جو کچھ لکھا محدثانہ تحقیق بھی تمامتر اسی کی تائید کرتی ہے، انبیائے سابقین اور زمین و آسمان وغیرہ کی آفرینش کے متعلق جو کچھ تفسیروں میں مذکور ہے وہ عموماً قدماء مفسرین سے ماخوذ ہے، یعنی مجاہد، سدی، ضحاک، مقاتل بن سلیمان، کلبی، ان میں سے تین مقدم الذکر نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا اور ان سے روایتیں حاصل کی تھیں، مقاتل نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی، کلبی بھی اسی دور کے مفسر ہیں، نقلی مضامین کے متعلق آج جس قدر تفسریں ہیں سب انھیں بزرگوں سے ماخوذ ہیں، امام شافعیؒ کا قول ہے کہ فن تفسیر میں تمام لوگ مقاتل کے وظیفہ خوار ہیں، (۲) سدی کی نسبت جلال الدین سیوطی نے کتاب الارشاد سے نقل کیا ہے کہ امثل التفاسیر تفسیر السدی یعنی تمام تفسیروں میں سدی کی تفسیر سب سے اچھی ہے، امام طبری کی تفسیر کے متعلق تمام علماء کا اتفاق ہے کہ صحت و تنقید میں لاجواب ہے، لیکن یہ تفسیر بھی زیادہ تر سدی اور ضحاک سے ماخوذ ہے، چنانچہ جلال الدین سیوطی نے اتقان باب ہشتنا دودہم میں تصریح کی ہے۔ (۳)

ان بزرگوں کا یہ حال ہے کہ مجاہد کی تفسیر کی نسبت جب لوگوں نے امام اعمش سے دریافت کیا کہ اس میں غلطیاں کیوں پائی جاتی ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ اہل کتاب سے ماخوذ ہے، (ج ۳ ص ۹) ضحاک کی نسبت محدثین نے تصریح کی ہے کہ ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ سے انھوں نے جو روایتیں کی ہیں، سب مخدوش ہیں یعنی ان کی صحت میں کلام ہے، اس کے ساتھ یحیٰی بن سعید قطان نے جو اسماء الرجال کے امام ہیں تصریح کی ہے کہ ضحاک میرے نزدیک ضعیف الروایہ ہیں، (ج ۱ ص ۴۷۱)

(۱) مقدمہ ابن خلدون باب علوم القرآن جزء اول ص ۴۸۱ و ما بعد مطبعۃ التقدم مصر۔

(۲) میزان الاعتدال ذہبی ج ۳ ص ۱۹۶ (۳) اتقان نوع تاسع و سبعون ج ۲ ص ۱۸۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سدی کا یہ حال ہے کہ امام شعبی سے کسی نے کہا کہ سدی کو قرآن کے علم کا حصہ ملا ہے تو انہوں نے کہا کہ قرآن کہ جہل کا حصہ ملا ہے، مقاتل کی نسبت وکیع کا قول ہے کہ کذاب تھا، محدث نسائی فرماتے ہیں کہ مقاتل جھوٹ بولا کرتا تھا، عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ مقاتل کی تفسیر بہت اچھی تھی کاش وہ ثقہ بھی ہوتا، جوزجانی نے لکھا ہے کہ مقاتل نہایت دلیر دجال تھا، محدث ابن حبان نے لکھا ہے کہ مقاتل قرآن مجید کے متعلق یہود و نصاریٰ سے وہ باتیں سیکھا کرتا تھا جو ان کی روایتوں کے مطابق ہوتی تھیں (ج ۳ ص ۱۹۶) کلبی کی نسبت تو عام اتفاق ہے کہ ان کی تفسیر دیکھنے کے قابل نہیں، امام احمد بن حنبل، دار قطنی، امام بخاری، جوزجانی، ابن معین سب نے تصریح کی ہے کہ وہ ناقابل اعتبار تھا، ابن حبان کا قول ہے کہ کلبی کا کذب و دروغ اس قدر ظاہر ہے کہ اس میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں (۱) ایک ضمنی تذکرہ میں ان بزرگوں کی اس قدر پردہ دری شاید موزوں نہ تھی لیکن ان لوگوں نے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے، اس کا کم سے کم یہی صلہ تھا، انھیں حضرات کی روایتیں ہیں جن سے تفسیر کبیر، کشاف، بیضاوی اور سینکڑوں ہزاروں کتابیں مالا مال ہیں، مسلمانوں میں آج جو عجائب پرستی، زود اعتقادی اور غلط خیالی ایک خاصہ بن گئی ہے، انھیں کی روایات اور منقولات کی بدولت ہے۔

(۱) ان لوگوں کے یہ اقوال میزان الاعتدال ذہبی سے ماخوذ ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعجازِ قرآن

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (بقرہ ۲ : ۲۳)

تیرہ سو برس سے دنیائے اسلام میں یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہیں ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی، سب اس میں متفق اللفظ ہیں، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن میں پیشن گوئیاں ہیں اور یہ بشر کا کام نہیں، کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگوں کے مخفی ارادوں کا حال بتا دیتا تھا اور آخر اشاعرہ کی اس راز کشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت میں قرآن کا جواب نہیں ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے۔

ابھی ہم کو اس سے بحث نہیں کہ کیا انشاء پردازی اور زور تحریر بھی ایسی چیز ہے جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلاف آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا، جس نے یہ دعویٰ کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے اور خود ہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا۔

ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہیں لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت سے مختلف اوصاف بیان کئے ہیں، مثلاً:۔

وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۙ (یٰسین ۳۶ : ۲)	قسم ہے قرآن کی جو کہ حکیم ہے۔
وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۙ (ص ۳۸ : ۱)	اور قرآن کی جو ناصح ہے۔
کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ (ہود ۱۱ : ۱)	ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كِتَابٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ ۔ (مومنون ۲۳: ۶۲)	ایسی کتاب ہے جو سچ بولتی ہے۔
كِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۔ (نمل ۲۷: ۱)	روشن کتاب ہے۔
بَيِّنَاتٌ مِّنَ الْهُدٰى ۔ (بقرہ ۲: ۱۸۵)	رہنمائی کے لئے دلائل ہیں۔
هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ (بقرہ ۲: ۲)	پرہیز گاروں کی رہنما ہے
جَعَلْنَاهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۔ (لقمان ۳۱: ۳)	ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ جسکو چاہتے ہیں اسکے ذریعہ سے راستہ دکھاتے ہیں وہ نیک آدمیوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔
تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۔ (زمر ۳۹: ۲۳)	اس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے خدا سے ڈرتے ہیں۔
كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهٗ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ (فصلت ۴۱: ۳)	ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر بیان کی گئی ہیں عربی کا قرآن ہے جاننے والوں کے لئے۔
بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔ (بقرہ ۲: ۱۱۹)	خوش خبری دینے والا ہے اور ڈرانے والا ہے۔
يَهْدِيْ إِلَى الْحَقِّ وَإِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ (احقاف ۴۶: ۳۰)	حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف راہ دکھاتا ہے۔
تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۔ (طٰہٰ ۲۰: ۳)	ڈرنے والے کے لئے نصیحت ہے۔

غور کرو قرآن مجید کی فضیلت کے بیان میں اس کو ناصح، رہنما، بشیر، نذیر، نور، حکیم، واضح سب کہا، لیکن فصاحت و بلاغت کا کہیں نام تک نہیں آیا اور وہی چیز چھوڑ دی گئی، جو (لوگوں کے نزدیک) مدارِ اعجاز ہے، کیا ہدایت اور حکمت کے لحاظ سے کوئی کتاب قرآن کا جواب ہو سکتی ہے، اگر نہیں ہو سکتی تو یہ اوصاف کیوں معجزہ نہ ہوں اور وہ وصف معجزہ ہو جس کا ذکر تک قرآن میں نہیں۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ فصاحت و بلاغت میں قرآن کا جواب ہو سکتا ہے، بے شبہہ نہیں ہو سکتا اور قیاس تک نہیں ہو سکتا، لیکن کتاب آسمانی کا رہنمائے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عالم ہونا معجزہ ہوسکتا ہے نہ کہ نثاری اور انشاء پردازی۔ حضرت یوسفؑ بے شبہہ جمال ظاہری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ لیکن پیغمبری کی حیثیت سے ان کے اوصاف کمال میں ان کی نفس قدسی کا ذکر آئے گا نہ کہ ان کے خط و خال کا۔ لیکن ہم کو ان دلائل اور قیاسات کی بھی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ وہ ہدایت کے لحاظ سے معجزہ ہے یعنی ان وصف میں (بجز کتاب آسمانی کے) کوئی کتاب اس کی نظیر نہیں بن سکتی۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (قصص ۲۸: ۴۹)

کہدو اے محمدؐ! کہ خدا کے یہاں سے کوئی کتاب ان دونوں کتابوں (قرآن۔توریت) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی لا دو تو میں ان کا پیرو بنتا ہوں۔ اگر تم سچے ہو۔

ایک نکتہ یہاں قابل لحاظ ہے اور وہ اس بحث کا فیصلہ قطعی ہے۔ معجزہ دو قسم کا ہوسکتا ہے۔ ایک جس سے براہ راست منصب نبوت کو تعلق ہو۔ ایک وہ جو بالذات نہیں۔ بلکہ بواسطہ دلیل نبوت قرار پائے۔ مثلاً ایک پیغمبر دعویٰ کرتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں یعنی مجھ کو خدا نے دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ پیغمبری کا ثبوت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں لاٹھی کو سانپ بنادیتا ہوں اور میری ہتھیلی چاند کی طرح چمکتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس معجزہ کو ہدایت اور پیغمبری سے کیا تعلق؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ میں جو معجزہ دکھاتا ہوں خدا کے سوا کوئی شخص اس پر قادر نہیں۔ اس لئے میں جو یہ معجزہ پیش کرتا ہوں تو خدا ہی کی طرف سے کرتا ہوں اس بنا پر میں خدا کی طرف سے آیا ہوں اور جو شخص خدا کی طرف سے آتا ہے۔ وہ پیغمبر ہوتا ہے۔ اس استدلال میں معجزہ براہ راست نبوت سے تعلق نہیں رکھتا۔

ایک دوسرا شخص کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیوں؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں جس قسم کی ہدایت اور لوگوں کا تزکیۂ نفس کرسکتا ہوں۔ کوئی بشر نہیں کرسکتا۔ اب اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو یہی دعویٰ براہ راست معجزہ بھی ہے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاصۂ نبوت بھی، معجزہ اس لئے ہے کہ جو چیز کوئی اور بشر نہ پیش کر سکے وہ معجزہ ہوگی اور خاصۂ نبوت اس لئے کہ تزکیہ نفس ہی کا نام پیغمبری ہے اس کو ایک اور صاف مثال میں سمجھو۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں فارسی زبان جانتا ہوں اور دلیل یہ پیش کرتا ہوں کہ میں ایرانی ہوں اور ایرانی ضرور فارسی جانتا ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص یہی دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن دعویٰ کو فارسی ہی زبان میں ادا کرتا ہے کہ من فارسی راخیلے خوب می دانم، یہ دعویٰ، دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی۔

قرآن مجید اگر فصاحت، بلاغت کے لحاظ سے معجزہ قرار دیا جائے تو ایسا معجزہ ہوگا جو نبوت کا خاصہ نہیں کیونکہ انشاء پردازی لازمہ نبوت نہیں، لیکن اگر قرآن مجید کو تزکیۂ نفس اور موعظت و حکمت کے لحاظ سے معجزہ کہا جائے تو یہ معجزہ بھی ہوگا اور خاصۂ نبوت بھی۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ (یونس ۱۰ : ۳۲)

****

****

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید میں خدا نے قسمیں کیوں کھائیں؟

مخالفوں نے قرآن مجید پر جو نکتہ چینیاں کی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے۔

اس اعتراض کے متعدد پہلو ہیں۔

۱۔ سب سے پہلا یہ کہ خود قرآن میں قسم کھانے کی برائیاں ہیں؛ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ (بقرہ ۲: ۲۲۴) خدا کو اپنی قسموں کا ہدف نہ بناؤ، وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ (القلم ۶۸: ۱۰) زیادہ قسم کھانے والوں کا کہا نہ مان۔

۲۔ آدمی جن چیزوں کی قسم کھاتا ہے یا اس کی عظمت و تعظیم کے لحاظ سے کھاتا ہے یا محبت اور شیفتگی کی وجہ سے۔

قرآن مجید میں خدا نے جو قسمیں کھائی ہیں، تعظیم اور عظمت کے لحاظ سے تو نہیں ہو سکتیں کیونکہ خدا سے بڑھ کر کون ہے۔

دوسرا احتمال ممکن تھا، لیکن قرآن میں جن معمولی اور ادنی چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں ان کے لحاظ سے یہ احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔

قرآن میں انجیر اور زیتون تک کی قسم موجود ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ خدا کو یہ میوے نہایت عزیز اور محبوب ہیں، اس لئے ان کی قسم کھائی۔

اس بحث سے قطع نظر کر کے قسم کھانا فی نفسہٖ ایک سبکی کی بات ہے۔ قسم وہی کھاتا ہے جس کو اپنی نسبت اطمینان نہیں ہوتا کہ لوگ اس کی بات کو بے تکلف یقین کر لیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ بازاری آدمی بات بات پر قسم کھاتے ہیں، خواص ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کم اور ثقاۃ تو مطلق قسم نہیں کھاتے، ایران میں مثل ہے کہ "گفتی باور نمودم، مکرر گفتی در شک افتادم، قسم خوردی دروغ دانستم"۔

مفسرین نے اس شبہہ کے عجیب عجیب جواب دیئے ہیں۔

۱۔ قسم کھانا، عرب کا عام طریقہ تھا اور جزو زبان بن گیا تھا، اس لئے جو کلام عرب کی زبان میں نازل ہوگا وہ اس سے بری نہیں ہوسکتا۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عقائد اسلام کی صحت پر قرآن مجید کی آیتیں پیش کرتے تھے تو کفار کہتے تھے کہ یہ باتیں درحقیقت غلط ہیں، لیکن یہ قرآن کا عام فریب استدلال اور زور عبارت ہے کہ غلط کو صحیح ثابت کر دیتا ہے، اس شبہہ کے رفع کرنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہ تھا کہ قسم کھا کر ان کو یقین دلایا جائے۔

۳۔ جن چیزوں، مثلاً انجیر اور زیتون وغیرہ کو تم بے حقیقت سمجھتے ہو، درحقیقت عظیم الشان چیزیں ہیں، چنانچہ امام رازی وغیرہ نے فلسفیانہ دلائل سے زیتون اور انجیر کی خوبیاں ثابت کی ہیں۔

یہ اور اسی قسم کے جوابات مخالف کو تو بالکل مطمئن نہیں کرسکتے اور موافق کے لئے اعتراض و جواب کی سرے سے ضرورت ہی نہیں، اس کو کلام الٰہی کے آگے چوں وچرا سے کیا غرض ع مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے۔

مولوی حمید الدین صاحب جن کا ذکر الندوہ کے ایک پرچہ میں ایک خاص تقریب سے آچکا ہے، قرآن مجید کے حقایق و اسرار پر جو کتاب عربی زبان میں لکھ رہے ہیں، اس کے بعض اجزاء آج کل ہم کو ہاتھ آئے، ان میں اس مسئلہ پر بھی بحث تھی انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، نہایت محققانہ اور ادیبانہ لکھا ہے، اس لئے ہم اس کا خلاصہ اس موقع پر درج کرتے ہیں۔

اس عقدہ کے حل کرنے کے لئے پہلے قسم کی حقیقت اور اس لفظ کی تاریخ پر غور کرنا چاہئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسم کا استعمال اصل میں اس طرح شروع ہوا کہ جب کسی واقعہ کو بیان کرتے تھے تو اس کی تصدیق و صحت کے لئے کسی شخص کی شہادت اور گواہی پیش کرتے تھے، اس طریقہ کو جب زیادہ وسعت ہوئی تو انسان کے علاوہ حیوانات اور جمادات کی شہادت بھی استعمال میں آنے لگی، مثلاً ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں "در و دیوار" اس بات کے شاہد ہیں، فلاں شخص نے جس بہادری سے جنگ کی، میدان جنگ اس کی شہادت دے سکتا ہے، عربی زبان میں اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔

الخیل تشھد یوم داھر والھتنا	داہر کی لڑائی کے دن گھوڑے اور نیزے گواہ تھے
ان السماء وان الریح شاھدۃ	والارض تشھدوا لایام والبلد
آسمان ہوا زمین	زمانہ اور شہر، گواہ ہیں
لقد جزیت بنی بدر ببغیتھم	یوم الھباءۃ یوما مالہ قود
کہ میں نے قبیلہ بنی بدر کو ان کی بغاوت کی پاداش میں	وہ سزا دی جس کا بدلہ نہیں ہوسکتا

نابغہ کہتا ہے۔

والخیل تعلم انا فی تجاولنا	عند الطعان اولو بوس وانعام (۱)
گھوڑے جانتے ہیں کہ ہم لڑائی میں	سزا بھی دیتے ہیں اور انعام بھی

عنترہ کا شعر ہے۔

والخیل تعلم والفوارس اننی	فرقت جمعھم بطعنہ فیصل (۲)
گھوڑے اور سوار دونوں جانتے ہیں	کہ میں نے ان کے جتھے کو ایک فیصلہ کرنے والے وار سے توڑ دیا۔

اس طرح کی ہزاروں مثالیں ہیں۔

ان چیزوں کی شہادت پیش کرنے کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ یہ چیزیں زبان حال سے شہادت دے رہی ہیں، یعنی اگر ان کو بولنے کی قوت ہوتی تو بول اٹھتیں کہ ہاں یہ واقعہ سچ ہے۔

(۱) مجموع خمسۃ دواوین ص ۱۲ مطبعہ وھبیہ مصر ۱۲۹۳ھ (۲) دیوان عنترہ ص ۲۵۰ مطبعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۸۳ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ اس طریقہ ادا سے واقعہ کا یقین دلانا مقصود ہوتا ہے۔اس لئے یہ طریقہ رفتہ رفتہ قسم کے معنی میں مستعمل ہونے لگا، یعنی کسی کی گواہی پیش کرنی اور قسم کھانا ایک چیز ہوگی۔

عمرو معدی کرب کا شعر ہے:۔

الله يعلم ما تركت قتالهم　　　خدا جانتا ہے کہ میں نے لڑنا نہیں چھوڑا

یہاں "خدا کا جانتا ہے" کا لفظ قسم کے معنوں میں آیا ہے۔یعنی خدا کی قسم میں نے لڑنا نہیں چھوڑا۔

ہماری زبان میں عام طور سے قسم کے موقع پر کہتے ہیں "اللہ جانتا ہے، خدا شاہد ہے، خدا گواہ ہے" خود قرآن مجید میں گواہی کا لفظ، قسم کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، مثلاً وَ يَدْرَءُ عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ ۔ (النور ۲۴ : ۸) قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ ۔ (منافقون ۶۳ : ۱۔۲) اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ۔ (مجادلہ ۵۸ : ۱۶) پچھلی آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

"منافقین کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک تو خدا کا رسول ہے اور خدا جانتا ہے کہ بیشک تو خدا کا رسول ہے، لیکن خدا گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں، منافقوں نے اپنی قسم کو سپر بنا لیا ہے، دیکھو اس آیت میں منافقین کی زبان سے جو لفظ نقل کیا وہ صرف یہ تھا کہ "ہم تمہارے پیغمبر ہونے کی گواہی دیتے ہیں" پھر آگے چل کر فرمایا کہ منافقین اپنی قسم کو سپر بناتے ہیں، حالانکہ منافقین نے قسم کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا تھا بلکہ صرف گواہی دینے کا لفظ استعمال کیا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اسی گواہی کو خدا نے قسم قرار دیا۔

عربی زبان نے جب زیادہ وسعت حاصل کی تو بعض بعض حرف قسم کے لئے خاص ہوگئے مثلاً واو، ب، ت، عام محاورہ ہے وَاللّٰهِ، بِاللّٰهِ، تَاللّٰهِ۔

اب قسم کے دو مفہوم ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک یہ کہ جب کوئی واقعہ یا مسئلہ بیان کیا جائے تو اس پر کوئی شہادت پیش کی جائے چاہے یہ شہادت ذی روح کی ہو یا اشیاء کے زبان حال کی شہادت ہو۔
دوسرے یہ کہ صرف ایک بات کی توثیق اور یقین دلانے کے لئے کسی بڑے شخص یا کسی عزیز چیز کی قسم کھائی جائے، یہ دوسرا مفہوم قسم کا مجازی استعمال ہے جو رفتہ رفتہ پیدا ہوگیا، اصل میں قسم کے یہ معنی نہ تھے۔
قرآن مجید میں جہاں جہاں قسم کا لفظ آیا ہے پہلے معنی کے لحاظ سے آیا ہے، خدا جب اپنی قدرت و شان کا اظہار کرتا ہے تو آفتاب کی، چاند کی، ستاروں کی، دن رات کی قسم کھاتا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ تمام چیزیں اس کے وجود اور عظمت و شان کی گواہی دے رہی ہیں، قرآن مجید میں خود اس کی تصریح موجود ہے کہ قسم کا استعمال اسی معنی میں ہے۔

وَالْفَجْرِ وَ لَيَالٍ عَشْرٍ وَّ الشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَ الَّيْلِ اِذَا يَسْرِ هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ۔ (الفجر ۸۹: ۱تا۵)	فجر، دس راتیں جفت اور طاق اور رات جب چلنے پر ہو، ان باتوں میں صاحب عقل کے لئے قسم ہے۔

قسم کا لفظ یہاں صاف اسی معنی میں آیا ہے، خدا نے پہلے چند چیزیں گنائیں، پھر فرمایا کہ ان چیزوں میں صاحب عقل کے لئے قسم ہے، یعنی یہ چیزیں عقلمند کے نزدیک خدا کے وجود اور قدرت کی شہادت دے رہی ہیں۔
خدا نے جا بجا مظاہر قدرت مثلاً آفتاب، ماہتاب، دریا، ہوا، بادل، چرند، پرند کو آیت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، جس کے معنی نشانی کے ہیں، یعنی یہ چیزیں خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ	آسمان اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ادل بدل میں اور جہاز میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزوں کو لے کر دریا میں چلتے ہیں اور آسمان سے جو پانی اتارا ہے کہ جس سے مردہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (بقرہ ۲: ۱۶۴)	زمین کو زندہ کر دیتا ہے اور تمام چار پائے جو پھیلا دیئے ہیں اس میں اور ہواؤں کے چلنے میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے بیچ میں مسخر ہے، جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں

اسی طرح قرآن میں نہایت کثرت سے تمام مظاہر قدرت کی نسبت نشانیوں کا لفظ استعمال کیا ہے، اب غور کرو یہی چیزیں جن کو اکثر موقعوں پر نشانیاں بتایا ہے، انھیں چیزوں کی جا بجا قسم بھی کھائی ہے، جس کے صاف یہ معنی ہیں کہ یہ چیزیں خدا کی قدرت کی گواہی دے رہی ہیں اور قسم کا صحیح استعمال بھی ہے۔

ایک بڑی غلطی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ عربی زبان میں قسم کے قریب المعنی اور جو الفاظ ہیں ان میں لوگ امتیاز نہیں کرتے، عربی زبان میں اس قسم کے تین لفظ ہیں، قسم، یمین، حلف، عام لوگ ان سب الفاظ کو ہم معنی سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے عظیم الشان غلطیاں پیدا ہوتی ہیں، حالانکہ ان سب الفاظ کے مفہوم الگ الگ ہیں۔

قسم کے معنی تو وہی ہیں جو گذر چکے، یعنی کسی واقعہ کی صحت کے لئے شہادت پیش کرنی، قرآن میں جو قسمیں مذکور ہیں سب کے یہی معنی ہیں کہ جن چیزوں کی قسم کھائی ہے، وہ خدا کے ثبوت پر، اسکے عظمت و شان پر، اسکی وسعت قدرت پر زبان حال سے گواہی دے رہی ہیں، چنانچہ سورہ فجر میں صاف تصریح ہے، هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ (الفجر ۸۹: ۵)

یمین کے لفظی معنی ہاتھ کے ہیں، یہ لفظ عموماً معاہدات کی توثیق کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور جس چیز پر یہ لفظ آتا ہے، اسکو ضامن دینا مقصود ہوتا ہے، لغت کی کتابوں میں ہے۔

ان الیمین اصلها ضرب الیمین من المتعاقدین (۱)	معاہدہ کرنے والے جو ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں، یمین لفظ اسی سے نکلا ہے۔

(۱) یمین کا یہی لفظی معنی الفاظ کے تھوڑے رد و بدل کے ساتھ لسان العرب ج ۲ ص ۱۰۱۹ میں بھی مذکور ہے۔ ک ۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امراء القیس کہتا ہے۔

فقلت یمین اللّٰہ ابرح قاعدا ولو قطعوا راسی لدیک واوصالی (۱)

میں نے کھا خدا کا ذر کہ میں یہاں سے نہ ٹلونگا گو یہ لوگ میرا سر اور میرا بند بند تیرے آگے کاٹ ڈالیں

یہ لفظ جب خدا کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے تو قسم کے ہم معنی ہوتا ہے، اس لئے یہ لفظ قرآن مجید میں خدا کی زبان سے کہیں نہیں مستعمل ہوا ہے۔

حلف یہ لفظ دونوں پچھلے لفظوں سے زیادہ وسیع ہے، لیکن اس کے مفہوم میں ذلت اور دناءت داخل ہے اور اس کا استعمال بالکل اسی حیثیت سے ہوتا ہے، جس طرح آج کل عوام قسم کھاتے ہیں۔

نابغہ ذیبانی ایک مشہور شاعر گذرا ہے، اس کی نسبت لوگوں نے نعمان بن منذر سے کہدیا تھا کہ وہ آپ کی بیوی پر عاشق ہے، بادشاہ سخت ناراض ہوگیا اور نابغہ کو سزا دینی چاہی، نابغہ کو خبر ہوئی تو متعدد قصیدے معذرت میں لکھے جن میں نہایت ذلیل اور عاجزانہ طریقہ سے اس جرم سے برات ظاہر کی، اس قصیدہ کا ایک شعر ہے۔

حلفت فلم اترک لنفسک ریبۃ ولیس وراء اللّٰہ للمرء مذھب (۲)

میں قسم کھا کر کہتا ہوں تاکہ تیرے دل میں کچھ شبہ نہ رہ جائے اور خدا سے بڑھکر انسان کے لئے اور کیا ہے

اس شعر میں نابغہ نے حلف کا استعمال کیا ہے اور اسی لئے وہ ذلیل الطبع اور پست ہمت شخص خیال کیا جاتا ہے، اگر حلف کی بجائے اقسمت کا لفظ ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی۔

خدا نے قرآن مجید میں یہ لفظ اپنی نسبت کہیں نہیں استعمال کیا ہے، بلکہ حلاف کی ذلت بیان کی ہے، چنانچہ فرمایا وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ (القلم ۶۸ : ۱۰) سورہ براۃ میں سات جگہ یہ لفظ آیا ہے، لیکن ہر جگہ منافقوں کی زبان سے ہے، کیونکہ منافقین ہمیشہ اسے ذلیل طریقہ سے قسم کھاتے تھے، سورہ براۃ کے سوا اور جہاں یہ لفظ آیا ہے، منافقین کی زبان سے آیا ہے

(۱) دیوان امرء القیس ص ۳۲ مطبعہ دار المعارف طبع چہارم ۱۹۸۴ء (۲) مجموع خمسۃ دواوین ص ۲،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قضا و قدر اور قرآن مجید

وہ مسائل جن کی گرہ، فلسفہ اور مذہب دونوں میں سے ایک بھی نہ کھول سکا ان میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے، فلسفہ کو مذہب پر تقدم کا دعویٰ ہے، اس لئے ہم کو پہلے اس سے پوچھنا چاہیے کہ وہ اس عقدہ کو کہاں تک حل کر سکا لیکن پہلے مقدمات ذلیل کو ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

۱۔ ہر چیز کی فطرت خدا یا قدرت نے جس خاص طرح کی پیدا کی ہے، اس کے خلاف اس سے کوئی فعل سرزد نہیں ہوسکتا، جماد حرکت نہیں کرسکتا، نباتات بات نہیں کرسکتے، جانور منطق و فلسفہ نہیں سیکھ سکتے، آدمی روح مجرد نہیں بن سکتا، انسان کے افراد کی بھی مختلف فطرتیں ہیں، جو شخص فطرۃ شریر ہے نیک نہیں ہوسکتا، کودن ذہین نہیں بن سکتا، احمق عاقل نہیں کیا جاسکتا۔

شاید تم کو یہ خیال ہو کہ تعلیم و تربیت سے اکثر لوگوں کی حالتیں بدل جاتی ہیں، شریر لڑکا نیک چلن ہو جاتا ہے، مسرف کفایت شعار بن جاتے ہیں، بدمزاج حلیم ہو جاتے ہیں، لیکن یہ بھی ان کی فطرت ہی کا اثر ہے، یعنی ان کی فطرت ہی میں اصلاح اور ترقی کا مادہ ہوتا ہے، جس نسبت سے یہ مادہ ہوتا ہے، اسی قدر وہ اصلاح پذیر ہو سکتے ہیں، لیکن جن کی فطرت میں اصلاح کا مادہ نہیں، یا ہے، لیکن ایک خاص درجہ تک ہے، وہ اصلاح پذیر ہوسکتے ہیں، یا اس درجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

۲۔ جس چیز کو ہم ارادہ اور اختیار کہتے ہیں یہ بھی مجبوری کی ایک صورت ہے، فرض کرو ایک شخص فطرۃ نفس پرست ہے، اس کو یہ موقع ہاتھ آیا کہ تنہائی ہے، ایک دل فریب صورت سامنے ہے، اس کی طرف سے خود استدعا ہے، اس حالت میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ شخص اگر بدکاری کا ارادہ کرتا ہے تو یہ ارادہ اس کے اختیار کی چیز نہیں، عام طور پر لوگ کہا کرتے ہیں کہ خواہش اور ارادہ ہماری اختیاری باتیں ہیں، لیکن یہ ایک دقیق غلطی ہے، کسی کام کی خواہش کے جب تمام اسباب جمع ہو جائیں گے تو ممکن نہیں کہ خواہش نہ پیدا ہو، اس لئے خواہش خود بھی ایک مجبوری کی بات ہے، ہمارا کسی چیز کو اختیار کرنا بھی دراصل ہمارے اختیار میں نہیں۔

جو شخص کسی کام پر مجبور ہے، یعنی وہ فعل اس سے مجبوراً سرزد ہوتا ہے، اس کی نسبت اس پر کچھ الزام نہیں عاید کیا جا سکتا، کسی شخص کے ہاتھ میں اگر رعشہ ہو اور وہ لکھ نہ سکے تو کوئی شخص اس کو نہ لکھنے پر ملامت نہیں کر سکتا۔

ان مقدمات کے ثابت ہونے کے بعد، اب فلسفہ سے پوچھنا چاہیے کہ انسان مختار ہے یا مجبور یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ انسان جو نیکی یا بدی کرتا ہے تو یہ اس کا اختیاری فعل ہے یا اضطراری؟ اگر انسان خود مختار ہے تو مذکورہ بالا مقدمات کا جن سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا کوئی فعل اختیاری نہیں، کیا جواب ہے اور اگر مجبور ہے تو پھر کسی شخص کو کسی قسم کا الزام کیوں کر دیا جا سکتا، بد چلن شریر، دنی الطبع، مفسدہ انگیز اشخاص کو ہم کس بنا پر برا کہہ سکتے ہیں۔

مذہب میں ہمیشہ سے دو فرقے ہوتے چلے آئے ہیں، جبریہ، قدریہ، عام خیال یہ ہے کہ یہ الفاظ اسلام نے پیدا کئے ہیں، آج کل یورپین قومیں مسلمانوں کے تنزل کی بڑی وجہ یہ بتاتی ہیں کہ اسلام جبریہ عقیدہ کی تعلیم کرتا ہے، اسی بنا پر مسلمانوں کی زبان پر یہ الفاظ چڑھے ہوئے ہیں "جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے" "قسمت میں یہی لکھا تھا" "نوشتہ تقدیر کو کون مٹا سکتا ہے" یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں پر جو آفتیں آتی ہیں، بجائے اس کے وہ مستعد ہو کر اس کا مقابلہ کریں، یہ کہہ کر رہ جاتے ہیں کہ تقدیر کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔

لیکن یہ ایک تاریخی غلطی ہے، جس طرح اسلام میں قدریہ و جبریہ دو فرقے ہیں، تمام اور مذاہب میں بھی ہمیشہ سے یہ دونوں فرقے موجود تھے اور جس طرح مسلمان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقدیر کے قائل ہیں، عیسائیوں میں بھی بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب اس کے قائل رہتے آئے ہیں، عیسائیوں میں یہ فرقے لوا بولا اور ڈومینک کے نام سے موسوم تھے اور ان دونوں میں باہم سخت اختلاف اور نزاع تھی، ۱۴۹۰ء سے لے کر سترہویں صدی کے اخیر تک دونوں فرقوں میں سخت لڑائیاں رہیں اور گو پوپ نے اس کی روک کے لئے بہت سے احکام صادر کئے، لیکن ان کا کچھ اثر نہ ہوا، اخیر زمانہ میں بینس اور مولن میں جو اپنے اپنے فرقہ کے پیشوا تھے، بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، بینس سولہویں صدی عیسوی میں تھا اور علم کلام کا درس دیتا تھا، اس نے ہیکل کے سامنے کھڑے ہوکر مولن کی کتاب کو مردود قرار دیا اور ثابت کیا کہ یہ کتاب دراصل بیلاگ کے خیالات سے ماخوذ ہے، جو پانچویں صدی عیسوی میں تھا اور جس کا یہ مذہب تھا کہ حضرت آدمؑ نے جو گناہ کیا، وہ پہلے سے قضائے الٰہی میں نہ تھا اور اسی لئے وہ خود اس گناہ کے ذمہ دار تھے، مولن نے اس کے مقابلہ میں ثابت کیا کہ بینس درحقیقت گلفن کا پیرو ہے، جس نے سولہویں صدی عیسوی میں پراٹسٹنٹ مذہب کی بنیاد قائم کی تھی، بالآخر یہ جھگڑے پوپ کے سامنے پیش کئے گئے، لیکن پوپ کوئی فیصلہ نہ کرسکا، کلیمن ہشتم سے لے کر پولس پنجم تک یہ مقدمہ یوں پڑا رہا، اسپین کے سفیر نے ڈومینک فرقہ کی سفارش بھی کی، لیکن پولس نے کچھ فیصلہ نہ کیا اور یہ اجازت دی کہ دونوں فرقے آزادی سے اپنے اپنے خیالات شایع کریں۔

بینس بالکل جبر کا قائل تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ خدا براہ راست، تمام چیزوں کی علت ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے حکم سے ہوتا ہے، لیکن چونکہ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا تھا کہ انسان میں ایک قوت اختیاری پائی جاتی ہے، اس لئے بینس کے جانشینوں نے یہ قرار دیا کہ خدا انسان میں ارادہ پیدا کرتا ہے اور ارادہ خود مختار ہے، اس لئے انسان اپنے ارادہ میں بالکل آزاد ہے۔

بالآخر ایک تیسرا مذہب ایجاد ہوا یعنی یہ کہ خدا بھی فاعل مختار ہے اور انسان بھی، اس مذہب کا مدون بوسویہ تھا، اب تک اس مسئلہ کے متعلق صرف دو لفظ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استعمال کئے جاتے تھے، تقدیر اور اختیار، بوسویہ نے تیسرا لفظ تقدیر معلق ایجاد کیا، بوسویہ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی، جس میں اس نے انسان کا خود مختار ہونا ثابت کیا، وہ کہتا ہے کہ "ایک سچی بات دوسری سچی بات کو مٹا نہیں سکتی، اس سے ہرگز انکار نہیں ہوسکتا کہ خدا فاعل مطلق ہے، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان کو بھی اپنے افعال کا اختیار حاصل ہے، بے شبہ ان دونوں باتوں میں تناقض نظر آتا ہے، لیکن اس میں عقل کو دخل نہیں دینا چاہئے، کیونکہ یہ مسئلہ عقل انسانی کی حد سے باہر ہے، اس سلسلہ کے دونوں سرے ہاتھ میں لینے چاہئیں، لیکن جو کڑی ان دونوں سروں کو باہم ملاتی ہے وہ ہماری سمجھ سے باہر ہے" (۱) (دیکھو رسالۃ الاسلام مصنفہ پروفیسر ہنری دی کاستری فرانسیسی، مترجمہ بزبان عربی مطبوعہ مصر، فصل پنجم از ص ۹۰ تا ۹۱)۔

اسلام میں نہایت ابتدائی زمانہ سے یہ بحث شروع ہوگئی تھی، اگرچہ اس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید میں اس کے متعلق بظاہر دونوں قسم کی آیتیں آئی ہیں، لیکن اس کی طرف خیال رجوع ہونے کا سبب یہ ہوا کہ بنو امیہ کے زمانہ میں ظلم اور تعدی جاری تھی، اہل عرب اپنی فطری آزادی کی وجہ سے اس پر اعتراض کرتے تھے، اس کے جواب میں بنو امیہ کے طرفدار کہتے تھے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، خدا کی مرضی سے ہوتا ہے، اس لئے کسی کو دم نہیں مارنا چاہئے، معبد جہنی نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ کیا بنو امیہ کا یہ عذر صحیح ہے، انھوں نے کہا یہ خدا کے دشمن جھوٹ کہتے ہیں، (۲) معبد نے اس کے بعد علانیہ بغاوت کا علم بلند کیا اور جان سے مارا گیا، یہ پہلا دن تھا کہ اس مسئلہ کا اعلان ہوا۔

چوتھی صدی کے آغاز میں امام ابوالحسن اشعری نے جبر و قدر کے درمیان

(۱) امام رازی نے مطالب عالیہ میں بالکل یہی تقریر کی ہے، لیکن امام صاحب بوسویہ سے پہلے تھے، اس لئے اس کو توارد سمجھنا چاہئے اور اگر سرقہ ہو تو بوسویہ اس جرم کا مجرم ہوگا، نہ امام رازی (۲) مقریزی ج ۲ ص ۳۵۶ مطبوعہ مصر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایک تیسرا طریقہ ایجاد کیا اور اس کا نام کسب رکھا، یعنی یہ کہ انسان اپنے افعال کا کاسب ہے، فاعل نہیں، انسان کو اپنے افعال پر قدرت حاصل ہے، لیکن یہ قدرت کچھ اثر نہیں رکھتی، قدرت کو تسلیم کرنا اور پھر یہ کہنا کہ قدرت کا کچھ اثر نہیں گویا یہ کہنا ہے کہ ایک چیز ہے اور پھر نہیں ہے، اسی بنا پر یہ فقرہ مشہور ہے کہ تین چیزیں علم کلام کے عجائبات میں سے ہیں، ان میں سے ایک امام اشعری کا کسب ہے، اسی بنا پر امام الحرمین نے اس مذہب سے بالکل انکار کیا، چنانچہ اس کی تفصیل ابن القیم کی کتاب شفاء العلیل میں مذکور ہے۔

قرآن مجید میں اس مسئلہ کے متعلق دونوں قسم کی آیتیں آئی ہیں، امام ابو الحسن اشعری اور ان کے پیرو جن آیتوں سے استدلال کرتے ہیں، حسب ذیل ہیں:۔

جن آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو کچھ اختیار نہیں۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ۔ (آل عمران ۳: ۱۲۸)	تجھ کو کام میں کچھ اختیار نہیں۔
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ (نساء ۴: ۸۰)	کہدے کہ سب خدا کی طرف سے ہے۔
وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ (تکویر ۸۱: ۲۹)	اور تم کسی بات کی خواہش نہیں کر سکتے جب تک خدا نہ چاہے۔
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (صافات ۳۷: ۹۶)	اور خدا نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال کو بھی۔
اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ (زمر ۳۹: ۶۲)	خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔
وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ (نساء ۴: ۸۰)	اور ان کو کچھ بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔
وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ (نساء ۴: ۸۰)	اور برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے کہدے کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہے۔

جن آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور ان سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برائی کراتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا۔ (بقرہ ۲: ۲۶)	خدا اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے
وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ۔ (ابراہیم ۱۴: ۲۷)	اور خدا ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔
كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ۔ (غافر ۴۰: ۳۴)	اسی طرح خدا اس شخص کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھ جاتا ہے اور شکی ہوتا ہے۔
وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا۔ (اسراء ۱۷: ۱۶)	اور جب ہم کسی گاؤں کو خراب کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں، تب وہ گناہ کرتے ہیں۔

جن آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کافروں اور فاسقوں کو ہدایت کرنا نہیں چاہتا یا ان کو ہدایت نہیں کرتا۔

اَللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ۔ (بقرہ ۲: ۲۶۴)	خدا کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔
اَللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ۔ (صف ۶۱: ۵)	خدا فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (احقاف ۴۶: ۱۰)	بے شبہ، خدا ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

(اس مضمون کی آیتیں نہایت کثرت سے ہیں)

وہ آیتیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے کافروں کو ایمان نہ لانے پر مجبور کر دیا ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ (بقرہ ۲: ۷)	خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھ پر پردہ ہے۔
وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً۔ (مائدہ ۵: ۱۳)	اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت بنا دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۔ (اعراف ۷: ۱۰۰)	اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں اس لئے وہ نہیں سنتے۔
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْكَافِرِيْنَ ۔ (اعراف ۷: ۱۰۱)	اسی طرح خدا کافروں کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔
فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۔ (منافقون ۶۳: ۳)	تو خدا نے ان کے دلوں پر مہر کر دی، اس لئے وہ نہیں سمجھتے۔
وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (توبہ ۹: ۹۳)	اور خدا نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اس لئے وہ نہیں جانتے۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۔ (نحل ۱۶: ۱۰۸)	یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا نے ان کے دلوں پر، کانوں پر اور آنکھوں پر مہر کر دی۔

(اس مضمون کی اور بہت سی آیتیں ہیں)

وہ آیتیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اگر چاہتا تو سب کو ہدایت کرتا، لیکن اس نے یہ چاہا ہی نہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی ۔ (انعام ۶: ۳۵)	اگر خدا چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا۔
وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰاهَا ۔ (سجدہ ۳۲: ۱۳)	اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دیتے۔
وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ (سجدہ ۳۲: ۱۳)	لیکن ہماری یہ بات طے ہو گئی ہے کہ ہم دوزخ کو آدمیوں اور جنوں سے بھر دیں گے۔
وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۔ (یونس ۱۰: ۹۹)	اور اگر تیرا خدا چاہتا تو دنیا میں جس قدر آدمی ہیں سب ایمان لاتے۔
وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ	اور ہم نے بہت سے آدمی اور جن دوزخ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالْاِنْسِ ۔ (اعراف ۷: ۱۷۹) کے لئے پیدا کئے۔

وہ آیتیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہی نے شیاطین اور بدکاروں کو اس کام پر مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں۔

اَلَمْ تَرَاَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیَاطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّھُمْ اَزًّا ۔ (مریم ۱۹: ۸۳)	تو نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر مقرر کیا۔
وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ ۔ (قصص ۲۸: ۴۱)	اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا ہے کہ لوگوں کو آگ (دوزخ) کی طرف بلائیں۔

آیات مذکورہ بالا کے مقابلہ میں حسب ذیل آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا، گمراہ کرنا شیطان کا کام ہے، انسان اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے۔

یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۔ (نساء ۴: ۶۰)	شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہت زیادہ گمراہ کردے۔
مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یُضِلُّ عَلَیْھَا ۔ (یونس ۱۰: ۱۰۸)	جو شخص گمراہ ہوتا ہے تو اپنے کئے سے ہوتا ہے۔
وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْکُمْ جِبِلًّا کَثِیْرًا اَفَلَمْ تَکُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۔ (یٰس ۳۶: ۶۲)	شیطان نے تم میں سے اکثروں کو گمراہ کیا تو کیا تم کو عقل نہ تھی۔
اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۔ (یونس ۱۰: ۴۴)	خدا لوگوں پر مطلق ظلم نہیں کرتا، لیکن لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔
لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ ۔ (بقرہ ۲: ۲۸۶)	انسان کو جو کچھ نفع و ضرر پہنچتا ہے، اپنے فعل کی بدولت پہنچتا ہے۔
وَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ ۔ (آل عمران ۳: ۱۶۵)	کیا جب تم پر کوئی ایسی ہی مصیبت آئی جیسے پہلے بھی آچکی ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آئی، کہدو! کہ یہ تمہاری ذات سے ہے۔
مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ۔ (نساء ۴: ۷۹)	تجھ کو جو بھلائی پہنچتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی وجہ سے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۔ (رعد ۱۳: ۱۱)	خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔
مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ ۔ (شوریٰ ۴۲: ۳۰)	تم پر جو مصیبت آتی ہے تو تمہارے کئے کی وجہ سے آتی ہے۔
ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (روم ۳۰: ۴۱)	خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے۔
وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۔ (زمر ۳۹: ۷)	خدا اپنے بندوں کے لئے کفر کو نہیں پسند کرتا۔
إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۔ (اعراف ۷: ۲۸)	خدا بری بات کا حکم نہیں دیتا۔
وَقَالَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهِ مِنْ شَيْءٍ ۔ (نحل ۱۶: ۳۵)	اور مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم خدا کے سوا اور کسی چیز کی عبادت نہ کرتے۔
سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا (انعام ۶: ۱۴۸)	مشرکین یہ کہیں گے کہ اگر خدا چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا۔

دونوں قسم کی آیتیں بظاہر برابر کا درجہ رکھتی ہیں۔ ایک آیت میں صاف تصریح ہے کہ خدا بری بات کا حکم نہیں دیتا، دوسری آیت میں ہے کہ جب ہم کسی مقام کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ گناہ کریں، ایک آیت میں ہے کہ جو مصیبت آتی ہے تمہاری وجہ سے آتی ہے، دوسری آیت میں ہے کہ یہ نہ کہو بلکہ سب خدا کی طرف سے ہے، ان آیتوں پر اچھی طرح غور کرنے نے جبریہ وقدریہ دو فرقے پیدا کر دیئے، اشاعرہ نے دونوں ڈانڈوں کو ملانا چاہا، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ تیسرا طریقہ جو انھوں نے اختیار کیا، وہ دونوں سے بدتر تھا، اسی بنا پر امام رازی نے صاف صاف جبر کا طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ان تمام آیتوں کی تاویل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہے، جس سے انسان کا مختار ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ایک نکتہ یہاں خاص طرح پر یاد رکھنے کے قابل ہے، تم نے دیکھ لیا کہ آیتیں دونوں قسم کی موجود ہیں اور ہر قسم کی آیت اپنے مفہوم پر گویا نصِ قطعی ہے، اس لئے اگر صرف نصوص قرآنی پر نظر ہو تو جبر و قدر، دونوں مذہب میں سے جون سا چاہے، انسان اختیار کر سکتا ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ دونوں قسم کی آیتیں بظاہر، اس قدر مساوی الدرجہ ہیں کہ انسان کسی پہلو کو چھوڑ نہیں سکتا، باوجود اس کے دو مخالف گروہ جو پیدا ہوئے اور دونوں نے اپنے فریق مخالف کو کافر قرار دیا، اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یہ دراصل اس اختلاف طبائع کا اثر ہے، جو انسان کے مختلف افراد میں پایا جاتا ہے، بعض آدمی بالطبع کاہل، پست ہمت، ضعیف الارادہ ہوتے ہیں، اس لئے ان کا میلان طبع وہ سہارے ڈھونڈھتا ہے، جن سے انسان کا مجبور و لاچار ہونا ثابت ہے، بخلاف اس کے جو اشخاص فطرۃً عالی حوصلہ، بلند ہمت، راسخ العزم، قوی الارادہ ہوتے ہیں، ان کی نگاہیں، ان باتوں پر پڑتی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان تمام دنیا کا حکمراں ہے اور اپنے عزم اور ارادہ سے چاہے تو تمام عالم کے مرقعہ کو دفعۃً الٹ پلٹ کر دے۔

سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہئے کہ قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں بظاہر جو تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں خدا کی مشیت یا حکم اور ارادہ کا ذکر ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، فطری اور شرعی، خدا نے جن چیزوں کی جو فطرت بنائی ہے اس کو بھی حکم اور ارادہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ (یٰس ۳۶: ۸۲)	اس کا حال یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ خلقت اشیاء کے وقت خدا یہ لفظ بولا نہیں کرتا۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (نساء ۴: ۴۷)	اور خدا کا حکم ہو کر رہتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ وہی فطری حکم ہے، جو خواہ مخواہ ہو کر رہتا ہے، ورنہ خدا کے شرعی احکام تو اکثر لوگ بجا نہیں لاتے اور اس کی تعمیل کا واقع ہونا ضرور نہیں۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا ۝ (اسراء ۱۷: ۱۶)	جب ہم کسی گاؤں کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے لوگوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ فسق کریں۔

یہ بھی وہی فطری حکم ہے، یعنی جب کوئی مقام تباہ ہوتا ہے تو وہاں کے لوگوں کی طبیعتوں میں بدکاری کا مادہ پیدا کیا جاتا ہے، اس لئے وہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝ (مریم ۱۹: ۸۳)	ہم نے شیطانوں کو کافروں پر مقرر کیا ہے کہ وہ ان کو برانگیختہ کریں۔

یہاں بھی یہ مراد نہیں کہ خدا شیطانوں کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ اور کافروں کو گناہ کی ترغیب دو، بلکہ مقصود یہ ہے کہ خدا نے کافروں کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ ان میں برائی کا مادہ شروع ہی سے موجود ہوتا ہے۔

ایک آیت میں ہے کہ "خدا نے زمین اور آسمان سے کہا کہ خوشی یا زبردستی جس طرح سے ہو حاضر ہو، دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں" (فصلت ۴۱: ۱۱) یہ بھی اسی فطری حالت کا بیان ہے، یعنی آسمان اور زمین کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ ان سے وہی حرکات سرزد ہوتے ہیں جو ان کی فطرت کا اقتضاء ہے۔

محدث ابن القیم نے اپنی کتاب شفاء العلیل میں ایک خاص باب باندھا ہے، جس کی سرخی یہ ہے

الباب التاسع والعشرون فی انقسام القضاء والحکم والارادۃ والکتابہ والامر والاذن والجعل والکلمات والبعث والارسال والتحریم والانشاء الی کونی متعلق بخلقۃ والی دینی	انتیسواں باب اس بیان میں کہ خدا کا فیصلہ، حکم، ارادہ، کتابت، امر، اجازت، کسی چیز کو مقرر کرنا، بات کرنا، بھیجنا، حرام کرنا، پیدا کرنا، ان سب کی دو قسمیں ہیں، ایک کونی (فطری) جو فطرت سے متعلق ہے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متعلق باامرہ ۔ (۱) دوسری شرعی جو احکام سے متعلق ہے۔

محدث موصوف نے اس باب میں قرآن مجید کی ان تمام آیتوں کا استقصاء کیا ہے، جن میں یہ الفاظ (ارادہ، حکم وغیرہ) فطرت اور اصل خلقت کے معنی میں آتے ہیں، چنانچہ ہم نے جو آیتیں اوپر نقل کیں، بجز اخیر آیت کے باقی تمام محدث موصوف نے بھی نقل کی ہیں اور بتایا ہے کہ ان سے صرف فطری اور خلقی حالت مراد ہے۔

جن آیتوں میں یہ مذکور ہے کہ خدا بدکاروں کو برائی کا حکم دیتا ہے، اس سے فطری حالت مراد ہے اور جن آیتوں میں یہ مضمون ہے کہ خدا کسی شخص کو برائی کا حکم نہیں دیتا، اس سے شرعی حکم مراد ہے، اس بنا پر ان دونوں آیتوں میں کسی طرح کا تعارض نہیں، باقی یہ امر کہ خدا نے ایسی فطرت کیوں بنائی جس سے برائی سرزد ہو، اس کا جواب آگے آئے گا۔

۲۔ خدا نے تمام عالم میں علۃ و معلول کا سلسلہ قائم کیا ہے، اشاعرہ گو اس اصول کے منکر ہیں، لیکن اس کے سوا تمام حنفیہ اور محدثین وغیرہ اسی کے قائل ہیں، محدث ابن القیم نے شفاء العلیل میں اس مضمون کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس سلسلہ کا انکار کرنا بداہت اور شریعت دونوں کا انکار کرنا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

فانکار الاسباب والقوی والطبائع جحد للضروریات وقدح فی العقول والفطر ومکابرۃ للحس وجحد للشرع۔	تو سلسلہ اسباب اور قویٰ اور اشیاء کی طبیعت کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہے اور عقل اور فطرت پر اعتراض کرنا ہے اور محسوسات اور شریعت کا انکار کرنا ہے۔

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

بل الموجودات کلھا اسباب ومسببات والشرع کلہ اسباب	بلکہ تمام موجودات اسباب اور مسببات ہیں اور شریعت تمام تر اسباب اور

(۱) شفاء العلیل ص ۲۸۰ مطبعہ حسینیہ مصر ۱۳۲۳ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ومسببات .... والقرآن مملوء من اثبات الاسباب.	مسببات ہیں اور قرآن اسباب کے اثبات سے بھرا ہوا ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

ولو تتبعنا مایفید اثبات الاسباب من القرآن والسنة لزاد علی عشرة آلاف موضع ولم نقل ذلک مبالغة بل حقیقة ویکفی شهادة الحس والعقل والفطر (۱)	اور اگر ہم ان تصریحات کا تفحص کریں جن سے قرآن مجید اور حدیث سے سلسلہ اسباب کا ثبوت ہے تو دس ہزار سے زیادہ تصریحات نکلیں گی اور ہم نے یہ بات مبالغۃً نہیں کہی بلکہ واقعی کہی اور حس اور عقل اور فطرت کی گواہی کافی ہے۔

لیکن یہ تمام سلسلہ اسباب خود قائم نہیں ہوگیا، بلکہ خدا نے قائم کیا ہے۔
اب ان متعارض آیتوں پر لحاظ کرو، جن میں انسان کے افعال کو کہیں خود انسان کی طرف منسوب کیا ہے اور کہیں یہ کہا ہے کہ سب خدا کے افعال ہیں، انسان کی طرف کا منسوب کرنا، اسی سلسلہ اسباب کے لحاظ سے ہے، انسان میں خدا نے ارادہ اور خواہش کی قوت پیدا کی ہے، یہ خواہش انسان کو کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور اس کام کا سبب ہوتی ہے، لیکن چونکہ یہ تمام سلسلۂ اسباب خود خدا کا قائم کیا ہوا ہے، اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ افعال انسانی کی علت خدا ہی ہے، اسی بناء پر قرآن مجید میں کہا ہے کہ :۔

مَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ۔ (انسان ۷۶ : ۳۰)	تم کسی چیز کی خواہش نہیں کر سکتے جب تک کہ خدا نہ چاہے۔

اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اگر خدا نے انسان کی فطرت میں خواہش کی قوت نہ رکھی ہوتی اور خدا انسان کا صاحب ارادہ ہونا نہ چاہتا تو انسان میں خواہش کا مادہ ہی نہ ہوتا، اس بناء پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ خدا نہ چاہتا تو انسان کسی چیز کو چاہ بھی نہیں سکتا۔
ان دونوں پہلوؤں کی تصریح کرنے کی ضرورت یہ تھی کہ اسلام سے پہلے

(۱) شفاء العلیل ص ۱۸۸ و ۱۸۹ مطبعۂ حسینیہ مصر ۱۳۲۳ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افعال انسانی کی نسبت دو خیال تھے، ایک یہ کہ خدا کوئی چیز نہیں، انسان خود بخود سلسلہ فطرت کے اقتضاء سے پیدا ہوا اور ہر قسم کی قوتیں خود بخود اس کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئیں، انھیں قوتوں کی بنا پر اس سے افعال صادر ہوتے ہیں اور ان افعال کا وہ خود خالق ہے۔

اس کے مقابل دوسرا فرقہ تھا جس کا یہ مذہب تھا کہ انسان مجبور محض ہے، وہ خود کچھ نہیں کرتا اور نہ کر سکتا، بلکہ اس سے خدا کراتا ہے۔

اسلام نے ان دونوں خیالوں کو غلط ثابت کرنا چاہا، اس لئے ضرور تھا کہ جہاں وہ یہ بتائے کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے اور اپنے ہر فعل کا ذمہ دار ہے، ساتھ ہی یہ بھی بتائے کہ انسان خود بخود نہیں پیدا ہوا، بلکہ اس کو اور اس میں جس قدر قوتیں موجود ہیں، سب خدا نے پیدا کیں، اس بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ (نساء ۴: ۸۰) یعنی سب خدا کی طرف سے ہے۔

۳۔ انسانوں کی فطرت خدا نے مختلف طور پر پیدا کی ہے، بعض فطرۃ شریر، بدکار، ضدی اور گردن کش ہوتے ہیں، اس فطرت کو قرآن مجید میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ خدا نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے، ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، ان کے آگے اور پیچھے دیواریں کھڑی کر دی ہیں، وہ اندھے بہرے گونگے ہیں۔

بعض کی فطرت اس طرح کی بنائی ہے کہ ابتداء میں اگر وہ برائی سے بچنا چاہیں تو بچ جائیں لیکن جب وہ احتیاط نہیں کرتے اور اپنے آپ کو بری صحبتوں میں ڈال دیتے ہیں تو برائی کا مادہ جڑ پکڑ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ پکے شریر اور بدکار بن جاتے ہیں، یہاں تک کہ اب اگر وہ برائی سے اپنے آپ کو روکنا بھی چاہیں تو نہیں روک سکتے، اس قسم کی فطرت کو قرآن مجید میں ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (بقرہ ۲: ۱۰)	ان کے دل میں بیماری تھی تو خدا نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا
فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۔	تو جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو خدا نے بھی ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(صف ۶۱ : ۵) کو ٹیڑھا کر دیا۔

بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔ (مطففین ۸۳ : ۱۴) بلکہ جو کچھ انھوں نے کیا تھا وہ ان کے دل پر چھا گیا۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ۔ (نساء۴ : ۱۵۵) بلکہ خدا نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دل پر مہر کر دی۔

نیکی کی فطرت کا بھی یہی حال ہے، یعنی بعض فطرۃً نیک اور ہمہ تن نیک ہوتے ہیں، بعض میں نیکی کا معمولی مادہ ہوتا ہے، لیکن اچھی صحبت اور تعلیم و تربیت سے ترقی کرتا ہے، اس دوسری فطرت کو قرآن مجید میں اس طرح تعبیر کیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى ۔ (محمد۴۷ : ۱۷) اور جو لوگ ہدایت پر چلتے ہیں تو خدا ان کی ہدایت کو اور بڑھا دیتا ہے۔

قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۔ (احزاب ۳۳ : ۷۰) تم ٹھیک بات کہو تو خدا تمہارے کام کو ٹھیک کر دے گا۔

۴۔ خدا نے تمام اشیاء کو خاص خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور کوئی چیز اپنی فطرت سے بدل نہیں سکتی، یعنی جس چیز کی جو فطرت ہے، ضرور اس سے ظہور میں آئے گی، اس کو قرآن مجید میں مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۔ (روم ۳۰ : ۳۰) خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں۔

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۔ (ملک۶۷ : ۳) تو خدا کی خلقت میں ناہمواری نہ دیکھے گا۔

رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۔ (طٰہٰ ۲۰ : ۵۰) ہمارا خدا وہ ہے جس نے ہر شے کو پیدا کیا، پھر اس کو راستہ دکھایا۔

لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۔ (فاطر۳۵ : ۴۳) تو خدا کے طریقہ اور عادت میں ادل بدل نہ پائے گا۔

لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۔ (احزاب ۳۳ : ۶۲) تو خدا کے طریقہ اور عادت میں تبدیلی نہ پائے گا۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۔ (قمر۵۴ : ۴۹) ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ خاص سے پیدا کیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید میں جا بجا یہ جو بیان کیا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے، ہم چاہتے تو تمام دنیا کا ایک ہی مذہب ہوتا، اس سے یہ مطلب نہیں کہ موجودہ فطرت کے ساتھ ہر شخص ہدایت پاسکتا اور تمام دنیا کا ایک مذہب ہو جاتا، کیونکہ آیات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ خدا نے جس چیز کی جو فطرت بنادی ہے، اس کے خلاف نہیں ہوسکتا، اس لئے موجودہ حالت میں انسانی فطرت کا جو اقتضا ہے، یعنی مختلف العقیدہ اور مختلف الافعال ہونا یہ بدل نہیں سکتا۔ بلکہ مطلب یہ کہ ہم اگر چاہتے تو انسانوں کی جو فطرت ہے، اس کے خلاف دوسری فطرت پر اس کو بناتے اور اس حالت میں سب کا ایک مذہب پر ہونا ممکن تھا۔

غرض قرآن مجید میں یہ مسئلہ قطعی طور پر بیان کیا گیا ہے کہ تمام چیزیں اپنی اپنی فطرت کے موافق کام کررہی ہیں اور جس کی فطرت کا جو اثر ہے، اس سے خواہ مخواہ ظہور میں آتا ہے، اس کے ساتھ (جیسا کہ اوپر گذر چکا) تمام عالم میں علت و معلول اور سبب و مسبب کا سلسلۂ بھی قائم ہے۔

ان دونوں اصول کی بنا پر انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں اور ان کی بنا پر انسان کو جو عذاب و ثواب ہوگا یہ سب خود فطرت کا اقتضا ہے۔ انسان سے نیک و بد افعال کا سرزد ہونا اس کی فطرت کا اقتضا ہے اور ان دونوں افعال کی بنا پر عذاب و ثواب کا وقوع میں آنا بھی خود ان افعال کی فطرت کا نتیجہ ہے۔ خدا نے فطرت کو پیدا کیا۔ لیکن پھر فطرت اپنے آثارات کو پیدا کرتی ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ خدا نے زہر پیدا کیا ہے اور زہر میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ جو زہر کھاتا ہے مرجاتا ہے، اب جو شخص زہر کھاتا ہے، وہ خود زہر کے اثر سے مرتا ہے، امام غزالیؒ عذاب و ثواب کی حقیقت کے متعلق مضنون بہ علی غیر اہلہ میں لکھتے ہیں:۔

اما العقاب علی ترک الامر و ارتکاب النھی فلیس العقاب من اللہ تعالی غضبا و انتقاما و مثال ذلک ان من ...دلہ وقاع عاقبہ اللہ تعالی بعدم	احکام کے چھوڑنے اور منہیات کے کرنے پر عذاب کا ہونا، تو یہ اس بنا پر نہیں کہ خدا کو غصہ آتا ہے اور وہ انتقام لیتا ہے۔ بلکہ اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص عورت کے ساتھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الولد .... و من ترک الاکل والشرب عاقبة بالجوع والعطش ...... فکذلک نسبة الطاعات والمعاصی الی الآلام الآخرة ولذاتها من غیر فرق فالسوال عن انه لم تفضی المعصیة الی العقاب کالسوال فی انه لم یهلک الحیوان عن السم ولم یودی السم الی الهلاک ۔ (۱)

ہم بستری نہ کرے گا، خدا اس کو اولاد نہ دے گا اور جو شخص کھانا پینا چھوڑ دے گا، خدا اس کو بھوک اور پیاس کا عذاب دے گا، عبادت اور گناہ سے قیامت میں جو عذاب و ثواب ہوگا اس کے بعینہٖ یہی مثال ہے، اس بنا پر یہ پوچھنا کہ گناہ پر عذاب کیوں ہوتا ہے، گویا یہ پوچھنا کہ جاندار زہر سے کیوں مرجاتا ہے اور زہر کیوں مار ڈالتا ہے۔

غرض یہ سب اسی قانون فطرت کے سلسلہ میں داخل ہے، انسان کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ نیکی اور بدی کرتا ہے اور نیکی و بدی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی روح کو آرام اور تکلیف پہنچتی ہے، اسی کا نام عذاب و ثواب ہے، قرآن مجید میں اسی نکتہ کو یوں ادا کیا ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ (عنکبوت ۲۹: ۵۴)

یعنی کفار تجھ سے کہتے ہیں کہ عذاب جلدی لاؤ حالانکہ دوزخ انکو ہر طرف سے چھائے ہوئے ہیں۔

۵۔ اوپر کی تقریر سے اس بحث کے متعلق اگرچہ شبہات رفع ہوگئے، لیکن اصلی گرہ اب تک نہیں کھلی، تمام اعتراضات اس مرکز پر آکر جمع ہوتے ہیں کہ پھر خدا نے ایسی فطرت ہی کیوں بنائی، جس سے برائی سرزد ہو، کیا یہ ممکن نہ تھا کہ انسان فطرۃً ایسا بنایا جاتا کہ اس سے برائی سرزد ہی نہ ہوتی۔

اس عقدہ کے حل کرنے کے لئے اس بات پر غور کرو کہ اگر ایک چیز میں بہت سے فائدے ہوں اور کچھ نقصان بھی ہو تو تم کیا کروگے؟ کیا اس کو بالکل چھوڑ دوگے یا اس بنا پر اختیار کروگے کہ گو تھوڑا سا نقصان ہے، لیکن فائدے بہت زیادہ ہیں، تمام دنیا کا کاروبار اسی اصول پر چل رہا ہے، اولاد سے زیادہ انسان کو کیا چیز عزیز ہے،

(۱) کتاب المضنون بہ علی غیر اہلہ ص ۱۱ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۰۹ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اولاد کی پرورش اور پرداخت میں کن کن مصیبتوں کا سامنا ہے۔ خود انسان کی زندگی جو اس کو سب سے زیادہ عزیز ہے، کس قدر مصائب سے بھری ہوئی ہے۔ تاہم ان مسرتوں اور خوشیوں کے مقابلہ میں جو انسان کو زندگی کی وجہ سے یا اولاد سے حاصل ہوتی ہیں، یہ تکلیفیں ناقابل اعتناء ہیں۔ آگ سے ہمارے سینکڑوں کام نکلتے ہیں، کیا ہم اس کو اس بنا پر چھوڑ سکتے ہیں کہ اس سے کبھی کبھی ہمارے کپڑوں میں آگ بھی لگ جاتی ہے۔

انسان کی فطرت کے متعلق چار احتمال پیدا ہو سکتے تھے۔ ایسا انسان بنایا جاتا جو ہمہ تن نیکی ہوتا، ہمہ تن بدی ہوتا، نیکی کا مادہ اس میں زیادہ ہوتا، بدی کا مادہ زیادہ ہوتا، دوسری اور چوتھی قسم حکمت اور انصاف کے خلاف تھی، اس لئے خدا نے اس قسم کی فطرت نہیں بنائی، پہلی اور تیسری قسم عین حکمت تھی، اس لئے انسان اسی فطرت کے موافق پیدا کیا گیا۔

شاید تم کو خیال ہو کہ بعض انسان ہمہ تن شرارت ہوتے ہیں، اس لئے ان کا پیدا کرنا، خلاف حکمت ہے، لیکن یہ غلطی ہے، جس کو تم ہمہ تن شرارت کہتے ہو، اس کے ان تمام افعال و اقوال پر نظر ڈالو، جو اس سے رات دن سرزد ہوتے ہیں، ان میں بہت سے بہت فی صدی دس کام برے ہوں گے، جو شخص بے انتہا جھوٹ بولنے کا عادی ہے، وہ بھی دن رات میں بہ مشکل دس پانچ جھوٹ بولتا ہوگا۔

غرض انسان، بلکہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں ان میں مضرت و نقصان فائدہ کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس لئے اگر ان چیزوں کو سرے سے نہ پیدا کیا جاتا تو تھوڑے سے نقصان کے لئے بہت سے فائدوں کو ترک کرنا ہوتا اور یہ حکمت و مصلحت کے بالکل خلاف ہے، محدث ابن القیم نے اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے، ان کے چند فقرے یہ ہیں:۔

ومن تامل هذا الوجود علم ان الخير فيه غالب وان الامراض	اور جو شخص عالم موجودات پر غور کرے گا، اس کو معلوم ہوگا کہ اس میں بھلائی کا پلہ بھاری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وان كثرت فالصحة اكثر منها واللذات اكثر من الآلام والعافية اعظم من البلاء ..... ومثال ذلك النارفان في وجودها منافع كثيرة فيها مفاسد لكن اذا قابلنا بين مصالحها ومفاسدها لم تكن لمفاسدها نسبة الى مصالحها وكذلك المطر والرياح والحر والبرد وبالجملة فعناصر هذا العالم السفلي خيرها ممتزج بشرها ولكن خيرها غالب ـ (۱)

ہے، بیماریاں گو بہت ہیں، لیکن صحت کے اعتبار سے کم ہیں، تکلیفوں کے مقابلہ میں لذتیں زیادہ ہیں، آرام کے مقابلہ میں بلائیں کم ہیں، اس کی مثال آگ ہے، آگ میں بہت سے فائدے ہیں اور نقصانات بھی ہیں، لیکن فائدوں کے مقابلہ میں نقصانات کی کچھ حقیقت نہیں، بارش، ہوا، گرمی، سردی، سب کا یہی حال ہے، غرض عالم سفلی میں جس قدر عناصر ہیں ان میں نفع و نقصان دونوں ملے ہوئے ہیں، لیکن نفع کا پلہ بھاری ہے۔

تمام تقریر کا حاصل یہ ہے کہ عالم سلسلۂ اسباب پر قائم ہے، سب کے ساتھ مسبب کا وجود ضروری ہے، سلسلۂ اسباب خدا نے پیدا کیا ہے، انسان کا ارادہ اور خواہش بھی منجملہ اسباب کے ہے، اس بنا پر انسان اپنے افعال کا سبب اور خالق ہے، لیکن علت العلل ہونے کے لحاظ سے ان افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے، انسان جو افعال کرتا ہے اور ان افعال کے جو لازمی نتائج ہیں، یعنی عذاب و ثواب وہ خود بخود اسی سلسلۂ اسباب کے بنا پر وجود میں آتے ہیں، انسان کی فطرت میں خدا نے برائی کا مادہ بھی رکھا ہے اور ایسا کرنا حکمت کا اقتضا تھا، ان اصول کے سمجھنے کے بعد تمام اعتراضات رفع ہو جاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید نے اس بحث کو ہر پہلو کے لحاظ سے فیصل کر دیا ہے۔

(۱) شفاء العلیل ص ۱۸۳ ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یورپ اور قرآن کے عدیم الصحۃ ہونے کا دعویٰ[1]

لندن ٹائمز کے ایک آرٹیکل مورخہ ۲۵ / اپریل ۱۴ء میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے چند ایسے نہایت قدیم اجزاء ہاتھ آگئے ہیں جو موجودہ قرآن شریف سے مختلف العبارۃ ہیں اور جن کی صحت پر موجودہ قرآن سے زیادہ اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

قرآن مجید نے اہل کتاب کو جو سب سے بڑا طعنہ دیا تھا، وہ اس کا شیوہ تحریف تھا، جس کی بدولت توراۃ اور انجیل ہمیشہ تغیر و تبدل کے مختلف قالب بدلتی رہیں اور جس کی بدولت آج یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا ہے کہ یہ آسمانی صحایف صحت کے لحاظ سے زمینی کتابوں کے ساتھ بھی برابری کا دعویٰ کرسکتے ہیں یا نہیں ؟۔

دشمن کے جوابؒ کا سب سے آسان طریقہ برابر کا جواب ہے، لیکن باوجود اس کے کہ عیسائیوں نے قرآن مجید پر ہر طرح کے اعتراضات کئے یہاں تک کہ یورپ کے بہت سے مستشرقین کو قرآن مجید کی کمال بلاغت سے بھی انکار ہے، تاہم آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ موجودہ قرآن مجید کے سوا قرآن مجید کا کوئی اور بھی نسخہ ہے، جو اس قرآن سے مختلف ہے۔

مذکور الصدر آرٹیکل پر ابھی کچھ لکھنا قبل از وقت ہے، اس لئے کہ اس آرٹیکل میں ظاہر کیا گیا ہے کہ کیمبرج یونیورسٹی پریس چند روز میں یہ مسودات شایع کردے گا، اس لئے جب تک وہ مسودات شایع نہ ہوجائیں تفصیلی طور سے اس کے متعلق بحث نہیں ہوسکتی، شایع ہونے کے بعد آسانی سے یہ فیصلہ ہوسکے گا کہ وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسودات کس زمانہ کے ہیں؟ اور ان کی صحت پر کہاں تک اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ اعتبار کے کیا وجوہ ہیں؟ قدامت کی کیا شہادتیں ہیں؟ کس قسم کے اختلاف ہیں؟ ان مسودات پر عیسائیوں کا دست تصرف کہاں تک پہنچا ہے؟۔

تاہم جس قدر اس آرٹیکل کے متعلق ابھی سے بحث کی جاسکتی ہے اس کے لئے سب سے پہلے اس کے مندرجہ بیانات کا خلاصہ لکھ دینا چاہئے اور وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ جو حصص قرآن مجید کے دستیاب ہوئے ہیں، ان پر علاوہ قرآن کے اور تحریریں بھی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں جب سامان نوشت و خواند کمیاب تھے، تو اکثر پرانی قلمی کتابوں پر جو بے کار سمجھ لی جایا کرتی تھیں، دوسری ضروری تحریروں کا اندراج ہوجایا کرتا تھا اور اس طور پر ایک ہی وقت میں مختلف کتابیں موجود ہوتی تھیں، ٹائمز کی عبارت اگرچہ صاف نہیں ہے، لیکن اس سے مترشح ہوتا ہے کہ کیمبرج کے مذکورہ اوراق میں تین مختلف کتابیں مختلف زمانہ کی لکھی ہوئی موجود ہیں، ان میں سب سے قدیم تحریر جیسا کہ ٹائمز سے مستنبط ہوتا ہے، پروتی و بنجیلیم اور ٹرنی زیٹس میری کی عبارات ہیں جو سریانی زبان میں ہیں، دوسری عبارت جو دراصل مذکورہ بالا تحریر کے بعد اور اس کے اوپر لکھی گئی ہے، قرآن شریف کی عبارت ہے، تیسری تحریر جو اس کے بعد کی ہے، وہ عیسائی مقدسین کی بعض تحریروں کا اقتباس ہے اور یہ عبارت بھی عربی زبان میں ہے، اس طور پر گویا ایک سطح پر تلے اوپر تین مختلف تحریریں موجود ہیں، جو ایک دوسرے کو کسی قدر ڈھکے ہوئے ہیں اور اس طرح اوپر کی تحریر کی وجہ سے نیچے کی عبارت دھندلی پڑ گئی ہے۔

۲۔ ان مسودات کو ٹائمز ساتویں صدی کے آخر یا آٹھویں صدی کی ابتداء کا بتاتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تحریر یعنی سریانی زبان کی دو کتابیں اس زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں۔

۳۔ تیسری تحریر یعنی عیسائی مقدسین کی عربی عبارت کے طرز تحریر کے متعلق عیسائی برٹش میوزیم کے ماہرین کی رائے ہے کہ وہ نویں صدی کی لکھی ہوئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ ڈاکٹر منگانا نے ثابت کیا ہے کہ اوراق مذکورہ تین یا زائد ماخذوں سے حاصل کئے گئے ہیں، جن میں سے بعض ماخذ اس وقت سے پہلے کے ہیں، جب حضرت زید بن ثابتؓ نے مروجہ نسخہ قرآن کو ترتیب دیا تھا۔

۵۔ ڈاکٹر منگانا نے ۳۵ صفحے مطالعہ کئے ہیں اور ان میں کم از کم موجودہ قرآن سے ۳۵ اختلافات پائے ہیں اور چار ایسی آیتیں ہیں جو موجودہ قرآن میں نہیں، لیکن ان صفحات میں ہیں۔

۶۔ ڈاکٹر منگانا کے نزدیک ان صفحات کا بیشتر حصہ زیدؓ کے مرتب کردہ قرآن سے ترقی یافتہ ہے، مثلاً قرآن میں جو آیت ہے (بَارَکْنَا حَوْلَهُ) اس کے بجائے ان صفحات میں جو الفاظ ہیں، ان کا ترجمہ یہ ہے، جب کہ "حرم کے گرد ہم جھکے"۔

بیانات مذکورہ بالا میں چند امور قابل لحاظ ہیں۔

۱۔ جن لوگوں نے یورپ کے پچھلے زمانہ کی تاریخ پڑھی ہے اور عیسائیوں کی حیرت انگیز تصنیفات کے واقعات مطالعہ کئے ہیں جن کی تفصیلات پروفیسر ہنری دی کاستری (فرنچ مصنف) کی کتاب میں موجود ہیں، جس کا ترجمہ عربی زبان میں مصر سے شایع ہو چکا ہے، وہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی مذہبی کتاب عیسائیوں کے ہاتھ میں آکر ہر قسم کی ناجائز کوششوں سے کہاں تک محفوظ رہ سکتی ہے، ہم نے وہ تحریریں دیکھی ہیں جن کی نسبت یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے لئے لکھی ہیں اور وہ بعینہٖ محفوظ ہیں، ان تحریروں کے فوٹو شایع کئے گئے ہیں اور ان کا اصلی مخرج عیسائیوں کی قدیم خانقاہیں یا گرجا بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک تحریر بھی اصلی اور واقعی نہیں ہے اور فن حدیث کا معمولی صاحب مذاق بھی ان کے جعلی ہونے کو بیک نظر معلوم کر سکتا ہے، تاہم یورپ کے مستشرقین ان کو صحیح اور اصلی نوشتہ خیال کرتے ہیں۔

۲۔ جو آیت اختلاف کے ثبوت میں پیش کی ہے، افسوس ہے کہ اصلی عربی عبارت نقل نہیں کی ہے، بلکہ اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ "حرم کے گرد ہم جھکے" قرآن مجید

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں جو الفاظ ہیں اس کا ترجمہ یہ ہے "جس کو ہم نے برکت دی" اس بنا پر ڈاکٹر منگانا یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مفروضہ قرآن موجودہ قرآن سے مختلف ہے، ڈاکٹر صاحب اگر اصل عربی عبارت نقل کرتے تو ہم آسانی سے اس کی نسبت کوئی رائے قائم کرسکتے تھے، تاہم یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید میں "بَارَکْنَا" کا جو لفظ ہے اس کا ترجمہ غلط کیا ہے، قرآن مجید کی رسم خط میں "بَارَکْنَا" کا لفظ بغیر الف کے لکھا جاتا ہے یعنی "بٰرَکْنَا" قدیم زمانہ میں قرآن مجید پر زیر و زبر مد وغیرہ نہیں ہوتے تھے، زیر و زبر لکھنا حجاج بن یوسف کے زمانہ سے شروع ہوا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ کسی قدیم نسخے میں "بَارَکْنَا" کا لفظ اس طرح پر لکھا ہو کہ اس پر الف ممدودہ نہ ہو اور اس لئے ڈاکٹر صاحب نے اس کو "برکنا" پڑھا ہو جس کے معنی بیٹھنے اور لیٹنے اور جھکنے کے ہوسکتے ہیں اور اس بنا پر بجائے برکت کے اس کا ترجمہ جھکنا کردیا۔

۳۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اوراق مذکورہ کا ماخذ حضرت زید بن ثابت کے زمانہ سے پہلے کا ہے، وہ اس کے ثبوت میں کیا دلائل پیش کرسکتا ہے؟ کیا ان اوراق پر کتابت کی تاریخ لکھی ہے؟ کیا کاغذ کی کہنگی یا خط کی شان سے کتابت کا ٹھیک زمانہ متعین ہوسکتا ہے؟ کیا ڈاکٹر منگانا اور کوئی صاحب ان اصول شہادت کے معیار سے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے پر آمادہ ہیں؟ ان تمام امور کو معلوم کرنے کے لئے ہمیں اوراق مذکورہ کی اشاعت کا انتظار کرنا چاہیے۔

قرآن مجید کی تدوین کی کیفیت

اس موقع پر ہم مختصر اور سادہ طور پر قرآن کے مرتب و مدون ہونے کے واقعات درج کرتے ہیں، جن سے اس مسئلہ پر روشنی پڑسکتی ہے کہ ڈاکٹر منگانا کی تحقیق کہاں تک صحیح ہوسکتی ہے؟۔

جس زمانہ میں قرآن مجید نازل ہوا، تمام عرب میں اشعار اور خطبات کی زبان محفوظ رکھنے کا عام رواج تھا، آج شعرائے جاہلیت کے بیسیوں دیوان موجود ہیں جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنو امیہ کے ابتدائی عہد تک مطلق قلمبند نہیں ہوئے تھے۔ (مثلاً دیوان امرء القیس، دیوان سموئل بن عادیا، دیوان زہیر بن ابی سلمٰی، دیوان نابغہ ذیبانی، دیوان علقمۃ الفحل، دیوان حاتم طائی وغیرہ) یہ تمام دیوان اسلام سے پہلے کے ہیں اور اسلام کے بعد بھی یہ ایک مدت تک درج تحریر نہیں ہوئے، سینکڑوں ہزاروں اشخاص ان کو زبانی محفوظ رکھتے تھے اور جب قلمبند ہوئے تو اس کی صحت کے ساتھ قلمبند ہوئے کہ بجز شاذ مثالوں کے اختلاف نسخ کی بھی نوبت نہیں آئی، جو قومیں لکھی پڑھی نہیں ہوتیں ان کے حافظے عموماً نہایت قوی ہوتے ہیں اور عرب اس خصوصیت میں تمام قوموں سے اور بھی زیادہ ممتاز تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو پہلے بہت چھوٹی چھوٹی سورتیں اتریں، جو لوگ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوتے تھے ان کا پہلا کام قرآن مجید کی نازل شدہ آیتوں اور سورتوں کا محفوظ رکھنا ہوتا تھا، کثرت سے ایسے صحابہ تھے جن کو پورا قرآن محفوظ تھا، جنگ یمامہ میں جو صحابہ شہید ہوئے ان میں ستر ایسے تھے جن کو پورا قرآن مجید یاد تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میں نے ستر سورتیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تھیں۔

قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا سب سے بڑھ کر ثواب کا کام ہے، بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں وہ شخص رتبہ میں سب سے بڑھ کر ہے جو قرآن سیکھے یا سکھلائے" (۱) اس بنا پر ہر مسلمان نہایت اہتمام اور شوق سے قرآن مجید سیکھتا اور سکھلاتا تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے دس برس کی عمر میں سورۂ حجرات سے لے کر اخیر قرآن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یاد کر لیا تھا۔

ایک غریب شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی، آپؐ نے دریافت فرمایا تمہارے پاس مہر میں دینے کے

(۱) بخاری ج ۲ ص ۷۵۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے کیا ہے ؟ انھوں نے کہا کچھ نہیں، فرمایا تم کو کچھ قرآن زبانی یاد ہے، بولے ہاں فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں، آپ نے فرمایا تو یہی سورتیں بجائے مہر کے ہیں اور میں اسی پر تمہارا نکاح پڑھائے دیتا ہوں۔ (۱)

غرض عرب کی قوت حافظہ، قرآن مجید کے یاد رکھنے کی فضیلت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب و تاکید، قرآن مجید کی عبارت کی دلآویزی، تعلیم قرآن کا اہتمام، یہ سب اسباب ایسے تھے جن کی وجہ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں پورا قرآن مجید یا اس کا بڑا حصہ سینکڑوں اشخاص کو یاد تھا۔

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۳، میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریر و کتابت

با ایں ہمہ صرف زبانی حفظ پر اکتفاء نہیں کیا گیا، بلکہ جب قرآن مجید نازل ہوتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو حکم دیتے تھے اور وہ قلمبند کر لیتے تھے، مکہ معظمہ میں گو لکھنے کا رواج اس وقت تک کم تھا، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے خاص مکہ میں ۱۷ اشخاص اس فن کے ماہر تھے، ان میں چار خلفائے راشدین بھی تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ چلے آئے اور جنگ بدر میں قریش کے چند لکھے پڑھے آدمی (جو اس وقت تک کافر تھے) گرفتار ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ مدینہ میں لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں اور یہی ان کا زرِ فدیہ ہوگا، یعنی اس کے بعد وہ رہا کردیئے جائیں گے، چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ نے جو مشہور کاتب وحی تھے اسی طریقہ سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔

بہرحال مدینہ منورہ میں لکھنا پڑھنا عام طور پر رائج ہوگیا، یہاں تک کہ حضرت زیدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے عبرانی اور لاطینی زبان بھی سیکھ لی۔ (۱)

اب تحریر کا اس قدر رواج ہوگیا تھا کہ قرآن مجید کے علاوہ بعض صحابہ (حضرت عبداللہ بن عمروؓ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی قلمبند کرلیا کرتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ کثیر الروایۃ ہیں، لیکن بخاری میں ان کا قول مذکور ہے کہ عبداللہ بن عمروؓ مجھ سے زیادہ کثیر الروایۃ ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ میں لکھتا نہ تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنتے تھے،

(۱) مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۸۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی وقت لکھ بھی لیا کرتے تھے"۔ (۱)

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پورا قرآن مجید قلم بند ہو چکا تھا، البتہ کسی ایک مجموعہ میں جمع نہیں ہوا تھا اور سورتوں میں باہم کوئی ترتیب قرار نہیں پائی تھی۔ لیکن ہر سورہ کی تمام آیتیں مرتب قلم بند ہو چکی تھیں۔ قرآن مجید کے مدون اور مرتب ہونے کی تاریخ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب غزوۂ یمامہ میں اکثر حفاظ قرآن نے شہادت پائی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ قرآن جمع کرا دیجیے۔ حضرت ابو بکرؓ نے زید بن ثابتؓ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت وحی کا کام کیا کرتے تھے۔ بلا کر یہ خدمت سپرد کی، حضرت زیدؓ نے غایت اہتمام سے اس کام کو انجام دیا، جہاں جہاں تحریری اجزاء تھے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مہیا کئے۔ یہاں تک کہ ہڈیوں، پتھر کے ٹکڑوں اور کھجور کے تختوں پر لکھے ہوئے اجزاء بہم پہنچائے۔ یہ التزام کیا کہ تحریر کے ساتھ زبانی شہادت بھی لیتے تھے، یعنی وہ تحریری عبارت لوگوں کو زبانی بھی یاد ہے یا نہیں؟ اس طرح پورا قرآن مجید مرتب ہوا اور سورتوں کی ترتیب ان کے نازل ہونے کے زمانہ کے لحاظ سے نہیں رکھی بلکہ زیادہ تر سورتوں کے مطول و مختصر ہونے کا لحاظ رکھا، یعنی بڑی سورتیں پہلے رکھی گئیں، متوسط ان کے بعد اور مختصر سب سے اخیر۔ یہ نسخہ حضرت حفصہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور حضرت عمرؓ کی صاحبزادی) کے گھر میں رکھوا دیا گیا، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب قرآن مجید کی کثرت سے نقلیں شایع ہونے لگیں تو اختلاف نسخ پیدا ہوا، اس بنا پر حضرت حفصہؓ کے مکان سے وہ نسخہ منگوا کر متعدد نقلیں کرائیں اور اسلام کے بڑے بڑے صوبوں میں بھجوا دیں کہ تمام نسخے ان کے مطابق نقل کئے جائیں۔ حضرت عثمانؓ نے یہ بھی حکم دیا جیسا کہ صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔

وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا و امربما سواہ من القرآن	اور جو نسخے تیار ہوئے وہ ہر افق (صدر مقات) میں بھجوا دئے۔ اور حکم دیا کہ ان کے سوا کسی

(۱) بخاری ج ۱ ص ۲۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی کل صحیفة او صحف ان یحرق۔ (۱) صحیفے میں جو ملے وہ جلا دیا جائے۔

واقعات مذکورہ سے جو اہم نتائج حاصل ہوتے ہیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ قرآن مجید خود آنحضرتؐ کے زمانہ میں بہت سے صحابہ کو زبانی یاد تھا۔

۲۔ قرآن مجید کا ایک جملہ بھی ایسا باقی نہیں رہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قلمبند نہ کر لیا گیا ہو۔

۳۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے اہتمام سے قرآن مجید کا جو نسخہ مرتب کرایا وہ تحریری نوشتوں سے مرتب ہوا تھا جس کی تصدیق ان لوگوں سے بھی کرائی جاتی تھی، جو قرآن مجید کے کلاً یا جزاً حافظ تھے۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تمام سورتیں مرتب ہو چکی تھیں اور ان کے الگ الگ نام قائم ہو چکے تھے، البتہ سورتوں میں باہم تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے ترتیب نہیں دی گئی تھی، یہ ترتیب حضرت زید بن ثابتؓ نے قائم کی۔

۵۔ جو نسخے ایسے تھے جن میں کاتبوں کی غلطی سے کچھ تغیر ہو گیا تھا، حضرت عثمانؓ نے سب کو جلوا دیا۔

نتائج مذکورہ کے بعد اب سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر منگانا جن ماخذوں کو حضرت زیدؓ اور حضرت عثمانؓ سے پہلے کا بتاتے ہیں، ان کی صحت کے کیا دلائل پیش کر سکتے ہیں؟ جب یہ ثابت ہے کہ حضرت زیدؓ نے انتہائے تفحص، اہتمام و تلاش اور تمام صحابہؓ کی متفقہ کوششوں سے مدون کیا تھا، جب یہ ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے وہ تمام مصاحف ضائع کر دئے جو حضرت زید بن ثابتؓ کے نسخوں کے مطابق نہ تھے جب کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف ابتداء سے آج تک بہ تواتر محفوظ چلا آیا تو کیا ایک "ڈاکٹر منگانا" کا بلا دلیل استنباط تمام عظیم الشان شہادتوں کے مقابلہ میں ایک ذرہ بھی وقعت رکھتا ہے۔

ہم نے اس مضمون کو نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے جب کیمبرج پریس اپنے کاغذات شایع کرے گا، اس وقت ہم اسکو بتادیں گے کہ "قرآن مجید" ہزاروں دلائل سے بھی انجیل نہیں بن سکتا۔

(۱) صحیح بخاری باب جمع القرآن ج ۲ ص ۷۴۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسائل فقہیہ پر زمانہ کی ضرورتوں کا اثر

ہمارے مخالفوں نے سینکڑوں بار کہا ہے اور اب بھی کہتے ہیں کہ اسلام کا قانون (مسائل فقہیہ) دست شل ہے، جس کو کسی طرح جنبش نہیں ہو سکتی، یعنی اس میں ترقی کی کوئی گنجائش نہیں اور اس وجہ سے وہ کسی طرح زمانہ کی ضرورتوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

ہم اس کے متعلق اگر کچھ کہنا چاہتے ہیں تو مخالفین کہتے ہیں کہ یہ آج کل کے خیالات کا اثر ہے، ورنہ قدمائے اسلام کے نزدیک مسائل فقہیہ میں کسی اصلاح اور تغیر کی گنجائش نہیں، اس بنا پر ہم اس کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتے، بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ سلف نے خاص اس مضمون پر کیا لکھا ہے۔

فقہائے متاخرین میں سے علامہ شامی کو جو شہرت اور حسن قبول حاصل ہوا، کم کسی کو ہوا ہوگا، انھوں نے خاص اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف ہے، یہ رسالہ اور بہت سے رسالوں کے ساتھ ۱۳۰۱ھ میں بمقام دمشق میں چھاپا گیا ہے، اس رسالہ میں علامہ موصوف نے نہایت تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، ہم اس کے جستہ جستہ مقامات اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

اعلم ان المسائل الفقهية اما ان تكون ثابتة بصريح نص وهي الفصل الاول	جاننا چاہئے کہ مسائل فقہیہ یا صریح نص سے ثابت ہوں گے ان مسائل کو ہم نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واما تكون ثابتة بضرب اجتهاد ورای وكثير منها ما يبينه المجتهد علی ما كان فی عرف زمانه بحيث لو كان فی زمان العرف الحادث لقال بخلاف ما قاله اولا ولهذا قالوا فی شروط الاجتهاد انه لا بد فيه من معرفة عادات الناس فكثير من الاحكام تختلف باختلاف الزمان لتغير عرف اهله او لحدوث ضرورة او فساد اهل الزمان بحيث لو بقی الحكم علی ما كان عليه اولا للزم منه المشقة والضرر بالناس ولخالف قواعد الشريعة المبنية علی التخفيف والتيسير ودفع الضرر والفساد لبقاء العالم علی اتم نظام واحسن احكام ولهذا تری مشايخ المذهب خالفوا ما نص عليه المجتهد فی مواضع كثيرة بناها علی ما كان فی زمانه لعلمهم بانه لو كان فی زمنهم لقال بما قالوا به (۱)

پہلی فصل میں بیان کیا، یا اجتہاد اور رائے سے ثابت ہوں گے، ان میں سے اکثر مسائل ایسے ہوتے ہیں، جن کو مجتہد نے اپنے زمانے کے رواج کے موافق قائم کیا تھا اس طرح کہ اگر وہ (یعنی مجتہد) آج کے زمانے میں موجود ہوتا تو اپنے ہی قول کے خلاف کہتا، اسی بنا پر اجتہاد کے شرائط میں لوگوں نے اسکو بھی داخل کیا ہے کہ مجتہد لوگوں کے رسم و رواج سے واقفیت رکھتا ہو کیونکہ اکثر احکام زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں، بوجہ اسکے کہ رواج بدل گیا یا کوئی نئی ضرورت پیدا ہوگئی یا زمانہ کے لوگ بدروش ہوگئے اس صورت میں اگر وہ پہلا حکم باقی رہے تو اس سے لوگوں کو تکلیف اور ضرر پہنچے اور شریعت کے ان قواعد کی مخالفت لازم آئے، جن کی بنیاد آسانی اور دفع ضرر پر ہے تاکہ دنیا نہایت اعلیٰ درجہ کے نظم ونسق پر قائم رہے، اس بنا پر تم دیکھتے ہو کہ مشائخ فقہ نے اکثر موقعوں پر مجتہد کی منصوصات سے اختلاف کیا ہے، جن کی بنیاد مجتہد کے زمانہ کے حالات کے موافق تھی، کیونکہ مشائخ کو یہ معلوم ہے کہ اگر آج خود مجتہد موجود ہوتا تو وہی کہتا جو انھوں نے کہا۔

(۱) رسالہ مذکور ص ۱۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد مصنف نے بہت سی مثالیں دی ہیں، جس میں زمانہ کی رسم و عادت کی وجہ سے احکام بدل گئے، ان میں سے چند یہ ہیں۔

پہلے مجتہدین کا یہ فتویٰ تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم پر معاوضہ لینا جائز نہیں، اب فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔

امام ابو حنیفہؒ کا یہ مذہب تھا کہ گواہ کا ظاہر میں ثقہ ہونا کافی ہے، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے ظاہری عدالت کو ناکافی قرار دیا، کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں اکثر لوگ ثقہ اور عادل ہوتے تھے، اس لئے ظاہری عدالت کافی تھی، لیکن پھر وہ حالت نہیں رہی۔

پہلے وصی کو یتیم کے مال میں مضاربت کا حق حاصل تھا، متاخرین نے اس کو ناجائز قرار دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتی تھیں، متاخرین نے منع کر دیا۔

مزارعت، معاملت، وقف میں امام ابو حنیفہؒ کا قول معمول بہ نہیں ہے، بلکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے۔

بیع بالوفاء پہلے ناجائز تھی، پھر جائز قرار دے دی گئی۔

اس قسم کی قریباً سو مثالیں مصنف نے پیش کی ہیں، جن میں زمانہ کے اختلاف حالت کی وجہ سے احکام فقہی بدل گئے ہیں۔

اس کے بعد مصنف نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ اب اس زمانہ میں احکام کا بدلنا جائز ہے یا نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں :-

فان قلت العرف يتغير و يختلف باختلاف الزمان فلو طرء عرف جديد هل للمفتي في زماننا ان يفتي على وفقه و يخالف المنصوص و كذا هل للحاكم الآن العمل بالقرائن قلت مبنى هذه الرسالة على هذه المسئلة فاعلم	اگر تم یہ کہو کہ رواج تو زمانہ کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے تو اب اگر کوئی نیا رواج پیدا ہو تو ہمارے زمانہ کے مفتی کو اس کے موافق فتویٰ دینا اور منصوصات کی مخالفت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح آج کل حاکم وقت کو قرائن پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو میں کہتا ہوں کہ اس رسالے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان المتاخرین الذین خالفوا المنصوص فی کتب المذھب فی المسائل السابقۃ لم یخالفوہ الا لتغیر الزمان و العرف و علمھم ان صاحب المذھب لو کان فی زمنھم لقال بما قالوا۔	کی بنیاد یہی مسئلہ ہے تمکو جاننا چاہیے کہ متاخرین نے ان تصریحات سے جو قدیم کتابوں میں تھیں اختلاف جو کیا، اسی بنا پر کیا کہ اب زمانہ اور رواج بدل گیا ہے اور اگر آج خود قدماء موجود ہوتے تو وہی کہتے جو ہم کہتے ہیں۔

علامہ موصوف نے ایک اور رسالے میں جس کا نام شرح المنظومہ ہے، اس مسئلہ کو ضمناً لکھا ہے، اس میں لکھتے ہیں:۔

وفی القنیۃ لیس للمفتی ولا للقاضی ان یحکما علی ظاہر المذھب ویترکا العرف انتھی و نقلہ منھا فی خزانۃ الروایات وھذا صریح فیما قلنامن ان المفتی لا یفتی بخلاف عرف اھل زمانہ۔	اور قنیہ میں مذکور ہے کہ مفتی اور قاضی کو یہ جائز نہیں کہ ظاہر مذہب پر حکم دے اور اسی کتاب سے خزانۃ الروایات میں یہ قول نقل کیا ہے اور یہ سریح ہمارے اس قول کے موافق ہے کہ مفتی کو اپنے زمانے کے رواج کے مخالف حکم نہیں دینا چاہیے۔

یہاں فوراً یہ شبہہ پیدا ہوگا کہ اگر شریعت کے احکام زمانے کے اختلاف سے بدل سکتے ہیں تو اس کی حد کیا قرار پائے گی، یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے خود فرائض مذہبی تک پہنچ سکتا ہے، کیا زمانے کے اختلاف سے فرائض اور ارکان بھی بدل سکتے ہیں، یہ شبہہ علامہ شامی نے اپنے رسالے میں ذکر کرکے جواب دیا ہے۔

فنقول فی جواب ھذا الاشکال اعلم ان العرف نوعان خاص وعام وکل منھا اما ان یوافق الدلیل الشرعی و المنصوص علیہ فی کتب ظاہر الروایۃ اولا فان وافقھما فلا کلام والا فانما ان یخالف الدلیل	تو ہم اس اعتراض کے جواب میں کہیں گے کہ عرف کی دو قسمیں ہیں، عام و خاص اور ان دونوں کی بھی دو صورتیں ہیں یا تصریحات ظاہر الرایہ (یعنی امام محمدؒ کی تصانیف ستہ) کے موافق ہوں گی یا نہیں، اگر موافق ہو تو کچھ پوچھنا ہی نہیں اور اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الشرعی او المنصوص علیه فی المذهب فنذکر ذلک فی بابین الباب الاول اذا خالف العرف الدلیل الشرعی فان خالفه من کل وجه بان لزم منه ترک النص فلا شک فی رده کتعارف الناس کثیرا من المحرمات من الرباء وشرب الخمر ولبس الحریر و الذهب وغیر ذلک مما ورد تحریمه نصا وان لم یخالفه من کل وجه بان ورد الدلیل عاما و العرف خالفه فی بعض افراده او کان الدلیل قیاسا فان العرف معتبر ان کان عاما فان العرف العام یصلح مخصصا کما مر عن التحریر و یترک به القیاس، الخ

مخالف ہو تو ہم اس کو دو بابوں میں لکھتے ہیں، پہلا باب جب کہ رواج دلیل شرعی کے مخالف ہو، اس صورت میں اگر ہر طرح سے دلیل شرعی کے مخالف ہو، جس سے نص شریعت کا ترک کرنا لازم آئے تو اس کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں مثلاً اکثر لوگوں نے بہت سے محرمات کا معمول کر لیا ہے، مثلاً شراب، سود، حریر اور زری کا استعمال جن کی حرمت صاف نص میں آئی ہے اور اگر کلیۃً نص صریح کا مخالف نہ ہو مثلاً یہ کہ دلیل عام ہو اور رواج ایک خاص صورت سے متعلق ہو، یا یہ کہ دلیل کوئی نص نہ ہو، بلکہ قیاس ہو تو اس صورت میں رواج کا اعتبار کیا جائے، بشرطیکہ رواج عام ہو اور اس صورت میں رواج، دلیل شرعی کا مخصص واقع ہو سکے گا، جیسا کہ تحریر (ایک کتاب کا نام ہے) کے حوالہ سے گذر چکا ہے اور رواج عام کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جائے گا۔

علامہ موصوف نے اس مسئلہ کو ایک جزئی صورت میں سمجھایا ہے، وہ یہ کہ مثلاً حدیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس شرط پر آٹا پیسنے کو دے کہ اجرت کے بدلے تہائی آٹا اس کا ہوگا تو ناجائز ہے، اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص کسی جولاہے کو اس شرط پر سوت دے کہ وہ اس کا کپڑا بن دے اور اُجرت کے معاوضہ میں ایک تہائی کپڑا لے لے تو یہ معاملہ ناجائز ہوگا، لیکن چونکہ بلخ میں یہ طریقہ عموماً معمول ہے، اس لئے بلخ کے فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار دیا کہ رواج کی بنا پر حدیث میں تخصیص کردی جائے گی، یعنی حدیث صرف آٹے کی صورت تک محدود رہے گی، علامہ کے الفاظ ہیں:۔

و مشایخ بلخ کنصیر بن یحیٰی و محمد بن سلمة و غیرھما کانوا یجیزون ھذہ الاجارۃ فی الثیاب لتعامل اھل بلدھم و التعامل حجة یترک به القیاس و یخص به الاثر۔

اور بلخ کے اکثر مشائخ مثلاً نصیر بن یحییٰ، و محمد بن سلمہ وغیرہ اس معاملہ کو کپڑے میں جائز قرار دیتے تھے، کیونکہ ان کے شہر میں یہ عام رواج تھا اور رواج کے مقابلہ میں قیاس ترک کردیا جاتا ہے اور حدیث میں تخصیص کرلی جاتی ہے۔

ان تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ فقہ اسلامی میں ترقی اور اقتضائے ضروریات کی موافقت کی قابلیت نہیں، آج کل معاملات کے متعلق سینکڑوں ہزاروں جزئیات جو پیدا ہوگئے ہیں، ان کو اگر جائز یا حرام کہا جاتا ہے تو اس بنا پر کہ ان کو کسی قدیم کلیہ کے تحت میں داخل کرلیا جاتا ہے، ورنہ یہ ظاہر ہے کہ یہ جزئیات اس زمانے میں موجود نہ تھے، لیکن علامہ شامی نے سینکڑوں روایتوں کی اسناد سے ثابت کردیا ہے کہ عام رواج کی بنا پر کلیات کا حکم خاص کردیا جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقف اولاد

وقف اولاد کی تحریک جو اخباروں کے ذریعہ سے عام طور پر مشتہر ہو چکی ہے، اگرچہ اس کی نسبت تمام ملک میں نہایت سرگرمی اور جوش سے موافقت اور تائید کی صدا اٹھی، لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ شریعت اسلامی کا کیا مسئلہ تھا؟ حکام پریوی کونسل نے اس کو کیونکر باطل کیا؟ اور کس غلط فہمی کی بنا پر باطل کیا؟ اس کے متعلق اب کیا کوشش ہو رہی ہے؟ اور کس حد تک ہو چکی ہے؟ اور آیندہ کیا کیا کرنا ہے؟۔

اصل یہ ہے کہ شریعت اسلام کا ایک یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائداد کو خدا کی راہ میں فقراء اور غرباء کے لئے اس طرح مخصوص کردے کہ اصل جائداد ہمیشہ محفوظ رہے گی اور اس کا منافع فقراء و غرباء کو ملتا رہے گا تو اس معاملہ کا نام وقف ہوگا اور وہ جائداد ہمیشہ محفوظ رہے گی، یعنی نہ فروخت ہو سکے گی نہ ہبہ ہو سکے گی، نہ وارثوں کو وراثت میں مل سکے گی، البتہ اس کا منافع فقراء کو ملتا رہے گا۔

وقف کی یہ صورت تمام اور مذہبوں میں بھی موجود ہے، لیکن تمام اور مذاہب نے وقف کو غیروں اور بے گانوں کے لئے محدود رکھا ہے۔

لیکن اسلام نے اس کو اور وسعت دی ہے، اسلام نے یہ قرار دیا کہ اپنی آپ مدد کرنا، اپنی آل اور اولاد کی پرورش کرنا، انسان کا اصلی فرض ہے اور ایسا فرض ہے جس کے ادا کرنے پر انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہے، اس بنا پر اسلام نے وقف کو اولاد اور اعزہ تک وسعت دی، یعنی اگر کوئی شخص صرف اپنی اولاد پر کوئی جائداد وقف کرے تو یہ وقف بھی جائز اور نافذ ہوگا، لیکن جب موقوفہ جائدادوں کے متعلق وارثوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نزاعیں پیدا ہوئیں اور مقدمات انگریزی عدالتوں میں گئے تو حکام انگریزی نے وقف کو ناجائز قرار دیا، کیوں کہ انگریزی خیرات (چیرٹی) کا لفظ فقراء اور بے گانوں کے لئے مخصوص ہے، اپنی اولاد کو کچھ دینا خیرات میں داخل نہیں، حکام انگریزی کے سامنے وکلاء نے فقہ اسلام کی مستند روایتیں پیش کیں، لیکن انھوں نے اس پر اصرار کیا کہ خیرات کے معنی وہی لئے جائیں گے جو انگریزی قانون میں ہیں، چنانچہ جسٹس ٹریویلین نے ایک مقدمہ کے فیصلہ میں یہ الفاظ لکھے:۔ (۱)

"میں لفظ خیرات کو انگریزی لفظ ہی کا مفہوم سمجھتا ہوں اور اس مفہوم کے موافق انگریزی عدالتوں میں اور انگریزی ترجموں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، مجھ سے چاہا جاتا ہے کہ میں لفظ خیرات کے مفہوم کو مسلمانوں کے موافق سمجھوں، یعنی ایک دوسری زبان کا لفظ استعمال کروں جس کا مفہوم اس زبان کے مفہوم کے خلاف ہو"۔

اس کے بعد کثرت سے مقدمات دائر ہوئے، لیکن حکام نے اپنی رائے سے تجاوز نہ کیا، ایک مقدمہ میں جو از طرف میر محمد اسماعیل خان بنام منشی چرن گھوش تھا، مولوی امیر صاحب جج بھی شریک فیصلہ تھے، انھوں نے نہایت مستند حوالوں سے اس مسئلہ کو ثابت کیا، یہ مقدمہ پریوی کونسل تک گیا، لیکن حکام پریوی کونسل نے وقف کو تسلیم نہیں کیا، پھر متعدد مقدمات پریوی کونسل تک گئے اور حکام اسی اپنی رائے پر قائم رہے، سب سے زیادہ مفصل اور مدلل فیصلہ اس باب میں وہ ہے جو حکام نے بمقدمہ ابو الفتح محمد اسحاق بنام رسمیا چودھری ۲۳ / نومبر ۱۸۹۴ء کو صادر کیا اور جو انڈین لا رپورٹ جلد ۲۲ صفحہ ۷۶ میں درج ہے۔

اس فیصلہ کا اقتباس ہم اس غرض سے لکھتے ہیں کہ یہ معلوم ہو کہ حکام پریوی کونسل نے کس بنا پر وقف اولاد کو ناجائز قرار دیا ہے، حکام کے نزدیک وقف اولاد کے ناجائز ہونے کے وجوہ ذیل ہیں۔

۱۔ اپنی اولاد پر وقف کرنا کوئی ایثار نفس اور فیاضی نہیں ہے، اولاد کو دینا گویا

(۱) انڈین لاء رپورٹ ج ۲ کلکتہ از ص ۲۰۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائداد کو خود اپنے ہاتھ میں رکھنا اور حفاظت جائداد کا بندوبست ہے، چنانچہ حکام پریوی کونسل مقدمہ مذکور میں لکھتے ہیں :-

"یہ خیال کرنا مقنن اعظم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت بیجا ہوگا کہ مقنن موصوف نے اس کے ذریعہ سے ایسے ہبہ جات کو پسند کیا ہے، جن کے ذریعہ سے واہب نے کچھ نفس کشی نہ کی ہو، جس میں وہ ایک ہاتھ سے اس شئے کو واپس لیتا ہے، جو ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دوسرے ہاتھ سے دی اور جو ذریعہ جمع کرنے اور ازدیاد جائداد اور خاندان ہیں"۔

۲۔ شریعت اسلام میں ہبہ مشروط ناجائز ہے، مثلاً اگر کوئی شخص یوں ہبہ کرے کہ میری جائداد فلاں شخص کو ملے اس شرط پر کہ وہ اس کو منتقل نہ کرسکے گا، پھر اس کے مرنے پر اس کی اولاد کو ملے گی، لیکن اسی شرط پر کہ وہ اس کو منتقل نہ کرسکے گا اور اسی طرح یہ ہبہ اولاد در اولاد تک قائم رہے گا تو یہ ہبہ ناجائز ہوگا، جب اس قسم کا ہبہ ناجائز ہے تو وقف کی بھی یہی صورت ہے، وہ کیوں کر جائز ہوگا، حکام پریوی کونسل کے الفاظ یہ ہیں :-

"حکام ممدوح نے اثنائے بحث میں دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ازروئے عام، قانون اسلام کے اقل درجہ جیسا کہ ہند میں معلوم ہے سادہ ہبہ جات من جانب معمولی اشخاص کے بہ حق اولاد بعید جو ہنوز نہیں پیدا ہوئی، یعنی متواتر ناقابل انتقال حقوق حین حیاتی ممنوع ہیں، آیا یہ تصور کرنا چاہئے کہ وہی انتقالات جو اس صورت میں ناجائز ہیں، جب کہ معمولی الفاظ ہبہ کے استعمال کئے جائیں جائز ہو جاتے ہیں، اگر ہبہ کنندہ صرف یہ کہدے کہ وہ بطور وقف کے خدا کے نام پر غرباء کے لئے کئے گئے، ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا، نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی، نہ حکام عالی مقام کو کوئی جواب معلوم ہوتا ہے"۔ (۱)

مولوی امیر عالی صاحب جج نے نہایت مفصل اور مستند طریقہ سے وقف اولاد

(۱) مقدمہ ابو الفتح محمد اسحاق صفحہ انگریزی ۶۳۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو ثابت کیا، انھوں نے وہ تمام حدیثیں نقل کیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنی اولاد کو دینا بھی صدقہ اور خیرات کرنا ہے، لیکن حکام پریوی کونسل کہتے ہیں کہ اس قسم کی حدیثیں اخلاقی باتیں ہیں، جو مناسب موقعوں پر کہی جاتی ہیں، لیکن یہ کوئی قانونی اور فقہی مسئلہ نہیں بن سکتا، حکام موصوف کے اصلی الفاظ یہ ہیں:-

"حکام عالی مقام نے تا حد اپنی بہترین لیاقت کے، محقق اور متعلق کرنے اس شرع محمدی کے کوشش کی، جو ہند میں معلوم ہے اور جس پر وہاں عمل کیا جاتا ہے، لیکن ممدوح کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ قطعی اور (جیسا کہ حکام ممدوح کو معلوم ہوتا ہے) بیجا متعلق کرنا حدیثہائے اصول کا جو نبی کے منہ سے سنی گئیں مطابق اس قانون کے ہے، ممکن ہے کہ یہ حدیثیں مناسب موقعوں پر نہایت عمدہ ہوں"۔ (۱)

مولوی امیر علی صاحب نے وقف اولاد کی جو مثالیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے زمانہ میں عمل میں آئی تھیں، اپنے فیصلہ میں پیش کیں لیکن حکام پریوی کونسل نے ان کو کافی نہ سمجھا، حکام کے اصلی الفاظ یہ ہیں:-

"نسبت نظائر کے حکام عالی مقام کو بہت زیادہ مفصل حالات معلوم ہونے چاہئیں، قبل اس کے کہ وہ تجویز کر سکیں کہ آیا وہ متعلق بھی ہوں گے یا نہیں، حکام ممدوح سنتے ہیں کہ ہبہ کیا گیا (۲) اور وہ بحال رکھا گیا، لیکن بابت حالات جائداد کے، اس کے سوا اور کچھ انھوں نے نہیں سنا کہ مقدمہ محولہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکان مذکور خاص طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا، ان کو کچھ حال خاندان یا واقف کا معلوم نہیں"۔ (۳)

حاصل یہ کہ حکام پریوی کونسل کی اور انگلش قوم کی کسی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ خود اپنی اولاد کو دینا ثواب اور خیرات کا کام کیوں کر ہو سکتا ہے اور جب وہ خیرات نہیں تو وقف کیوں کر ہو سکتا ہے۔

خان بہادر مولوی محمد یوسف صاحب وکیل کلکتہ نے اس بارہ میں نہایت

(۱) مقدمہ ابو الفتح محمد اسحاق صفحہ انگریزی ۶۳۲ (۲) وقف کو ہبہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے

(۳) مقدمہ ابو الفتح محمد اسحاق صفحہ انگریزی ۶۳۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قابل قدر کوشش کی، انھوں نے ایک مطول رسالہ انگریزی زبان میں لکھا اور بحیثیت پریسیڈنٹی محمڈن ایسوسی ایشن بنگال والیسرائے کی خدمت میں بھیجا۔ لیکن اولاً تو رسالہ نہایت طول طویل اور حشو و زوائد پر مشتمل تھا اور ایک ہی مضمون کا بار بار اعادہ کیا گیا تھا۔

ثانیاً وہ رسالہ پیش ایسے طریقہ سے کیا گیا کہ بجز محدود برائے نام ایسوسی ایشن کے ہندوستان کی اسلامی جماعت اور اخبارات کو خبر تک نہ ہوئی۔

ثالثاً یہ قاعدہ مقررہ ہے کہ پریوی کونسل اپنے کسی فیصلہ کو منسوخ نہیں کرتی، نہ اس کے فیصلہ میں والیسرائے اور گورنمنٹ کوئی مداخلت کرسکتی۔

غرض وجوہ مذکورہ بالا سے ناکامی ہوئی۔

اب ہم کو کیا کرنا چاہیے

۱۔ ایک وقف ایسوسی ایشن یعنی وقف کی ایک کمیٹی قائم ہو جس کے ممبر تمام اضلاع ہندوستان کے سربرآوردہ مسلمان، تعلقہ دار، زمیندار، عہدہ داران سرکاری، وکلاء، وغیرہ وغیرہ ہوں۔

۲۔ ایک فتویٰ تمام ہندوستان کے علماء کے دستخط سے مزین ہو کر تیار کرایا جائے۔

۳۔ ایک رسالہ لکھا جائے جس میں احادیث اور روایات فقہیہ سے وقف اولاد کو ثابت کیا جائے۔

۴۔ ایک عرض داشت مرتب ہوکر تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے اس پر دستخط کرائے جائیں اور وہ مع رسالہ و فتویٰ مذکورہ بالا کے حضور والیسرائے کی خدمت میں بھیجی جائے، جس کا مضمون یہ ہو کہ:۔

تمام مسلمانان ہندوستان اس تعبیر کو خلاف قانون اسلام سمجھتے ہیں جو پریوی کونسل نے وقف اولاد کے مسئلہ میں کی ہے، اس لئے ہم مسلمانوں کی درخواست ہے کہ گورنمنٹ ایک جدید قانون وقف اولاد کے متعلق حسب شریعت اسلام بنا دے، جیسا کہ ہندو بیوگان کی نسبت حضور والیسرائے نے ہندوؤں کی درخواست پر ایک قانون

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موسومہ قانون نکاح بیوگان بنا دیا ہے۔

غرض جب تک تمام مسلمانوں کی متفقہ آواز سے گورنمنٹ پر یہ نہ ثابت ہوگا کہ پریوی کونسل کا فیصلہ، مسلمانوں کے مذہب اور شریعت کے خلاف ہے، اس بارے میں کچھ کامیابی نہیں ہوسکتی۔

رسالہ کا مسودہ الندوہ (۱) میں اطلاع عام کے لئے شایع کیا جاتا ہے اور اس پر جو حضرات کسی قسم کی رائے دینا چاہیں، خاکسار کو تحریر فرمائیں، یہ رسالہ تمام علماء کی خدمت میں منظوری کے لئے مرسل ہوگا اور ان کے دستخط اس پر ثبت کرائے جائیں گے۔

چونکہ انگریزی عدالتوں نے بالعموم وقف علی الاولاد کو جو شریعت اسلام کا ایک مسلّمہ مسئلہ ہے، متعدد فیصلوں کے ذریعہ سے ناجائز اور باطل قرار دے دیا ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ خود اسلامی شریعت میں یہ مسئلہ ناجائز ہے، اس لئے یہ رسالہ تحریر کیا جاتا ہے، جس سے دو امر ظاہر کرنا مقصود ہے۔

۱۔ اولاد پر جائداد کا وقف کرنا، حدیث اور فقہ دونوں سے ثابت ہے اور مسلمانوں کے تمام فرقے اس میں متفق الرائے ہیں۔

۲۔ حکام انگریزی بالخصوص پریوی کونسل نے کس بنا پر اس مسئلہ کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

وقف اولاد کا مسئلہ اصول مفصلہ ذیل پر مبنی ہے۔

پہلا اصول، شریعت اسلامی میں خیرات اور صدقہ، غیروں پر محدود نہیں، بلکہ خود اپنے اہل وعیال کو دینا بھی صدقہ اور خیرات (چیرٹی) ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ	یہ نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو، لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص خدا پر اور قیامت پر اور فرشتوں پر

(۱) رسالہ الندوہ نمبر ۴ ج ۶ ص ۱ تا ۵ ۱۹۰۹ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ (بقرہ ۲: ۱۷۷)	اور کتاب پر اور انبیاء پر ایمان لائے اور خدا کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافر کو اور سائل کو اور آزاد کرنے کے لئے دے۔

ایک اور آیت میں ہے :-

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ (بقرہ ۲: ۲۱۵)	لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خیرات کریں، کہدے کہ جو خیرات کرو تو والدین کو دو اور رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو۔

قرآن مجید کی یہ آیت جب نازل ہوئی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (آل عمران ۳: ۹۲)	تم ثواب نہیں پاسکتے جب تک اس چیز میں سے خیرات نہ کرو جو تم کو محبوب ہے۔

تو ابو طلحہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کہتا ہے کہ جب تک محبوب چیز خیرات نہ کرو نیکی نہ ملے گی تو مجھ کو اپنی تمام جائدادوں میں سے بیرحاء بہت زیادہ محبوب ہے، میں اس کو صدقہ دینا چاہتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بہتر یہ ہے کہ اپنے عزیزوں پر صدقہ کرو، چنانچہ ابوطلحہؓ نے یہ جائداد اپنے اقارب اور خاص اپنے چچازاد بھائیوں پر صدقہ کی، یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے جو قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ مستند کتاب ہے، اصل الفاظ بخاری کے یہ ہیں :-

قال انس فلما نزلت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ قام ابو طلحه فقال یا رسول الله	انسؓ کا بیان ہے کہ جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ تم کو ثواب نہ حاصل ہوگا، جب تک تم اپنا محبوب مال خیرات نہ کرو تو ابو طلحہؓ کھڑے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان اللہ یقول لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَاَنَّ احب اموالی الی بیرحاء وانہا صدقۃ للہ ارجو برھا وذخرھا عند اللہ فضعہا حیث اراک اللہ فقال بخ ذلک مال رابح او رایح شک ابن سلمۃ وقد سمعت ما قلت وانی اری ان تجعلہا فی الاقربین (۱)

ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! خدا یہ کہتا ہے اور مجھ کو سب سے زیادہ عزیز میری بیرحاء کی جائداد ہے تو وہ خدا کی راہ میں صدقہ ہے، میں اس کے ثواب کا اور خدا کے ہاں ذخیرہ ہونے کا امیدوار ہوں تو آپ اسکو جس طرح چاہئے صرف کیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو بکار آمد جائداد ہے (یا چلتی ہوئی چیز ہے) ابن سلمہؓ کو شک ہے کہ ان دو لفظوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا میں نے سنا جو تم نے کہا اور میری رائے ہے کہ تم اس جائداد کو عزیزوں پر وقف کرو۔

صحیح مسلم میں ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینار انفقتہ فی سبیل اللہ و دینار وانفقتہ فی رقبتہ دینار تصدقت بہ علی مسکین و دینار انفقتہ علی اھلک اعظمہا اجر الذی انفقتہ علی اھلک (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو روپیہ تم نے خدا کی راہ میں صرف کیا اور کسی گرفتار کے چھڑانے میں صرف کیا اور جو مسکین پر صرف کیا اور جو اپنی بیوی بچہ پر صرف کیا، ان میں خدا کے ہاں سب سے زیادہ جس پر اجر ملے گا، وہ وہ ہے، جو بال بچہ پر تم نے صرف کیا۔

صحیح بخاری میں ہے۔

خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر

اچھی خیرات وہ ہے جو اہل وعیال کے

(۱) بخاری کتاب الزکوۃ باب الزکوۃ علی الاقارب ج ۱ ص ۱۹۷ (۲) صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل النفقۃ علی العیال والمملوک الخ ج ۱ ص ۳۶۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غنی وابدء بمن تعول (۱)

خرچ سے فارغ ہو کر کی جائے اور شروع عیال سے کرو۔

بخاری و مسلم میں ہے۔

عن ام سلمة قالت قلت یا رسول الله الی اجران انفق علی بنی ابی سلمة انما هم بنی فقال انفقی علیهم فلک اجر ما انفقت علیهم (۲)

ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ اگر میں ابو سلمہ کے بیٹوں پر صرف کروں تو کیا مجھ کو ثواب ملے گا، وہ تو میرے بیٹے ہی ہیں، آپ نے فرمایا ہاں، ان پر صرف کرو، تم کو اس کا ثواب ملے گا۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینب کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے بی بیو، خیرات دو، گو اپنے زیور ہی سے سہی، یہ سن کر میں اپنے شوہر کے پاس گئی اور کہا کہ تم مفلس آدمی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو خیرات کرنے کا حکم دیا ہے تو تم جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ تم کو دینا خیرات میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر نہ ہو تو میں اوروں کو خیرات دوں، عبداللہ نے کہا نہیں تم ہی جاؤ، زینب گئیں، اتفاق سے دروازہ پر ایک اور بیوی ملیں اور ان کو بھی یہی پوچھنا تھا، اتنے میں بلالؓ باہر نکلے، میں نے بلالؓ سے کہا جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ دو عورتیں یہ پوچھ رہی ہیں کہ اگر وہ اپنے شوہر کو اور یتیموں کو جو ان کے زیر تربیت ہیں خیرات دیں تو یہ خیرات میں داخل ہوگا یا نہیں، زینب نے یہ بھی کہدیا کہ ہمارا نام نہ بتانا، بلالؓ نے جاکر پوچھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا نام پوچھا، بلالؓ نے کہا ایک زینب ہیں اور ایک انصاری عورت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون سی زینب؟ بلالؓ نے کہا عبداللہ کی بیوی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) بخاری کتاب الزکوۃ باب لا صدقة الا عن ظهر غنی ج ۱ ص ۱۹۲ (۲) مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل النفقة ج ۱ ص ۳۲۱ و بخاری کتاب الزکوۃ باب الزکوۃ علی الزوج والایتام ج ۱ ص ۱۹۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا، ان کو دو ثواب ہوں گے، ایک رشتہ کا اور ایک خیرات کا۔ (یہ صحیح مسلم کے الفاظ کا ترجمہ ہے) (۱)

صحیح ترمذی اور ابن ماجہ اور نسائی میں ہے۔

الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذی الرحم ثنتان صدقة وصلة (۲)	مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے اور قرابت دار کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحم بھی۔

بخاری اور مسلم میں ہے۔

اذا انفق المسلم نفقة على اهله وهو يحتسبها كانت له صدقة (۳)	جب مسلمان اپنے بال بچوں پر صرف کرتا ہے اور ثواب سمجھ کر کرتا ہے تو یہ خیرات ہے۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ خیرات اور صدقہ جس طرح غیر لوگوں کو دینا ثواب ہے، اسی طرح اپنی اولاد عزیز اور اقارب کو دینا بھی ثواب ہے، اسلام کا اصول یہ ہے کہ اپنے بال بچے بھی عام سوسائٹی کے افراد ہیں، اس لئے ان کی مدد کرنا بھی بنی نوع انسان کی مدد کرنا ہے اور اس لئے ثواب ہے، انگریزی میں بھی مثل ہے کہ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے۔

دوسرا اصول اسلام نے خیرات کے دو طریقے قرار دیئے ہیں، ایک یہ کہ اصل چیز خیرات میں دے دی جائے، دوسرے یہ کہ اصل چیز محفوظ رہے اور اس کا منافع یا آمدنی خیرات میں صرف ہوتی رہے، اس دوسری قسم کا نام وقف ہے۔

وقف کا یہ حکم ہے کہ اصل شے نہ کسی کی ملک ہو سکتی نہ فروخت ہو سکتی

(۱) مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل النفقة و الصدقة على الاقربين ج ۱ ص ۲۷۰ و ۲۷۱ و بخاری حوالہ مذکور (۲) ترمذی ابواب الزکوۃ باب ما جاء فی الصدقة علی ذی القرابة ج ۱ ص ۱۳۲ و نسائی کتاب الزکوۃ باب الصدقة على الاقارب ج ۱ ص ۲۷۸ و ابن ماجہ باب فضل الصدقة ص ۱۳۳ (۳) مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل النفقة على الاقربين ج ۱ ص ۲۷۱ و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ منتقل ہو سکتی، وقف کی حقیقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دی تھی، حضرت عمرؓ کو خیبر میں ایک نخلستان ہاتھ آیا، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں خیرات کرنا چاہتا ہوں، کس طریقہ سے کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصل محفوظ رہے، یعنی نہ بک سکے، نہ ہبہ ہو سکے، نہ اس میں وراثت جاری ہو۔

یہ واقعہ بخاری میں متعدد طریقوں سے بالتفصیل مذکور ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں:۔

تصدق باصله لا يباع ولا يوهب ولا يورث ولكن ينفق ثمره (۱)	اصل کو اس طرح خیرات میں دو کہ وہ نہ بک سکے نہ ہبہ کی جا سکے نہ اس میں وراثت جاری ہو، بلکہ اس کا پھل لوگوں کو ملا کرے۔

اگرچہ یہ وقف، غرباء اور مسافروں اور مہمانوں وغیرہ کے لئے مخصوص تھا تاہم رشتہ دار اور قرابت دار بھی اس میں داخل تھے، چنانچہ بخاری کے یہ الفاظ ہیں:۔

في الفقراء و القربیٰ و في الرقاب و في سبيل الله و الضيف و ابن السبيل (۲)

تیسرا اصول، فقہ اسلام کا تمام تر مدار نیت پر ہے، یعنی ایک ہی چیز کسی شخص کو دوستانہ یا ہبہ کی نیت سے دی جائے تو اس کے اور احکام ہوں گے اور اگر یہ نیت کر لی جائے کہ خدا کی راہ میں دی گئی تو اس کے احکام بالکل بدل جائیں گے، مثلاً ایسی چیز کا دینا سیدوں اور دولت مندوں کو ناجائز ہوگا، حالانکہ ہبہ کرنا ہر شخص کے لئے جائز ہے۔

وقف کا مسئلہ انھیں اصول مذکورہ بالا کی بنیاد پر ہے، چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کے وقفوں کی بنیاد پڑی اور اس وقت

(۱) بخاری کتاب الوصایا باب الوقف ج ۱ ص ۳۸۹ (۲) بخاری کتاب الوصایا باب الوقف ج ۱ ص ۳۸۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے آج تک یہ سلسلہ برابر قائم رہا۔

صحابہؓ نے اولاد پر وقف کیا تھا	فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں بہ سند نقل کیا ہے

ان الزبیر بن العوام وقف دار اله علی المردودة من بناته

زبیر بن عوامؓ نے اپنا ایک مکان اپنی مطلقہ لڑکیوں پر وقف کیا۔

فتح القدیر (۱) میں حاکم کی سند سے روایت ہے کہ ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس مکان میں رہتے تھے اور جو صفا کے پاس تھا، اس کو اس کے مالک ارقم نے اپنے بیٹوں پر وقف کردیا تھا، وقف نامہ کے الفاظ یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما قضی الارقم ..... لا تباع ولا تورث (۲)

یہ وہ وقف ہے جو ارقم نے قائم کیا...... وہ نہ بیچا جائے گا نہ اس میں وراثت جاری ہوگی۔

اسی فتح القدیر میں بیہقی کی کتاب الخلافیات سے نقل کیا ہے۔

تصدق ابوبکر بدارہ بمکة علی ولدہ فھی الی الیوم ... وتصدق سعد بن ابی الوقاص بدارہ بالمدینة وبدارہ بمصر علی ولدہ فذالک الی الیوم ... وعمرو بن العاص بربط من الطائف ودارہ بمکة والمدینة علی ولدہ فذالک الی الیوم (۳)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مکان کو جو مکہ میں تھا، اپنی اولاد پر وقف کیا، چنانچہ وہ اب تک قائم ہے.... سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنے مدینہ کے مکان کو اور مصر کے مکان کو اپنے بیٹوں پر وقف کیا جو اب تک قائم ہے.... عمرو بن العاصؓ نے طائف اور مکہ اور مدینہ کے مکانات کو وقف کیا، چنانچہ وہ اب تک قائم ہے۔

(۱) فتح القدیر ہدایہ کی شرح ہے اور نہایت معتبر کتاب ہے (۲) فتح القدیر کتاب الوقف ج ۲ ص ۸۴۱ مطبعۃ الممتاز لکھنو (۳) یہ سب عبارتیں فتح القدیر ج ۲ ص ۸۴۱ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ میں ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عینی شرح ہدایہ میں ہے۔

وفی الخلافیات للبیہقی قال ابو بکر عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی تصدق ابوبکر بدارہ بمکۃ علی ولدہ فھی الی الیوم وتصدق عمر بربعۃ عند المروۃ بآلاتہ علی ولدہ فھی الی الیوم وتصدق علی رضی اللہ عنہ بارضہ وداره بمصر وباموالہ بالمدینۃ علی ولدہ فذالک الی الیوم وتصدق سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بربعۃ عند المروۃ وبدارہ بالمدینۃ وبدارہ بمصر علی ولدہ فذالک الی الیوم (۱)

بیہقی نے خلافیات میں لکھا ہے کہ ابو بکرؓ عبد اللہ بن الزبیر حمیدی نے کہا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے مکان کو جو مکہ میں تھا، اپنے بیٹوں پر صدقہ کیا اور وہ اب تک ہے اور حضرت عمرؓ نے ایک جائداد کو جو مروہ میں تھی مع آلات کے اپنے بیٹوں پر وقف کیا، سو وہ اب تک ہے اور حضرت علیؓ نے مصر کے مکان اور آراضی اور مدینہ کی جائداد کو اپنی اولاد پر وقف کیا جو اب تک موجود ہے اور سعدؓ بن ابی وقاص نے مروہ کے پاس ایک جائداد کو اور مدینہ اور مصر کے مکانات کو اپنی اولاد پر وقف کیا تو وہ اب تک قائم ہے۔

صحیح بخاری میں ہے، باب الوقف میں۔

وتصدق الزبیر بدورہ وقال للمردودۃ من بناتی ان تسکن۔ وجعل ابن عمر نصیبہ من دار عمر رضی اللہ تعالی عنہ سکنی لذوی الحاجۃ من آل عبد اللہ (۲)

اور زبیرؓ نے اپنے مکانات اپنی ان لڑکیوں پر وقف کئے جو مطلقہ ہوں۔ اور عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنا وہ حصہ جو حضرت عمرؓ کی جائداد سے ملا تھا، اپنی محتاج اولاد پر وقف کیا۔

جن بزرگوں نے یہ وقف کئے تھے یعنی ا رقمؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عمرو بن العاصؓ، زبیرؓ، حضرت علیؓ، عبد اللہ بن عمرؓ

(۱) عینی شرح ہدایہ ج ۲ ص ۹۹۳ مطبوعہ لکھنؤ (۲) بخاری کتاب الوصایا باب اذا وقف ارضا او بیرا الخ ج ۱ ص ۳۸۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور اصحاب ہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود اس کے حکام پریوی کونسل (۱) کہتے ہیں کہ "جو نظائر پیش کیے گئے ہیں، وہ مبہم اور زیادہ تعین طلب ہیں اور ہم کو ان وقف کرنے والوں کا حال معلوم نہیں" جن بزرگوں کے نام اوپر گذرے۔ اسلام کی تاریخ میں ان سے زیادہ کوئی نام آور نہیں، جو جائدادیں وقف کیں ان کے موقعے اور پتے بتا دیے گئے ہیں اور چوتھی صدی ہجری تک کے محدثین نے لکھا ہے کہ آج تک یہ اوقاف قائم ہیں۔

فقہ میں وقف اولاد

اسی بنا پر فقہ میں اولاد کا خاص باب ہے اور اس کے متعلق ہر قسم کے تفصیلی احکام درج ہیں۔

فتاویٰ قاضی خاں میں جو نہایت معتبر کتاب فقہ حنفی کی ہے، لکھا ہے۔

رجل قال ارضی هذه صدقة موقوفة علی ولدی كانت الغلة لولد صلبه يستوی فيه الذكر و الانثى ... و اذا اجاز هذا الوقف فما دام يوجد واحد من ولد الصلب كانت الغلة له لا غير و ان لم يبق واحد من البطن الاول يصرف الغلة الى الفقراء (۲)	ایک شخص نے کہا میری یہ زمین میری اولاد پر صدقہ اور وقف ہے تو زمین کا محاصل صلبی اولاد کو ملے گا، اس میں مرد عورت سب برابر ہوں گے . . اور جب یہ وقف جائز ہوا تو جب تک ایک شخص بھی صلبی اولاد سے موجود رہے گا منافع اسی کو ملے گا اور کسی کو نہیں اور اگر پہلی پشت کا کوئی شخص موجود نہ رہ جائے تو فقیروں کو ملے گا۔

فتاویٰ عالمگیری باب الوقف میں ہے۔

و ان قال علی ولدی و ولد ولدی و ولد ولد ولدی ذكر البطن الثالث فانه يصرف	اور اگر کہا کہ جائداد میری اولاد اور اولاد اولاد اور ان کی اولاد اولاد یعنی تیسری پشت کا بھی ذکر کیا تو جائداد کا منافع ہمیشہ خاندان کو

(۱) اس فیصلہ پر پریوی کونسل کا حوالہ آگے آئے گا۔ (۲) فتاویٰ قاضی خاں فصل فی الوقف علی الاولاد ج ۲ ص ۱۶۹ مطبوعہ مطبع العلوم ۱۲۷۱ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الغلة الی اولادہ ابدا ما تناسلوا ولا یصرف الی الفقراء ما بقی احد یکون الوقف علیهم وعلی من اسفل منهم الاقرب والا بعد فیه سواء (۱)

ملتا رہے گا، جب اولاد کی نسل چلتی رہے اور فقیروں کو کچھ نہیں ملے گا، جب تک خاندان میں ایک شخص بھی باقی رہے گا، اس کو اور اس کے نیچے والوں کو منافع ملے گا، قریب اور بعید اس میں سب برابر ہوں گے۔

در مختار میں ہے۔

ولو زاد البطن الثالث عم نسله ویستوی الاقرب والابعد (۲)

اور اگر تیسری پشت کو بھی اضافہ کیا تو تمام نسل کو عام ہوگا، قریب و بعید سب شامل ہوں گے۔

چونکہ یہ مسئلہ بلا اختلاف تمام فقہاء نے تصریحاً لکھا ہے، اس لئے زیادہ عبارتیں ہم نے نقل نہیں کیں۔

مفتی بہ، قاضی ابو یوسف اور امام محمد کی رائے ہے

اس موقع پر بطور ایک واقعہ کے یہ ظاہر کر دینا بھی ضرور ہے کہ وقف کے احکام جو بیان ہوئے، وہ قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور تمام دیگر فقہاء کی رائے کے موافق ہیں، امام ابو حنیفہؒ سرے سے وقف کے قائل نہیں یعنی ان کے نزدیک وقف میں واقفیت کی ملکیت ساقط نہیں ہوتی اور واقف جب چاہے وقف سے رجوع کرسکتا ہے، لیکن تمام فقہاء نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتویٰ نہیں ہے، بلکہ قاضی ابو یوسفؒ صاحب اور امام محمدؒ صاحب کے قول پر فتویٰ ہے۔

فتاوائے عالمگیری میں ہے۔

وفی العیون والیتیمة ان الفتوی علی قولهما (۳)

اور عیون اور یتیمہ (کتابوں کا نام ہے) میں ہے کہ فتویٰ دونوں صاحبوں (قاضی ابو یوسف و امام محمد) کے قول پر ہے۔

(۱) کتاب الوقف عالمگیری الفصل الثانی فی الوقف علی نفسه و اولاده و نسله ج ۲ ص ۱۱۹ (۲) الدر المختار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد ص ۳۴۹ مطبع ہاشمی میرٹھ (۳) فتاویٰ عالمگیری کتاب الوقف ج ۲ ص ۱۱۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

والناس لم یاخذوا بقول ابی حنیفة فی ھذا للاثار المشھورة عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم والصحابة (۱)	اور لوگوں نے اس بارہ میں ابو حنیفہؒ کے قول کو اختیار نہیں کیا بوجہ ان مشہور روایتوں کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے مروی ہیں۔

درمختار میں ہے۔

فلا یجوز له ابطاله ولا یورث عنه وعلیه الفتوی (۲)	تو وقف کرنے والے کو وقف کا باطل کرنا جائز نہیں اور نہ شے موقوفہ میں وراثت جاری ہوسکتی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں ہے۔

والحق ترجیح قول عامة العلماء بلزومه لان الاحادیث والاثار متظافرة علی ذلک قولا کما صح من قوله علیه الصلوة والسلام لا یباع ولا یورث الخ وتکرر ھذا فی احادیث کثیرة واستمر عمل الامة من الصحابة والتابعین ومن بعدھم علی ذلک اولها صدقة رسول اللّٰہ	اور حق یہ ہے کہ عام علماء جو وقف کے لازم ہونے کے قائل ہیں، انہی کے قول کو ترجیح ہے، کیونکہ حدیثیں اور روایتیں اس میں پے در پے ہیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول صحیح طور سے ثابت ہے کہ جائداد موقوفہ نہ فروخت ہوسکے گی نہ اس میں وراثت جاری ہوگی اور متعدد حدیثوں میں ایسا آیا ہے اور تمام امت محمدیہ کا صحابہ سے لے کر تابعین اور مابعد کے لوگوں کا اس پر عمل رہا، پہلا وقف خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔
ثم صدقة ابی بکر ثم عمر وعثمان	پھر ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ،

(۱) فتاویٰ قاضی خاں کتاب الوقف ج ۲ ص ۱۳۱ و ۱۳۲ (۲) درمختار کتاب الوقف ص ۳۲۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعلی و الزبیر و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و عایشه و اسماء اختها و ام سلمه و ام حبیبه و صفیه بنت حی و سعد بن ابی وقاص و خالد بن الولید و جابر بن عبد اللّٰہ و عقبه بن عامر ابی اروی الدوسی و عبد اللّٰہ بن الزبیر رضی اللّٰہ عنہم کل ھولاء من الصحابة ثم التابعین بعدھم کلھا بروایات وتوارث الناس اجمعون ذلک (۱)

زبیرؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، عایشہؓ اور ان کی بہن اسماءؓ اور ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ اور صفیہؓ بنت حی اور سعد بن ابی وقاصؓ اور خالد بن الولیدؓ اور جابر بن عبد اللہؓ اور عقبہ بن عامرؓ اور ابی اروی الدوسیؓ اور عبد اللہ بن الزبیرؓ ان سب نے وقف کیا، یہ سب لوگ صحابہ میں ہیں اور ان کے مابعد کے لوگوں کا یہ عمل رہا اور تمام لوگ اس کو کرتے آئے ہیں۔

بحر الرایق شرح کنز الدقایق مصنفہ علامہ ابن نجیم میں ہے۔

وقد اکثر الخصاف من الاستدلال لھما بوقوف النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم واصحابه رضی اللّٰہ عنھم وقد کان ابو یوسف مع الامام حتی حج مع الرشید ورای وقوف الصحابة رضی اللّٰہ عنھم بالمدینة ونواحیھا فرجع وافتی بلزومه ولقد استبعد محمد قول ابی حنیفة فی الکتاب لھذا وسماہ تحکما علی الناس (۲)

اور خصاف نے قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مذہب کے موافق بہت سے وقفوں سے استدلال کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہؓ نے وقف کئے۔ پہلے قاضی ابو یوسفؒ بھی امام ابو حنیفہؒ کے ہم خیال تھے۔ لیکن جب انھوں نے ہارون الرشید کے ساتھ حج کیا اور مدینہ میں جاکر وہاں اور اسکے اطراف میں صحابہ کے اوقاف دیکھے تو انکی رائے بدل گئی اور فتویٰ دیا کہ وقف لازم ہے اور امام محمدؒ نے اپنی کتاب میں امام ابو حنیفہؒ کے قول پر بہت تعجب کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ زبردستی ہے۔

(۱) فتح القدیر ج ۲ ص ۸۲، (۲) بحر الرائق کتاب الوقف ج ۶ ص ۱۹۳ مطبوعہ مصر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پریوی کونسل کے شبہات کا جواب

اصول ہائے مذکورہ بالا کے بیان کرنے کے بعد ہم پریوی کونسل کے ان شبہات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کی بنا پر انھوں نے وقف اولاد کو ناجائز سمجھا ہے۔

جناب مولوی امیر علی صاحب جسٹس نے اپنے فیصلہ مندرجہ انڈین لاء رپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۴۰ میں متعدد روایتیں وقف اولاد کے جائز ہونے کے متعلق نقل کی تھیں، لیکن حکام پریوی کونسل نے ان کے متعلق یہ لکھا ہے:۔

"رائے اس مقنن ذی علم شرع محمدیؐ کی جیسا کہ حکام عالی مقام سمجھتے ہیں ایسے اقوال پر مبنی ہے جو اصول ذہنی تھے اور ایسے نظائر پر جو بہت غیر مکمل طور پر بیان کئے گئے ہیں، مثلاً حاکم موصوف نے حوالہ ایک نصیحت خود پیغمبر یعنی محمدؐ کا دیا ہے، جس کا یہ مضمون ہے کہ نیکی کی راہ سے دنیا اپنے خاندان کو اس غرض سے کہ وہ محتاج نہ ہوں زیادہ تر کار ثواب بہ نسبت فقراء کے ہے "نہایت اعلیٰ صدقہ وہ ہے کہ جو کوئی شخص اپنے خاندان کو دے" اور بطور نظیر کے حاکم موصوف نے ذکر ہبہ ایک مکان کا کیا ہے کہ "جو وقف یا صدقہ میں دے دیا گیا تھا اور جس کی آمدنی اولاد مسمی ارکان واہب کو عطا کی گئی تھی" حاکم موصوف کی دیگر قدیم اسناد اسی قسم کی ہیں۔

نسبت نظائر کے حکام عالی مقام کو بہت زیادہ مفصل حالات معلوم ہونے چاہئیں، قبل اس کے کہ وہ یہ تجویز کر سکیں کہ آیا وہ متعلق بھی ہوں گے یا نہیں، حکام ممدوح سنتے ہیں کہ ہبہ کیا گیا اور وہ بحال رکھا گیا۔ لیکن بابت حالات جائداد کے سوا اس کے اور کچھ انھوں نے نہیں سنا کہ مقدمہ محولہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکان مذکور خاص طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا، ان کو کچھ حال خاندان یا واقف کا معلوم نہیں۔

نسبت ان حدیثوں کے جو بطور اصلی اصول شرع محمدیؐ کے بیان کی گئی ہیں، واضح ہو کہ حکام عالی مقام نے یہ امر فراموش نہیں کیا کہ کس حد تک شرع اور مذہب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرقہ ہائے اہل اسلام میں باہم مخلوط ہیں۔ لیکن حکام نے اثنائے بحث میں دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ کہ ازروئے عام قانون اسلام کے اقل درجہ جیسا کہ ہند میں معلوم ہوتا ہے، سادہ ہبہ جات من جانب معمولی اشخاص کے بحق بعید اولاد کے جو ہنوز پیدا نہیں ہوئی یعنی متواتر نا قابل انتقال حقوق حین حیاتی ممنوع ہیں اور آیا یہ تصور کرنا چاہیے کہ وہی انتقالات جو اس صورت میں نا جائز ہیں جب کہ معمولی الفاظ کے ہبہ استعمال کئے جائیں، جائز ہو جاتے ہیں، اگر صرف ہبہ کنندہ یہ کہدے کہ وہ بطور وقف کے خدا کے نام پر یا واسطے غرباء کئے گئے، ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا، نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی نہ حکام عالی مقام کو کوئی جواب معلوم ہوتا ہے"۔

یہ صحیح ہے کہ واہب کا حق قطعی جائداد مذکور میں کم ہو جاتا ہے، اور حق حین حیاتی رہ جاتا ہے، یعنی وقف نامہ کی وجہ سے وہ متولی یا مہتمم تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ اس حیثیت میں تا حیات رہتا ہے، اس کو اختیار ہے کہ آمدنی کو مطابق اپنی مرضی کے صرف کرے اور کوئی اس سے حساب نہ طلب کرے گا، اس قدر تبدیلی حالت ملکیت میں بالکل مطابق اس تدبیر کے ہے کہ خاندان میں مداومت قائم کی جائے اور بلا شک واسطے فوراً تکمیل ایسے ارادہ کے ضروری ہے۔

حکام علی مقام نے تاحد اپنی بہترین لیاقت کے متحقق اور معلوم کرنے اس شرع محمدیؐ کی کوشش کی جو ہند میں معلوم ہے اور جس پر وہاں عمل کیا جاتا ہے، لیکن حکام ممدوح کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ قطعی اور جیسا کہ حکام ممدوح کو معلوم ہوتا ہے، بیجا تعلق کرنا حدیثہائے اصولی کا جو نبی کے منہ سے سنی گئیں، مطابق اس قانون کے ہے، ممکن ہے کہ یہ حدیثیں مناسب موقع پر نہایت عمدہ ہوں، جہاں تک کہ حکام عالی مقام کو معلوم ہے۔ ممکن ہے کہ ان حدیثوں کا یہ اثر ہو کہ ان سے قاعدہ اور دستور وقف کی ترمیم ہوئی جیسا کہ جج ذی علم نے تحریر کیا ہے کہ ان کی یہ تاثیر تھی۔

لیکن یہ خیال کرنا مقنن اعظم (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت بیجا ہو گا کہ مقنن موصوف نے اس کے ذریعہ سے ایسے ہبہ جات کو پسند کیا ہے، جن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعہ سے واہب نے کچھ نفس کشی نہ کی ہو جس میں وہ ایک ہاتھ سے اس شے کو واپس لیتا ہے، جو ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دوسرے ہاتھ سے دی اور جو ذریعہ جمع کرنے آمدنی اور ازدیاد جائداد خاندان ہیں اور جن کی رو سے وہ اشخاص جو مستمان ہوں موسوم کیے گئے ہیں، مطالبہ حساب سے بہ احتیاط محفوظ رکھے گئے ہیں"۔ (۱)

عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جن اسباب سے پریوی کونسل نے وقف علی الاولاد کے مسئلہ کو ناجائز قرار دیا ہے، حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اپنی اولاد کو دینا، ثواب اور خیرات کا کام کیونکر ہوسکتا ہے، اس کے متعلق ہم کو پہلے اصول میں بہ تفصیل لکھ آئے ہیں کہ اسلام نے اولاد اور خاندان کی پرورش کو ثواب کا کام قرار دیا ہے اور عقل بھی اسکی مقتضی ہے کہ یہ ثواب کا کام قرار دیا جائے۔

۲۔ وقف اولاد کے متعلق شارع اسلام سے جو روایتیں منقول ہیں اور جن کا تذکرہ مولوی امیر علی صاحب جسٹس نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے، وہ مبہم اور زیادہ توضیح اور ثبوت طلب ہیں، لیکن ہم نے صحابہ کے وقف اولاد کے متعلق تفصیلی روایتیں مع حوالوں کے نقل کر دی ہیں۔

۳۔ شریعت اسلام نے ہبہ مشروط اور ہبہ حین حیاتی اور ہبہ ناقابل انتقال کو جائز قرار دیا ہے، یعنی اگر کوئی شخص کوئی جائداد اس طرح ہبہ کرنا چاہے کہ موہوب لہ صرف اپنی زندگی تک اس سے متمتع ہوسکے، اس کے بعد اس کی اولاد اور اولاد اولاد کو اسی طرح حین حیاتی حق حاصل ہوتا رہے تو یہ ہبہ فقہ اسلام کی رو سے ناجائز ہوگا، جب یہ مسلم ہے تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ یہی طریقہ انتقال صرف اس وجہ سے جائز ہو جائے کہ ہبہ کے بجائے اس کو وقف کہدیا جائے، کیا لفظ کے بدلنے سے حقیقت بدل جاتی ہے، لیکن یہ شبہہ بھی صحیح نہیں ہے، ہبہ اور وقف بالکل مختلف چیزیں ہیں اور ان کے احکام

(۱) دیکھو مقدمہ ابو الفتح محمد اسحاق وغیرہ مدعیان بنام راس مایا چودھری وغیرہ مدعا علیہم مندرجہ جلد ۲۲ ترجمہ انڈین لاء رپورٹ مطبوعہ جولائی ۱۸۹۵ء سلسلۂ کلکتہ مطبع نظار قانون ہند مندرجہ صفحہ کتاب انگریزی از صفحہ ۶۱۹ تا ۶۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالکل مختلف ہیں، ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ شریعت اسلام میں احکام کا مدار نیت پر ہے۔ اگر ایک شخص کوئی چیز کو ہبۃً دینا چاہے تو بلا کسی قید کے دے سکتا ہے۔ لیکن اگر اسی کا نام وہ زکوٰۃ رکھ دے جو خیرات کی ایک قسم ہے تو بہت سی شرطیں لازم ہوجائیں گی۔ مثلاً یہ کہ جس کو وہ چیز دی جائے وہ دولت مند نہ ہو۔ پیغمبر کے خاندان سے نہ ہو۔ کھانے کمانے کے قابل نہ ہو۔

فقہ اسلام میں ہبہ اس کا نام ہے کہ کوئی چیز کسی شخص کو قطعاً دے دی جائے کہ وہ جو چاہے کرے۔ اس صورت میں چونکہ یہ احتمال ہے کہ موہوب لہ اس کو جائز یا ناجائز طور پر بالکل صرف کرڈالے اور اس سے کوئی مستقل اور مستمرہ مدد کسی کو حاصل نہ ہو۔ اس لئے یہ کوئی ثواب کا کام نہیں قرار دیا گیا۔ بخلاف اسکے وقف کے یہ معنی ہیں کہ مستقل اور مستمر طور پر ایک گروہ کی پرورش اور بقائے زندگی کا سامان کیا جائے۔ اس طرح کہ یہ ذریعہ معاش کوئی شخص منقطع نہ کرنے پائے۔ اس لئے ایسی تدبیر جس سے ایک گروہ انسانی کی پرورش کا ایک مستقل اور پائدار سلسلہ قائم ہو اور باقی رہے، یقیناً بنی نوع انسان کی بھلائی کا کام ہے اور داخل ثواب ہے۔

وقف میں موقوف لہ بہت سے شرائط کا پابند ہے۔ وہ جائداد کو منتقل نہیں کرسکتا، جائداد کے منافع کو بیجا نہیں صرف کرسکتا، جو مصارف وقف میں متعین ہو چکے ہیں۔ ان میں ادل بدل اور تغیر نہیں کرسکتا اگر موقوف لہ وقف کا بیجا استعمال کرے تو ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ عدالت میں اس پر دعویٰ کرے اور قاضی اس کو تمام ایسے تصرفات سے باز رکھے گا۔

اس صورت میں یہ ظاہر ہے کہ ہبہ اور وقف بالکل مختلف چیزیں ہیں اور ان کے احکام میں فرق کا ہونا لازمی ہے۔

جب تمام مذکورہ بالا حدیثوں اور فقہی روایتوں سے ثابت ہوگیا کہ اسلام میں اولاد پر وقف کرنا جائز اور واجب النفاذ ہے تو پریوی کونسل کو اسلام ہی کے مطابق وقف کے مسئلہ پر عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ گورنمنٹ انگریزی کا یہ اصول ہے کہ وہ کسی قوم کے مذہبی احکام میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پردہ اور اسلام

یورپ کی عامیانہ تقلید نے ملک میں جو نئے مباحث پیدا کردئے ہیں، ان میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے، اگر اس مسئلہ پر صرف عقلی پہلو سے بحث کی جاتی تو ہم کو دخل در معقولات کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خود مذہب اسلام میں پردہ کا حکم نہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ قرون اولیٰ میں پردہ کا رواج بھی نہ تھا، نئے تعلیم یافتہ گروہ کے سب سے مشہور اور مستند مصنف (مولوی امیر علی) نے ۱۸۹۹ء میں رسالہ "نائن ٹینتھ سنچری" میں مسلمان عورتوں کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ لمبا برقع، نقاب اور خمار سلجوقیوں کے آخری زمانہ میں شایع ہوا اور جس قسم کا پردہ آج کل مسلمانان ہند میں رائج ہے، خلفاء کے زمانہ میں اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا، بلکہ برعکس اس کے اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے مردوں کے سامنے آتی تھیں، ساتویں صدی ہجری کے وسط میں جب خلفاء ضعیف ہوئے اور تاتاریوں نے اسلامی حکومت کو درہم برہم کیا تو اس وقت علماء میں اس پر نزاع ہوئی کہ عورتیں اپنے ہاتھ منھ اور پاؤں اجنبیوں کے سامنے کھول سکتی ہیں یا نہیں"۔

اس موقع پر عبرت کے قابل یہ امر ہے کہ اسلام کی تاریخ اور اسلام کے مسائل کی تعبیر کرنے والے دو گروہ ہوسکتے تھے، علمائے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ، علماء کا یہ حال ہے کہ ان کو زمانہ کی موجودہ زبان میں بولنا نہیں آتا، جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے مبلغِ علم کا اس عبارت سے اندازہ ہوسکتا ہے، جو ابھی اوپر گذر چکی، لیکن بدقسمتی سے یہی دوسرا گروہ قومی لٹریچر پر قبضہ کرتا جاتا ہے اور چونکہ غیر قوموں کے کانوں میں صرف اسی گروہ کی آواز پہنچتی ہے، اس لئے مسائل اور تاریخ اسلام کے متعلق آئندہ زمانہ میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی گروہ کی آواز اسلام کی آواز سمجھی جائے گی، ہم اس مضمون میں صرف تاریخی پہلو سے بحث کرتے ہیں اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عرب میں اسلام سے پہلے پردہ کی کیا حالت تھی، پھر تمام اسلامی دنیا میں پردہ کے متعلق کیا طریق عمل رہا۔

مدت ہوئی ہم نے اس مضمون کے پہلے حصے پر ایک بسیط مضمون لکھا تھا، پہلے اس کو بعینہٖ اس مقام پر درج کرتے ہیں۔

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ قدرت نے مرد اور عورت کو بعض خصوصیتوں میں ایک دوسرے سے ممتاز پیدا کیا ہے، لیکن تمدن نے ان قدرتی خصوصیتوں کے علاوہ اور بھی بہت سے امتیاز قائم کردئے ہیں، جو ہر قوم، ہر فرقہ، ہر ملک میں جدا جدا صورتوں میں نظر آتے ہیں، دنیا کے نہایت ابتدائی زمانہ میں غالباً مردوں اور عورتوں کے لباس، وضع، طور، طریقے بالکل یکساں رہے ہوں گے اور بجز قدرتی خصوصیتوں کے کوئی چیز ان کو ایک دوسرے سے جدا نہ کرسکتی ہوگی۔ لیکن تمدن کو جس قدر وسعت ہوتی گئی، اسی قدر یہ باہمی امتیازات بڑھ گئے، رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ آج دونوں کے طریق تمدن اور معاشرت میں بہت کم چیزیں باقی رہ گئیں جو مشترک کہی جاسکتی ہیں۔

دنیا کی ابتدائی تاریخ بالکل تاریکی کی حالت میں ہے، قدیم سے قدیم زمانہ جس کے تاریخی حالات معلوم ہوسکتے ہیں، دو تین ہزار برس سے زیادہ نہیں، یہ وہ زمانہ ہے، جب موجودہ تفرقوں کی بنیاد پڑچکی تھی اور دونوں فریق کے اصول زندگی میں بہت سی ممتاز خصوصیتیں پیدا ہوچکی تھیں، اس لئے آج یہ پتہ لگانا قریباً ناممکن ہے کہ اول کن اسباب سے یہ تفرقے قائم ہوئے اور جس زمانہ کو ہم اپنے علم تاریخ کی ابتداء قرار دیتے ہیں اس وقت تک کیونکر ان تفرقوں نے وسعت حاصل کرلی تھی۔

اگر ہم بتانا چاہیں کہ انسان کو ستر عورت کا خیال کیونکر ہوا اور مردوں اور عورتوں میں اس کے مختلف حدود کس بنا پر قرار دئے گئے تو ہم کوئی کافی وجہ نہیں بتاسکیں گے، اسی طرح اور خصوصیتوں کی نسبت بھی ہم کچھ جواب نہیں دے سکتے، اس لئے نہایت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدیم تفرقوں کی تاریخ قائم کرنی اور ان کے وجوہ و اسباب پر غور کرنا تو بے فائدہ ہے، البتہ جو امور زمانہ مابعد میں پیدا ہوئے، ان کے متعلق تحقیقات کی کوشش کرنی بیجا نہیں ہے۔

پردہ کی دو قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں۔

۱۔ چہرہ اور تمام اعضاء کا ڈھکنا۔

۲۔ مردوں کی مجلسوں اور صحبتوں میں شریک ہونا۔

پہلی قسم کا پردہ عرب میں اسلام سے پہلے موجود تھا اور زیادہ تر قدرتی ضرورتیں اس کے ایجاد کا باعث تھیں، اول اول جب اس رسم کی ابتداء ہوئی تو عورتوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی، کیونکہ زیادہ تر اس کو قدرتی ضرورتوں نے پیدا کیا تھا اور وہ مرد اور عورت سے یکساں متعلق تھیں، غالباً سب سے پہلے قبیلۂ حمیر میں جو یمن کے رہنے والے اور وہاں کے حاکم تھے یہ طریقہ جاری ہوا، اسپین میں حمیر کے ایک خاندان کی حکومت قائم ہو گئی تھی، جو ملثمین کہلاتے تھے، اس خاندان نے نہایت زور اور قوت کے ساتھ حکومت کی اور بہت سی فتوحات حاصل کیں، لیکن چہرہ پر ہمیشہ نقاب ڈالے رہتے تھے اور اس وجہ سے ملثمین کہلاتے تھے، اس میں یوسف بن تاشفین بڑی ہیبت و جبروت کا بادشاہ ہوا، علامہ ابن خلکان نے اسی کے ترجمہ میں اس رسم کے قائم ہونے کی وجہ لکھی ہے:۔

و سبب ذلک علی ما قیل ان حمیر کانت تتلثم لشدۃ الحر و البرد تفعله الخواص منهم فکثر ذلک حتی تفعله عامتهم (۱)

یعنی اس کا سبب جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہے کہ قبیلۂ حمیر گرمی اور سردی کی وجہ سے چہروں پر نقاب ڈالے رہتے تھے، پہلے خواص ایسا کرتے تھے، پھر اس کو اس قدر ترقی ہوئی کہ تمام قبیلہ میں اس کا رواج ہو گیا

علامہ موصوف نے ایک اور سبب بھی لکھا ہے، وہ یہ کہ قبیلۂ حمیر کی مخالف ایک قوم تھی، جس کا معمول تھا کہ جب حمیر والے کسی ضرورت سے باہر جاتے تھے

(۱) ابن خلکان ج ۲ ص ۴۶۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو یہ لوگ ان کے گھروں پر حملہ کرتے تھے اور عورتوں کو گرفتار کرلے جاتے تھے، مجبور ہوکر اہل حمیر نے یہ تدبیر سوچی کی ایک دفعہ عورتیں مردانہ لباس پہن کر باہر چلی گئیں اور مرد چہروں پر نقاب ڈال کر گھروں میں رہے، دشمنوں نے معمول کے موافق حملہ کیا، یہ لوگ نقاب ڈالے ہوئے نکلے اور نہایت دلیری سے لڑکر دشمنوں کو قتل کر ڈالا، چونکہ یہ فتح نقاب کے پردہ میں نصیب ہوئی تھی، اس لئے یادگار کے طور پر یہ رسم قائم کرلی گئی، یہاں تک کہ اسلام کے بعد بھی اس قبیلہ کے مرد اور عورت یکساں نقاب پوش رہتے تھے، ایک شاعر نے لکھا ہے :-

لما حووا احراز کل فضیلة غلب الحیاء علیهم فتلثموا (۱)

بعض اور اتفاقی امور سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا، مثلاً جو لوگ حسین اور خوش رو ہوتے تھے، اس خیال سے کہ نظر بد سے محفوظ رہیں، چہرہ پر نقاب ڈال کر باہر نکلا کرتے تھے، اس کی مثالیں زمانہ اسلام میں بھی ملتی ہیں۔

مقنع کندی جو دولت بنو امیہ کا مشہور شاعر ہے، اسی خیال سے ہمیشہ نقاب ڈال کر باہر نکلتا تھا (۲) رفتہ رفتہ یہ طریقہ زیادہ تر مروج ہو گیا اور بڑے مجمعوں میں اکثر لوگ برقع پہن کر شریک ہوتے تھے، چنانچہ بازار عکاظ میں جو عرب کی حوصلہ افزائیوں کا مشہور دنگل تھا، اہل عرب عموماً چہروں پر نقاب ڈال کر آتے تھے، علامہ احمد بن ابی یعقوب جو نہایت قدیم زمانہ کا مؤرخ ہے، اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ :-

وکانت العرب تحضر سوق عکاظ وعلی وجوهها البراقع فیقال ان اول عربی کشف قناعه ظریف بن غنم الغبری ففعلت العرب مثل فعله (۳)

یعنی اہل عرب عکاظ کے بازار میں آتے تھے اور ان کے چہروں پر برقع پڑے ہوتے تھے، کہتے ہیں کہ اول جس عربی نے برقع اتارا وہ ظریف ابن غنم تھا، اس کے بعد اوروں نے بھی اس کی تقلید کی۔

(۱) ابن خلکان ج ۳ ص ۴۶۴ (۲) کتاب الاغانی ترجمہ مقنع کندی ج ۱۵ ص ۱۵۱ مطبعۃ التقدم مصر (۳) تاریخ یعقوبی مطبوعہ یورپ ج ۲ ص ۳۱۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گو بعض وقتوں میں خاص اسباب اس طریقہ کے اختیار کرنے کے باعث ہوئے، لیکن اصل میں جس چیز نے اس طریقہ کی بنیاد قائم کی تھی، وہ دو امر تھے۔

۱۔ جسمانی حفاظت جس کا ذکر حمیر کے ذکر میں ہو چکا، حمیر میں تو عام و خاص سب اس طریقہ کو برتنے لگے تھے، لیکن اور قبائل میں یہ طریقہ امراء اور اعیان کے ساتھ مخصوص تھا، کیونکہ اس قسم کے تکلف اور آرام طلبی کی خواہش صرف امیروں ہی کو ہو سکتی تھی، رفتہ رفتہ ضرورت کی قید اٹھ گئی اور صرف اس خیال سے کہ نقاب اور برقع امراء کا امتیازی لباس ہے، بے وجہ اور بے ضرورت بھی اس کا استعمال ہونے لگا۔

۲۔ امتیاز اور خصوصیت کا خیال، یہ خیال عجیب تدریج کے ساتھ قائم ہوا، اہل عرب محض ابتدائی زمانہ میں تو امیر و غریب سب ایک سی حالت میں رہتے تھے، لیکن جس قدر تمدن کو ترقی ہوتی گئی، اسی نسبت سے امتیازات قائم ہوتے گئے، ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ امراء اور سرداران قوم کے دربار عام نہ ہونے چاہئیں، چنانچہ جاہلیت ہی کے زمانہ میں دربان اور حاجب کے عہدے قائم ہو چکے تھے اور سلاطین اور سرداران قبائل کے دروازوں پر اس قسم کی روک ٹوک ہوتی تھی، رفتہ رفتہ یہ خیال یہاں تک بڑھا کہ بادشاہ دربار میں بھی بیٹھے تو اس کے جمال کی دولت عام نہ ہونے پائے، چنانچہ بعض سلاطین عرب صرف اسی خیال سے برقع کا استعمال کرتے تھے۔

عباسیوں کی خلافت میں ایک زمانہ تک جو یہ طریقہ تھا کہ خلیفہ وقت ایک پردہ کی ایک اوٹ میں بیٹھتا تھا اور تمام شاہی احکام پردہ کی اوٹ سے صادر ہوتے تھے، اس میں اسی خیال کا پرتو پایا جاتا ہے۔

جس زمانہ میں اس طریقہ کی ابتداء ہوئی، اس وقت تو عورتیں اس رسم کے ساتھ مخصوص نہ تھیں، لیکن مردوں سے یہ التزام مالا یلزم نبھ نہ سکا، چنانچہ جب عکاظ میں ظریف بن غنم نے چہرہ سے نقاب ہٹائی تو تمام عرب انہی کے مقلد بن کر اس قید سے آزاد ہو گئے۔ کبھی کبھی کسی نے شوقیہ یا فخر کے لحاظ سے استعمال کیا تو وہ رواج عام کے خلاف سمجھا گیا، البتہ عورتوں میں یہ رسم اسلام کے زمانہ تک باقی رہی، جس کو اسلام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اور بھی باقاعدہ اور لازمی کردیا۔ جس شخص نے عرب جاہلیت کے حالات غور سے پڑھے ہیں، وہ تو اس سے انکار نہیں کرسکتا، لیکن چونکہ عام خیال یہ ہے کہ پردہ کا رواج اسلام کے زمانہ سے پیدا ہوا، اس لئے ہم متعدد قطعی شہادتیں پیش کرتے ہیں، جن سے ثابت ہوگا کہ اس قسم کا پردہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔

عرب جاہلیت کے حالات معلوم کرنے کے لئے سب سے عمدہ اور مستند ذریعہ شعرائے جاہلیت کے اشعار ہیں، اس لئے اس دعوے کے ثبوت میں ہم جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کرتے ہیں۔

ربیع بن زیاد عبسی جو جاہلیت کا ایک مشہور شاعر ہے، مالک بن زہیر کے مرثیہ میں کہتا ہے۔

من کان مسرورا بمقتل مالک ۔ فلیأت نسوتنا بوجه نهار

جو شخص مالک کے قتل سے خوش ہوا ہے ۔ وہ ہماری عورتوں کو دن میں آکے دیکھے۔

یجد النساء حوا سرا یندبنه ۔ یلطمن اوجههن بالاسحار

وہ دیکھے گا کہ عورتیں برہنہ سر نوحہ کررہی ہیں ۔ اور اپنے چہروں پر صبح کو دو ہتڑ مار رہی ہیں۔

قد کن یخبأن الوجوه تسترا ۔ فالیوم حین برزن للنظار (۱)

وہ شرم اور ناموس سے ہمیشہ اپنا چہرہ چھپایا کرتی تھیں۔ لیکن آج غیر معمولی طور سے دیکھنے والوں کے سامنے بے پردہ آئی ہیں۔

علامہ تبریزی نے تسترا کی شرح میں لکھا ہے عفة و حیاء ا یعنی وہ عفت اور شرم کی وجہ سے چہرہ چھپایا کرتی تھیں۔

عمرو معدیکرب ایک سخت واقعہ جنگ کے ذکر میں لکھتا ہے۔

و بدت لمیس کانها ۔ بدر السماء اذا تبدی (۲)

اور لمیس کا چہرہ کھل گیا ۔ گویا چاند نکل آیا ہے۔

عمرو معدیکرب اگرچہ مخضرمی شاعر ہے، یعنی اس نے اسلام کا زمانہ بھی پایا تھا لیکن یہ

(۱) دیوان حماسہ ج ۱ ص ۳۱۳ مطبعة السعادہ مصر ۱۹۱۳ء (۲) ایضاً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشعار اسلام کے قبل کے ہیں۔

ایک اور جاہلی شاعر جس کا نام سبرۃ بن عمر فقعسی ہے، اپنے دشمنوں پر طعن کرتا ہے اور کہتا ہے:۔

ونسوتکم فی الروع بادوجوھھا یخلن اماء اوالاماء حرایر (۱)

یعنی لڑائی میں تمہاری عورتوں کے چہرے کھل گئے تھے اور اس وجہ سے وہ لونڈیاں معلوم ہوتی تھیں حالانکہ وہ بیویاں تھیں۔

نابغہ ذبیانی جو زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر ہے، نعمان بن منذر کا بڑا مقرب اور درباری تھا، ایک دفعہ نعمان کی ملاقات کو گیا، اتفاق سے وہاں نعمان کی بیوی جس کا نام متجردہ تھا بیٹھی تھی، نابغہ دفعتہً جا پڑا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اضطراب میں دوپٹہ گر گیا، متجردہ نے فوراً ہاتھوں سے چہرہ کو چھپا لیا، نابغہ کو یہ ادا نہایت پسند آئی، اس پر اس نے ایک قصیدہ لکھا، جس میں اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے۔

سقط النصیف ولم ترد اسقاطه فتناولته واتقتنا بالید (۲)

دوپٹہ گر گیا اور اس نے قصداً نہیں گرایا اس نے دوپٹہ کو سنبھالا اور ہاتھوں سے پردہ کیا۔

ایک اور شاعر عوف نامی یہ ذکر کرکے کہ بھوک کی شدت سے عورتیں نکل آئیں اور باہر جہاں کھانا پک رہا تھا، چولہے کے پاس بیٹھ گئیں، لکھتا ہے:۔

وکانوا قعودا حولھا یرقبونھا وکانت فتاۃ الحی ممن ینیرھا

مبرزۃ لا یجعل الستر دونھا اذا اخمد النیران لاح بشیرھا (۳)

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب نے زمانہ جاہلیت میں لباس کے متعلق بہت ترقی کرلی تھی، اگرچہ یہ ترقیاں صرف امراء اور سرداران قبائل تک محدود تھیں، لیکن جن لوگوں میں تھیں پوری تہذیب و شائستگی کے ساتھ تھیں، عورتوں کے لئے لباس کے جو اقسام اس وقت ایجاد ہوچکے تھے، وہ جسم کے ہر حصہ کے لئے بخوبی پردہ پوش تھے۔

(۱) یہ اور ماقبل کے اشعار حماسہ میں موجود ہیں ج ۱ ص ۸۱ (۲) اغانی ترجمہ نابغہ ذبیانی ج ۹ ص ۱۵۷ (۳) المفضلیات، احمد شاکر ص ۱۷۷ دار المعارف قاہرہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لباسوں کا یہ تنوع زیادہ تر فرد امتیاز کی بنا پر تھا اور یہی وجہ تھی کہ عوام کا طبقہ اس سے محروم تھا، جہاں تک ہماری تحقیق ہے، عورتوں کے لباس کے متعلق دولت بنو امیہ اور عباسیہ کے عہد میں کوئی معتد بہ اضافہ نہیں ہوا یعنی زمانہ زمانہ جاہلیت میں جس قدر لباس ایجاد ہو چکے تھے، اس سے زیادہ اقسام پیدا نہیں ہو سکے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ اور ستر بدن کا خیال جاہلیت ہی میں خوب زور پکڑ چکا تھا، عورتیں مختلف وضع کے کرتے استعمال کرتی تھیں، جن کی قسمیں سات آٹھ سے کم نہ تھیں اور اسی اعتبار سے ان کے مختلف نام تھے، مثلاً درع، اتب، قرقل، صدار، مجول، شوذر، خمیل، ان میں باہم بہت خفیف فرق ہوتا تھا، ان کی وضع محرم، کرتی، فتوحی اور قمیص سے ملتی جلتی تھی، اشعار جاہلیت میں قریباً یہ سب نام ملتے ہیں، لیکن بلحاظ تطویل ہم ان اشعار کو قلم انداز کرتے ہیں، قصابہ، مقنع وغیرہ بھی استعمال کئے جاتے تھے۔

ان کپڑوں کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے پہلے ایک رومال سر پر باندھا جاتا تھا، جس سے سر کے دونوں اگلے اور پچھلے حصے چھپ جاتے تھے، لیکن بیچ کا حصہ کھلا رہتا تھا، اس کو نخنق کہتے تھے، اس کے بعد ایک اور رومال باندھتے، جس سے یہ مقصود ہوتا تھا کہ بالوں میں تیل لگا ہو تو اس میں جذب ہو کر رہ جائے اور دوپٹہ میں نہ لگنے پائے، اس کا نام عفارہ تھا، عفارہ کے اوپر مختلف طول و عرض کے دوپٹے استعمال کئے جاتے تھے، جن کے یہ نام ہیں، صدار، خمار، نصیف، مقنعہ، معجر، رداء، خمار نہایت چھوٹا ہوتا تھا، اس سے بڑا نصیف اور نصیف سے بڑا مقنعہ وھکذا، خمار وغیرہ کو اکثر اس انداز سے اوڑھتی تھیں کہ چہرہ کا اکثر حصہ چھپ جاتا تھا، اسی بنا پر شاعر کا قول ہے۔

سقط النصیف ولم ترد اسقاطه　　فتناولته واتقتنا بالید
فخر علی الالاءة لم یوسد　　وقد کان الدماء له خمار (۱)

لیکن خاص چہرہ کی حفاظت کے لئے برقع ہوتا تھا، جس کی مختلف قسمیں تھیں، جو صرف آنکھ تک کا ہوتا تھا، اس کو وصواص کہتے تھے، اس سے نیچا نقاب کہلاتا

(۱) اغانی ترجمہ نابغہ ذبیانی ج ۹ ص ۱۵۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا، نقاب سے نیچا لفام اور اس سے نیچا لثام کے نام سے موسوم تھا، لفام کی حد ہونٹوں سے متجاوز نہ تھی، سب سے بڑا نقاب جو چہرہ بلکہ سینہ کو بھی چھپاتا تھا، اس کو جنۃ کہتے تھے، نقاب کے یہ تمام اقسام جاہلیت میں پیدا ہو چکے تھے اور استعمال کئے جاتے تھے، اشعار ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اربن محاسنا وکنن اخری   وثقبن الوصاوص للعیون

یضئی لنا کالبدر تحت غمامۃ   وقد زل عن غر الثنایا لفامھا

غرض لباس کا پردہ تمام عرب میں جاری تھا اور بجز عوام اور کنیزوں کے تمام عورتیں اس کی پابند تھیں۔

بعض بعض مثالیں اس رسم کے خلاف ملتی ہیں، مگر وہ نہایت شاذ ہیں، لیکن دوسری قسم کا پردہ یعنی عورتوں کا مردوں کی سوسائیٹیوں میں شریک نہ ہوسکنا، زمانہ جاہلیت میں بالکل نہ تھا، عورتیں عموماً مجلسوں، بازاروں، لڑائیوں میں شریک ہوتی تھیں، بازار عکاظ میں جہاں شعراء طبع آزمائیاں کرتے تھے، شاعرہ عورتیں جاتی تھیں اور ان کے مستقل دربار قائم ہوتے تھے، وہ عام مجمع میں قصیدے پڑھتی تھیں اور تحسین و آفرین کے صلے حاصل کرتی تھیں۔

ایک بار خنساء جو مرثیہ کہنے میں تمام عرب میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی، عکاظ میں گئی اور نابغہ ذبیانی کے سامنے جو اس وقت استاد الشعراء تھا، اپنا قصیدہ پڑھا، نابغہ نے کہا افسوس! ابھی ایک شخص کو میں اشعر العرب کا خطاب دے چکا ہوں، ورنہ تجھ کو یہ خطاب دیتا، تاہم کہتا ہوں کہ تو عورتوں میں سب سے بڑی شاعرہ ہے، خنساء نے کہا، نہیں بلکہ میں "اشعر الرجال والنساء ہوں"۔

عام قاعدہ تھا کہ کسی گاؤں میں کسی شاعر کا گذر ہوتا تھا تو وہاں کی تمام عورتیں اس کے پاس آتی تھیں اور شعر پڑھنے کی فرمائش کرتی تھیں اور چونکہ وہ عموماً سخن فہم ہوتی تھیں، شعراء بھی بڑے ذوق سے ان کو اپنے اشعار سناتے تھے، غرض مشاعرہ، منافرہ، میلے، بازار، دنگل، میدان جنگ، کوئی ایسا مجمع اور مجلس نہ تھی، جس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں عورتیں بے تکلف شریک نہ ہوتی ہوں۔

یہ زمانہ جاہلیت کا حال تھا، اسلام کے زمانہ سے نیا دور شروع ہوا، اس عہد میں جو تغیرات اور اصلاحیں ہوئیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اسلام نے سب سے پہلی اصلاح یہ کی کہ جاہلیت میں کرتوں کے گریبان بہت چوڑے ہوتے تھے، جن سے سینے نظر آتے تھے، اس پر ذو قعدہ ۵ ھ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (نور ۲۴: ۳۱)	اور چاہیے کہ وہ اپنے ڈوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔

عینی نے بخاری کی شرح میں اس موقع پر لکھا ہے۔

وذلک لان جيوبهن كانت واسعة تبدو منها نحورهن و صدورهن وماحواليها وكن يسدلن الخمر من ورائهن فتبقى مكشوفة فامرن بان يسدلنها من قدامهن حتى يغطينها (۱)	یہ آیت اس لئے نازل ہوئی کہ ان کے گریبان چوڑے ہوتے تھے، جن سے ان کے سینے اور اس کے اطراف نظر آتے تھے اور وہ ڈوپٹوں کو پشت کی طرف ڈالتی تھیں، اس لئے سینے کھلے رہ جاتے تھے، اس لئے ان کو حکم ہوا کہ سامنے ڈالیں تاکہ سینے چھپ جائے۔

نقاب اور برقع کا طریقہ اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں، پہلے سے جاری تھا، لیکن مدینہ منورہ میں یہود کے اختلاط کی وجہ سے اس کا رواج کم ہو چلا تھا، اکثر عورتیں کھلے منہ نکلتی تھیں، اس پر یہ آیت اتری۔

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (احزاب ۳۳: ۵۹)	اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان بیویوں سے کہدو کہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں (یعنی چادروں سے اپنا منہ چھپا لیا کریں)۔

(۱) عمدۃ القاری ج ۹ صفحہ ۲۷، دار الطباعۃ العامرہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس آیت کے متعلق تین حیثیت سے بحث ہو سکتی ہے۔

۱۔ آیت کا شان نزول کیا ہے؟ ۲۔ آیت کے معنی کیا ہیں۔ ۳۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کا طریقۂ عمل کیا رہا؟۔

شان نزول کے متعلق تفسیر ابن کثیر میں جو محدثانہ تفسیر ہے، یہ تصریح ہے۔

کان ناس من فساق اهل المدینة یخرجون باللیل حین یختلط الظلام الی طریق المدینة فیعرضون للنساء و کانت مساکن اهل المدینة ضیقة فاذا کان اللیل خرج النساء الی الطرق یقضین حاجتهن فکان اولـئک الفساق یبتغون ذلک منهن فاذا راوا المرءة علیها جلباب قالوا هذه حرة فکفوا عنها واذا راوا المرءة لیس علیها جلباب قالوا هذه امة فوثبوا علیها (۱)	مدینہ میں بدمعاشوں کا ایک گروہ تھا، جو رات کی تاریکی میں نکلتا تھا اور عورتوں کو چھیڑتا تھا، مدینہ کے مکانات چھوٹے اور تنگ تھے، رات کو جب عورتیں قضائے حاجت کے لئے گھروں سے نکلتی تھیں تو یہ بدمعاش ان سے برا ارادہ کرتے تھے، جس عورت کو دیکھتے تھے کہ چادر میں چھپی ہوئی ہے، اس کو شریف زادی سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے، ورنہ کہتے تھے کہ یہ لونڈی ہے اور اس پر حملہ کرتے تھے۔

طبقات ابن سعد جو نہایت قدیم یعنی تیسری صدی کی تصنیف ہے، اس میں بھی یہی شان نزول لکھا ہے، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

کان رجل من المنافقین یتعرض لنساء المؤمنین یوذیهن فاذا قیل له قال کنت احسبها امة فامرهن الله ان یخالفن زی الاماء و یدنین علیهن من جلابیبهن	ایک منافق تھا جو مسلمان عورتوں کو چھیڑتا تھا تو جب اس سے کہا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ میں نے اس کو لونڈی سمجھا تھا، اس بنا پر خدا نے حکم دیا کہ لونڈیوں کی وضع نہ بنائیں اور اپنے اوپر چادریں ڈال لیں، اس طرح کہ بجز

(۱) فتح البیان حاشیہ ابن کثیر تفسیر سورہ احزاب ج ۸ ص ۱۲۳ مطبوعہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تخمر وجهها الا احدی عینها (۱)	ایک آنکھ کے باقی سب چہرہ چھپ جائے۔

تفسیر کشاف میں ہے :-

فامرن ان یخالفن بزیهن عن زی الامـاء بلبس الاردیة و الملاحف و ستر الرؤس و الـوجـوه (۲)	اس لئے ان کو حکم ہوا کی لونڈیوں کی وضع سے الگ وضع اختیار کریں، یعنی چادریں اور برقع استعمال کریں اور سر اور چہرہ چھپائیں۔

ان تصریحات میں ایک خاص امر یاد رکھنا چاہئے، وہ یہ کہ ابن کثیر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بیوں اور لونڈیوں کے لباس اور وضع میں فرق تھا اور وہ یہ تھا کہ بی بیاں چادروں سے چہرہ چھپاتی تھیں اور لونڈیاں کھلے منہ نکلتی تھیں۔

اشعار جاہلیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، چنانچہ شاعر کہتا ہے :-

ونسوتکم فی الروع باد وجوهها	یخلن اماء او الاماء حرایر (۳)
تمہاری عورتوں کے چہرے لڑائی میں کھل گئے تھے	اسلئے وہ لونڈیاں معلوم ہوتی تھیں حالانکہ وہ لونڈیاں نہ تھیں۔

ابن کثیر کی عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانہ میں بھی یہ فرق قائم تھا اور اسی وجہ سے جب کوئی بی بی کھلے منہ نکلتی تھی تو بدمعاشوں کو ان کے چھیڑنے کے لئے یہ عذر ہاتھ آتا تھا کہ ہم نے ان کو لونڈی سمجھا تھا۔

آیت کے معنی کے متعلق دو لفظ بحث طلب ہیں، جلباب اور ادناء،

جلباب کے معنی میں اگرچہ متاخرین نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، لیکن محقق یہ ہے کہ جلباب ایک قسم کا برقع یا چادر تھی، جو تمام کپڑوں سے زیادہ وسیع ہوتی تھی اور اس لئے سب کے اوپر استعمال کی جاتی تھی، جس طرح آج کل ترکی خاتونیں فراجہ استعمال کرتی ہیں، تفسیر عماد ابن کثیر میں ہے۔

(۱) طبقات ابن سعد ذکر ما کان قبل الحجاب ج ۸ ص ۱۲۶ مطبعہ بریل ۱۳۲۱ھ

(۲) تفسیر کشاف، تفسیر سورۃ الاحزاب ج ۲ ص ۱۱۴۴ (۳) حماسہ ج ۱ ص ۸۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و الجلباب ـــ هو الرداء فوق الخمار قاله ابن مسعود و عبيدة و الحسن البصري و سعيد بن جبير و ابراهيم النخعي و عطاء الخراساني و غير واحد (۱)	جلباب چادر کو کہتے ہیں جو خمار کے اوپر استعمال کی جاتی ہے۔ عبداللہ بن مسعود، عبیدہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، عطاء خراسانی وغیرہ نے جلباب کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

دوسرا لفظ جو بحث طلب ہے، وہ ادناء ہے، ادناء جلباب کے معنی تمام مستند مفسرین نے جو فن لغت کے بھی امام ہیں، منہ چھپانے کے لکھے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور تمام صحابہ میں فن تفسیر کے اعتبار سے ممتاز ہیں، ان کا قول تفسیر ابن کثیر میں علی ابن طلحہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ۔

امر الله نساء المومنين اذا خرجن من بيوتهن في حاجة ان يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلباب و يبدين عينا واحدة (۲)	خدا نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ جب گھر سے کسی کام کو نکلیں تو سر سے چادر اوڑھ کر چہروں کو چھپالیں اور ایک آنکھ کھلی رکھیں۔

تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے :۔

قال ابن عباس و ابو عبيدة امر نساء المؤمنين ان يغطين رؤسهن و وجوههن بالجلابيب الا عينا واحدة (۳)	ابن عباسؓ اور عبیدۃؓ کا قول ہے کہ خدا نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ چادر سے اپنا سر اور چہرہ چھپالیں بجز ایک آنکھ کے۔

طبقات ابن سعد میں ہے۔

محمد بن عمر عن ابي سبره عن ابي صخر عن ابن كعب القرظي قال	محمد بن عمر نے ابو سبرہ سے انھوں نے ابو صخر سے، انھوں نے ابن کعب قرظی سے روایت

(۱) حاشیہ فتح البیان ج ۸ ص ۳۴۴ (۲) ایضاً (۳) معالم التنزیل تفسیر سورہ احزاب ص ۲۴، مطبعہ ہند

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کان رجل من المنافقین یتعرض لنساء المومنین یوذیھن فاذاقیل لہ قال کنت احسبھا امۃ فامرن اللّٰہ ان یخالفن زی الامام ویدنین علیھن من جلابیبھن تخمر وجھھا الا احدی عینیھا (۱)	کی ہے کہ مدینہ میں ایک منافق تھا جو مسلمان خاتونوں کو چھیڑا کرتا تھا اور جب اس کو ٹوکا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ میں نے لونڈی سمجھا تھا تو خدا نے حکم دیا کہ لونڈیوں کی وضع ترک کریں اور اپنے اوپر اس طرح سے چادر ڈال لیں کہ چہرہ چھپ جائے۔ بجز ایک آنکھ کے۔

تفسیر کشاف میں ادناء جلباب کی یہ تفسیر کی ہے۔

یرخینھا علیھن ویغطین بھا وجوھھن (۲)	چادر کو اپنے اوپر ڈال لیں اور چہرہ کو چھپا لیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابوعبیدہ، ابن کعب قرظی، بغوی ابن کثیر اور زمخشری اس درجہ کے لوگ ہیں کہ ان کے مقابلہ میں اگر کسی مخالف کا قول ہوتا بھی تو اس کی کیا وقعت ہو سکتی، لیکن جہاں تک ہم کو معلوم ہے شاذ و نادر کے سوا تمام اہل لغت اور مفسرین نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

اس صورت میں صرف شاہ ولی اللہ صاحب کے مبہم ترجمہ سے ایسے معرکۃ الآراء مسئلہ میں استدلال کرنا کس قدر تعجب انگیز ہے۔

پردہ کے متعلق تمام دنیا میں مسلمانوں کا جو طریق عمل رہا، وہ یہ تھا کہ کبھی کسی زمانہ میں عورتیں بغیر برقع اور نقاب کے باہر نہیں نکلتی تھیں اور بجز کسی خاص حالت کے نامحرموں سے ہمیشہ منہ چھپاتی تھیں، یہاں تک کہ یہ امر معاشرت کا سب سے بڑا مقدم مسئلہ بن گیا تھا۔

تصدیق اس کی واقعات ذیل سے ہوگی۔

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں فلاں عورت سے شادی کرنی چاہتا ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ پہلے جا کر

(۱) طبقات ابن سعد ذکر ما کان قبل الحجاب ج ۸ ص ۱۲۶ (۲) تفسیر کشاف ج ۲ ص ۱۱۴۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو دیکھ آؤ، انھوں نے جاکر اس عورت کے والدین سے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، صحابہؓ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کرتے تھے، محتاج بیان نہیں، تاہم والدین کو ناگوار ہوا کہ لڑکی ان کے سامنے آئے اور یہ اس پر نظر ڈال سکیں، لڑکی پردہ میں سے یہ باتیں سن رہی تھی، بولی کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے تو تم مجھ کو آکر دیکھ لو، ورنہ میں تم کو خدا کی قسم دلاتی ہوں کہ ایسا نہ کرنا، یہ واقعہ سنن ابن ماجہ باب النکاح میں مذکور ہے۔ (۱)

محمد بن سلمہؓ ایک صحابی تھے انھوں نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی اور اس لئے چاہا کہ چوری چھپے کسی طرح عورت کو دیکھ لیں، لیکن موقع نہیں ملتا تھا، یہاں تک کہ ایک دن وہ عورت اپنے باغ میں گئی، انھوں نے موقع پاکر اس کو دیکھ لیا، لوگوں کو معلوم ہوا تو نہایت تعجب سے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ صحابی ہوکر ایسا کام کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ پہلے اس کو دیکھ لیا جائے۔ (۲)

صاحب اغانی نے اخطل کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ اخطل، سعید ابن ایاس کا مہمان ہوا، سعید نے بڑے تپاک سے مہمان داری کی، یہاں تک کہ اس کی دونوں لڑکیاں جن کا نام زعوم و امامہ تھا، اخطل کی خدمت گذاری میں مصروف رہیں، دوسری دفعہ جب اخطل کو یہ موقع پیش آیا تو یہ لڑکیاں جوان ہوچکی تھیں، ان لئے اخطل کے سامنے نہ آئیں، اغانی کے خاص الفاظ یہ ہیں:۔

ثم نزل علیہ ثانیۃ وقد کبرتا	اخطل دوبارہ سعید کا مہمان ہوا تو لڑکیاں بڑی
فحجبتا عنہ فسال عنھما	ہوچکی تھیں، اس لئے انھوں نے پردہ کیا،
وقال فاین ابنتای فاخبر	اخطل نے پوچھا کہ تیری لڑکیاں کہاں ہیں،
بکبرھما (۱)	سعید نے کہا، اب وہ بالغ ہوگئی ہیں۔

(۱) سنن ابن ماجہ باب النظر الی المرءۃ اذا اراد ان یتزوجھا ص ۱۳۵ اصح المطابع پٹنہ (۲) ایضاً (۳) اغانی ج ، ص ۱۷۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پردہ کا اس قدر عام رواج ہوگیا تھا کہ جب کبھی کوئی واقعہ اس کے خلاف پیش آیا ہے تو مؤرخین اور واقعہ نگاروں نے ایک مستثنیٰ واقعہ کی طرح اس کا ذکر کیا ہے، ابن بطوطہ نے سفرنامہ میں جہاں ترکوں کا ذکر کیا ہے، ایک عورت کا ذکر کر کے لکھتا ہے :۔

وھی بادیۃ الوجہ لان نساء الاتراک لا یحتجبن (۱)	اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا، کیونکہ ترکی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔
وکان اھل البدو اذ ذاک یتحدث رجالھم الی النساء لا یرون بذالک باسا (۲)	اس زمانہ میں صحرانشیں عربوں میں مرد عورتوں صحبتوں میں شریک ہوتے تھے اور ان سے چیت کرتے تھے اور اس کو معیوب نہیں خیال کرتے تھے۔

اسی کتاب میں جمیل کے تذکرہ میں جو ایک بدوی شاعر تھا، لکھا ہے :۔

ان جمیل بن معمر خرج فی یوم عید و النساء اذ ذاک یتزین و یبدو بعضھن بعض و یبدون للرجال فی کل عید (۳)	جمیل بن معمر ایک دفعہ عید کے دن نکلا، اس زمانہ میں عید کے دن، عورتیں آراستہ ہوکر، ایک دوسرے سے ملتی تھیں اور مردوں کے سامنے آتی تھیں۔

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کا پردہ کرنا اور منہ چھپانا، مسلمانوں کی عام معاشرت تھی، اس کے خلاف کوئی واقعہ ہے تو وہ خاص کسی قوم یا کسی خاص زمانہ سے تعلق رکھتا ہے اور کتابوں میں بطور ایک مستثنیٰ واقعہ کے ذکر کیا جاتا ہے۔

اس موقع پر ہم دوبارہ اپنے قومی نامور مصنف (مولوی امیر علی) کے ان الفاظ پر توجہ دلاتے ہیں کہ :۔

"خلفاء کے زمانہ تک اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے مردوں کے سامنے آتی تھیں"۔

ذلک مبلغھم من العلم

(۱) رحلہ ابن بطوطہ ص ۳۰۰ دار صادر بیروت ۱۹۶۴ء (۲) اغانی ج ۷، ص ۱۰۵ (۳) ایضاً ص ۶۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجمع پر ایک کیفیت طاری تھی اور جو زیادہ تر میری ہی مدح میں تھے۔ ان سب کے بیچ میں میں اس سلطان ذی اقتدار کے مانند تھا، جس کے رکاب بوسوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہو کہ ان آداب خدمت کے بجا لانے میں دوسرے سے آگے نکل جائے۔ جس نے مشرقی قوموں کو ان معاملات میں اخلاقی تنزل سے تھام رکھا ہے۔ میں ان اشعار کو کان لگا کر گھنٹوں تک سنتا رہا اور بعض اشعار میں نے یاد بھی کر لئے۔ یہ تمام اشعار مسلسل رجز تھے۔ جن کے معنی منفرداً سمجھ میں نہیں آتے تھے، کچھ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون مادح ہے۔ کون ممدوح، کون مخاطب ہے کون متکلم۔ غرض ہم یورپین لوگوں کو ان کا سمجھنا بالکل دشوار تھا۔

اس وقت میری عمر ۲۵ / برس کی تھی، جاڑوں کا زمانہ اور نہایت خوشگوار دن تھا، جس کی گرمی سے بدن میں نشاط پیدا ہوتا تھا اور روشنی نہایت تیز تھی، خوشبو راہ گیروں کو بدمست کئے دیتی تھی اور سونگھنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ لذائذ زندگی کے انتہائی درجہ سے متمتع ہو رہا ہے۔ اس حالت میں مجھ پر ایک اور احساس طاری تھا، یعنی اس معشوق کا تصور جس کا نام ان سواروں کی زبانوں پر صبح و شام جاری رہتا تھا۔

ہم اسی حالت میں چلے جا رہے تھے کہ ہمارا شاعر دفعۃً چپ ہو گیا اور ذرا سخت آواز سے (میری طرف مخاطب ہو کر) بولا کہ جناب! اب نماز عصر کا وقت آ گیا۔ اس آواز کے ساتھ تمام سوار گھوڑوں سے اتر پڑے اور صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں میں جماعت کی نماز کو تنہا نماز پر شرف حاصل ہے۔ جیسا کہ ہم عیسائیوں میں بھی ہے۔ میں جماعت سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور دل میں کہتا تھا کہ زمین پھٹ جاتی تو میں سما جاتا۔ ان جوانوں کے شملے، نماز کی مختلف حرکتوں سے کبھی پیچ کھاتے اور کبھی کھل جاتے تھے۔ وہ نہایت بلند آواز سے بار بار اللہ اکبر کہتے تھے اور یہ پر جلال آواز میرے دل میں وہ اثر کرتی تھی کہ موحدین اور متکلمین کی تحریروں نے کبھی نہیں کیا تھا۔ میرے دل پر شرم اور انفعال کا وہ اثر تھا، جس کے ادا کرنے کے لئے مجھ کو کوئی لفظ نہیں ملتا۔ یہ گروہ جو ابھی میرے سامنے گردن جھکا رہا تھا، صاف محسوس کرنے لگا کہ نماز نے ان کو دفعۃً مجھ سے بہت زیادہ معزز اور بلند مرتبہ کر دیا ہے اور اگر اس وقت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اپنے دل کے کہنے پر چلتا تو بے ساختہ چلا اٹھتا کہ "میں بھی خدا کا معترف ہوں، مجھ کو بھی نماز کا ادا کرنا آتا ہے"۔

حقیقت میں وہ عجیب دلفریب سماں تھا، وہ اپنے معمولی لباس کے ساتھ کس باقاعدگی سے نماز ادا کررہے تھے اور ان کے پہلو میں گھوڑے اس طرح چپ چاپ کھڑے تھے کہ گویا نماز کے ادب نے ان کو سرنگوں کردیا ہے۔ گھوڑوں کا یہ درجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمال محبت کی وجہ سے جبریل کی ہدایت کے موافق، ان کے منہ کو اپنی ردا سے پوچھتے تھے۔

ان وسیع میدان میں صرف ایک میں تھا جو تنگ فوجی لباس میں تھا، جو انسان کو شکنجہ میں کس دیتا ہے اور جس سے کسی قسم کی شان کا اظہار نہیں ہوتا: میری حالت سے بے دینی ٹپک رہی تھی، حالانکہ میں اس وقت ایسے مقام میں تھا، جو مذہب کا مولد و منشاء ہے، اس عبادت گذار گروہ کے آگے جو اپنے خدا کے آگے بار بار نہایت خشوع سے نماز کے فرائض اس دل سے بجا لارہا تھا جو سچائی اور ایمان سے لبریز تھا، میں بالکل ایک جماد یا کتا معلوم ہوتا تھا، اس حالت میں مجھ کو توراۃ کی وہ آیت یاد آئی کہ خدا سام کے خیمہ میں سکونت کرے گا اور یافث کی اولاد کو ترقی دے گا، یہ دونوں گروہ اس وقت یکجا تھے، یعنی وہ نماز گذار جو سام کی اولاد سے تھے اور جو اپنے مذہب اور اس خدا پر نثار تھے، جو ابراہیم کے خیمہ میں داخل ہوا تھا اور میں یافث کی اولاد ہوں اور جس کا شہرہ صرف فتوحات اور لڑائیوں پر موقوف ہے۔

غرض جب منزل ختم ہوگئی اور میں فرود گاہ پر واپس آیا تو جو خیالات میرے دل میں آئے تھے ان کو قلمبند کرنے لگا، اس وقت میں محسوس کررہا تھا کہ مجھ کو اسلام کی حلاوت اپنی طرف کھینچ رہی ہے، گویا میں نے اس سے پہلے کبھی کسی صحرا میں کسی قوم کو عبادت بجالاتے دیکھا ہی نہیں تھا، مجھ کو اس وقت عیسائیوں کے خیمے یاد آگئے جہاں صرف عورتوں کی پرستش کی جاتی ہے اور اس خیال سے مجھ کو یورپ کی بددینی پر غصہ آگیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ میری عمر کا وہ زمانہ تھا، جب عقل، مشکلات کا حل کرنا نہایت آسان سمجھتی ہے اور جب انسان تمام چیزوں کو سطحی نگاہ سے دیکھتا ہے، جب کہ محض خیال، نکتہ چینی اور تحقیق کا منصب حاصل کرتا ہے اور جب کہ انسان کے اعتقادات بے قید ہو جاتے ہیں، یہ وہ عمر ہے کہ اگر اس عمر کے آدمی انصاف سے کام لیتے تو تصنیف و تالیف کو ہاتھ تک نہ لگاتے، میرا خیال تھا کہ مذہب کی شان، مذہب کی سچائی کی خود ایک بہت بڑی دلیل ہے، میں اسلام کے متعلق کچھ لکھنے لگا اور مجھ کو کچھ خبر نہ تھی کہ قلم اس وقت بالکل دل کے قابو میں ہے۔

کتاب کے شائع کرنے سے پہلے مجھ کو یہ بتانا ضرور ہے کہ مجھ کو اسلام کے متعلق کچھ لکھنے کا کیا خاص حق حاصل ہے، میں نے مدت تک اہل عرب کے ساتھ زندگی بسر کی ہے اور مشرقیوں کے مزاج اور طبیعت کے دریافت کرنے میں اکثر مصروف رہا ہوں، میرا طریقہ وہی ہے، جو الجزائر کے مستعربوں کا ہے اور اسی بنا پر میں سب سے پہلے معزز مستشرقوں سے بہ ادب و نیاز یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو ان لوگوں کی فہرست میں نہ داخل کریں جن کا یہ حال ہے کہ وہ عرب کا رخ کرتے ہیں اور چند روز کیا سیاحت میں ادھر اُدھر کی گپیں سن کر اسلام کے متعلق لکھنے بیٹھ جاتے ہیں، اس لئے ان کی تحریر محض شاعرانہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ مانیٹو لوازون بھی اس قسم کی لغزش سے نہ بچ سکا، اس کا قلم سبک سر ہو کر تخیلات کی کشش میں آ گیا، اس کو مشرق کی ہر چیز بھلی معلوم ہوتی تھی، اس کی رائیں اسلام کے متعلق ایک فسانہ گو کی رائیں ہیں، نہ کہ حکیمانہ اور محققانہ ہیں، میں اس کی طرح خواہ مخواہ اسلام کی شان بڑھانا نہیں چاہتا، لیکن چونکہ میں دیکھتا کہ موجودہ زمانہ میں یہ ایک بڑا مہتم بالشان مسئلہ بن گیا ہے، یہاں تک کہ خاص ان مباحث کے لئے پیرس میں ایک علمی میگزین جاری ہوا، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ صلیب پرست عیسائی مسجد بنانے کی غرض سے مسلمانوں کو مالی امداد دے رہے ہیں، اس بنا پر میں نے اس موقع کو اس بات کے لئے غنیمت جانا کہ ہم لوگوں کے دماغ میں پیغمبر عرب اور مذہب اسلام کے متعلق جو غلط خیالات جم گئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، ان سے لوگوں کو متنبہ کروں۔

یہ ایک نہایت مشکل کام ہے کیوں کہ یہ مسلّم ہے کہ لا یرسخ فی الاعتقاد اکثر من خطاء الاعتقاد، میرا یہی خیال ہے کہ عیسائیوں کی شائستہ قوموں کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ وہ اپنی مسلمان رعایا کے مذہب کی عزت کریں بلکہ ان کا یہ بھی فرض ہے کہ اس مذہب کی حقیقت سے بخوبی واقف ہوں، ہم کو ان قصوں کے سننے سے ہنسی آتی ہے، جن میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے کس قدر عناد رکھتے ہیں، اس وقت ہم کہتے ہیں کہ مسلمان متعصب اور جاہل قوم ہیں اور اس عناد پروری میں ان کو معذور سمجھنا چاہیے، لیکن اسی طرح عیسائی بھی مسلمانوں سے نفرت رکھتے ہیں اور انصاف سے کام نہیں لیتے۔

مذہب اسلام کے متعلق سب سے زیادہ غلط اوہام جو ہم لوگوں میں پھیل گئے ہیں، وہ خاص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی نسبت ہیں، اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ سب سے پہلے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کی اخلاقی حالت کے متعلق بحث کروں، مجھ کو امید ہے کہ یہی بحث ان کی سچائی اور دیانت داری کی ایک عمدہ دلیل ثابت ہوگی، جس پر قریباً تمام مذاہب کے مورخین اور بڑے پکے عیسائی متفق اللفظ ہیں۔

* * * * * *

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی فصل

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی

تلمسان کے ایک طالب العلم سے میں مذہبی مباحثات کیا کرتا تھا، وہ جب مناظرہ سے گریز کرنا چاہتا تھا تو کہتا تھا کہ عیسائی تو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کی اولاد ہے اور محمدؐ جادوگر تھے، اس کے یہ الفاظ حقارت سے لبریز ہوتے تھے، جس طرح کسی بت پرست سے اس کی حالت پر ترس کھا کر خطاب کیا جائے، حالانکہ یہ طالب العلم میرا بہت ادب کرتا تھا اور مجھ سے بہت دوستانہ تعلقات رکھتا تھا، اس کا خیال تھا کہ جس طرح محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساحر ہونا، افترائے محض ہے، اسی طرح تثلیث کا اعتقاد بھی محض تہمت ہے اور یہ کہ ایسی قوم سے جو اس قسم کی لغو باتوں کے قائل ہوں گفتگو کرنا بھی عبث ہے۔

لیکن اگر مسلمانوں کو وہ قصے معلوم ہوں جو عیسائیوں میں قرون وسطی کے زمانہ میں مشہور تھے اور ان گیتوں سے اطلاع ہو جو عیسائیوں میں گائے جاتے تھے تو معلوم نہیں مسلمانوں کو کس قدر حیرت ہوگی، بارہویں صدی عیسوی کے قبل تک جس قدر گیت ہم لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے گویا سب ایک دماغ کے نتیجے تھے، یہی گیت ہیں جن کی بدولت کروسیڈ کی لڑائیاں برپا ہوئیں، ان سب کا موضوع مسلمانوں سے سخت تنفر پیدا کرنا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے مذہب سے لوگ بالکل جاہل تھے، انھیں گیتوں نے ان بے ہودہ روایتوں کو دلوں میں راسخ کردیا اور انھیں کی بدولت یہ غلط فہمیاں قائم ہوگئیں، جن میں سے اکثر آج بھی قائم ہیں۔

ان گیتوں کے گانے والے عموماً یقین رکھتے تھے کہ مسلمان مشرک اور بت پرست ہیں اور وہ تین خدا کے قائل ہیں، جن کے درجے مختلف ہیں، ایک کا نام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماہوم یا ماہون یا بافومید یا ماہومید ہے، دوسرا ابلین، تیسرا ترفاجان، ان لوگوں کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین میں اپنے آپ کو بھی خدا قرار دیا تھا، لطف یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جو درحقیقت بت کے دشمن اور بتوں کے برباد کرنے والے تھے) نے اپنی صورت کا ایک زرین بت بنایا تھا اور لوگوں سے اس کی پوجا کراتے تھے، جیسا کہ لرلو قنجیون کا اعتقاد تھا، یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب عیسائیوں نے مسلمانوں پر فتح پائی اور ان کو سرقوسطہ کی دیوار تک ہٹا لے گئے تو مسلمانوں نے جاکر اپنے تمام بت جن کو وہ پوجتے تھے، توڑ ڈالے، چنانچہ عہد وسطی کے ایک منشد کا بیان ہے کہ مسلمانوں کا خدا ابلین ایک غار میں تھا، مسلمانوں نے اس پر پتھر برسائے اور خوب دل کھول کر اس کو گالیاں دیں، پھر سولی پر چڑھایا اور خوب پامال کیا اور مارے ڈنڈوں کے اس کے ریزے ریزے کر دئے۔

ماہومد کو جو دوسرا خدا تھا، ایک گڑھے میں پھینک دیا، یہاں تک کہ سوّر اور کتّے اس کو نوچتے اور روندتے تھے، اس طرح کی اہانت کبھی کسی خدا کی نہیں ہوئی تھی، لیکن مسلمانوں نے پھر توبہ کی اور اپنے خداؤں سے معافی چاہی اور ان کی مرمت و اصلاح کی، اسی بناپر امپرر کارلوس جب سرقوسطہ میں داخل ہوا تو اس نے حکم دیا کہ یہ سارے بت برباد کردئے جائیں، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے کہ امپرر نے فرنچ کو حکم دیا کہ وہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں پھرے اور مسجدوں اور جامع مسجدوں میں گھس کر آہنین گرزوں سے ماہومد اور اور تمام بتوں کو توڑ ڈالے، ریشار نے بھی اپنے اشعار میں یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ اشعار فی نفسہ بہت اچھے ہیں، لیکن سرتاپا تہمت اور افتراء ہیں، ان میں خدا سے یہ دعا مانگی ہے کہ ماہوم کی پرستش کرنے والے برباد ہو جائیں، پھر شرفائے ملک کو جنگ مقدس کی ترغیب دی ہے اور ان کو ان الفاظ میں نصیحت کی ہے، "اٹھو اور ماہومید، ترفاجان کو برباد کردو، ان کو آگ میں ڈال دو اور خدا کے آگے ۲۰ قربانی پیش کرو، ان شعراء کا خیال تھا کہ ماہوم کا بت نہایت اعلیٰ درجہ کی کاری گری کے ساتھ قیمتی پتھروں اور جواہرات سے بنایا جاتا تھا، چنانچہ اگر کوئی شخص

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رولان کے اشعار پڑھے تو عجب نہیں کہ قسم کھانے پر تیار ہو جائے کہ شاعر چشم دید واقعات بیان کر رہا ہے ان اشعار میں بیان کیا ہے کہ یہ بت خالص سونے چاندی کے تھے اور اگر تم ان کو دیکھتے تو تم کو یقین آ جاتا کہ ان سے بڑھ کر خوبصورت، شاندار، لطیف الصنعۃ، پر رعب ہونا عقل میں نہیں آ سکتا، ماہوم بالکل خالص چاندی اور سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں، وہ ایک ہاتھی پر دھرا ہوا تھا، جس کا ہودج اعلیٰ سے اعلیٰ کاریگری کا بنا ہوا تھا، وہ اندر سے خالی تھا اور اس وجہ سے اس کی چمک پھوٹ کر نکلتی تھی، اس میں نہایت قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے اور اس کا اندر کا حصہ چمک کی وجہ سے باہر سے نظر آتا تھا، یہ ایک ایسی کاریگری تھی جو بالکل بے نظیر تھی، چونکہ دیوتاؤں کا قاعدہ ہے کہ مشکل کے وقت وحی بھیجتے ہیں، اس لئے جب مسلمانوں نے ایک معرکہ میں شکست کھائی تو ان کے سردار نے مکہ میں مدد مانگنے کے لئے قاصد بھیجا، اس وقت ان کا دیوتا ماہومد بڑی شان و شوکت سے دمامہ و نقارہ کے ساتھ آیا، جس کی گونج دور دور تک جاتی تھی، بعض بانسری بجاتے آتے تھے اور بعضوں کے ہاتھ میں چاندی کی جھانجھ تھی اور یہ سب کے سب ماہومد کے گرداگرد ناچتے اور بڑے زور سے گاتے آتے تھے، اس ساز و سامان کے ساتھ فرود گاہ میں پہنچے، جہاں خلیفہ اسلام ان کا انتظار کر رہا تھا، جب خلیفہ نے ماہومد کو دیکھا تو نہایت خضوع اور ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور بندگی بجا لایا۔

اس کے بعد ریشار نے بیان کیا ہے کہ یہ بت پرست کیوں کر اس مجوف بت سے جس کے اندر کی چیزیں باہر سے نظر آتی تھیں، دعائیں مانگتے تھے، ریشار کا بیان ہے کہ اس بت کے اندر جادوگروں نے ایک عفریت کو بند کیا تھا، وہ اچھلتا کودتا تھا اور پھر اس نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر باتیں کیں۔

عیسائی شعراء اس (فرضی) بت سے نہایت عداوت رکھتے تھے، چنانچہ جس طرح صلیب عیسائیوں کی مذہبی علامت ہے، ان لوگوں نے اس بت کو مسلمانوں کی علامت قرار دیا، چنانچہ بودوان نے یونیتو کے متعلق جو نظم لکھی ہے اس میں لکھا ہے کہ "جب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونیتو نے سلطان صلاح الدین کے سامنے اسلام قبول کرنا چاہا تو کہا کہ اگر محمدؐ کا بت میرے سامنے لایا جائے تو میں اس کی عبادت بجا لاؤں، چنانچہ جب وہ لایا گیا تو یونیتو سجدہ میں گر پڑا"۔

ایک اور نظم سے جو اسی نظم کا تتمہ ہے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دو خدا اور بھی ہیں، باراتون اور جوبین، اتنا فرق ہے کہ وہ پہلے تین خدا بہ طور سردار کے ہیں، اس نظم میں بیان ہے کہ جب عیسائی سردار نے مسلمانوں کی فوج کو جو مکہ سے چلی تھی، شکست دی تو مسلمان نہایت بدحواس ہوئے، وہ چیختے چلاتے شور مچاتے دوڑتے پھرتے تھے اور نہایت زور سے پکارتے تھے کہ دہائی ترفان کی دہائی ماہوم کی۔

مع ہذا، ایک اور نظم جو اسی زمانہ کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہودا کسی بت کا نام نہ تھا، یہ نظم بشپ الگزنڈر دوین کی ہے، جو اس نے ۱۲۵۸ء میں لکھی تھی، یہ نظم ایک مسلمان کے خیالات سے ماخوذ ہے، جو عیسائی ہوگیا تھا، تمام لوگ اس نظم کو بالکل سچا اور صحیح تاریخی واقعہ خیال کرتے تھے، اس کا مضمون یہ ہے "یہ امر طے شدہ ہے کہ ..... (۱) کو فریب، خیانت، دھوکا دینا خوب آتا ہے" (نعوذ باللہ) اس کے بعد شاعر نے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک ایسے سردار سے تشبیہ دی ہے، جس کے گرد اس کے پیرو جمع ہیں اور وہ اپنے مذہب کو سادہ طریقہ سے تعلیم کر رہا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر اس سے زیادہ اعتقاد ہوگیا کہ جتنا کہ روما کے امام پر ہوا تھا"۔

ان بے ہودہ اقوال کے نقل کرنے میں میں نے زیادہ تطویل کی جس کی وجہ یہ ہے کہ الگزنڈر مذکور کی تاریخ نے ان بے ہودہ روایتوں کو معدوم نہیں کیا بلکہ ان کا اثر دلوں میں اب بھی موجود ہے اور اسی وجہ سے پیغمبر اسلام اور قرآن کے متعلق آج بھی لوگوں کی نہایت مختلف رائیں ہیں، اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ یہ شعراء، ان قصوں کو

(۱) جہاں جہاں اس طرح کے نقطے دیئے گئے ہیں وہاں نہایت بے ہودہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تھے، اس لئے میں ان کو نقل نہ کر سکا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا در حقیقت سچ سمجھتے تھے تو میں نارمنڈ والوں کی طرح جواب میں ہاں بھی کہوں گا اور نہیں بھی، کیونکہ یہ قطعی ہے کہ چونکہ مسلمان اور عیسائی باہم ملتے جلتے رہتے تھے، اس لئے مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف ہونا مشکل نہ تھا، لیکن وہ در حقیقت یہ چاہتے ہی نہ تھے کہ اپنے اشعار میں تاریخی سچے واقعات بیان کریں، ان کا مقصد صرف عیسائیوں میں بغض اور نفرت کی روح کا پھونکنا تھا، اس لئے ان کو ضرورت تھی کہ مسلمانوں اور ان کے پیغمبر اور ان کے مذہب کے ایسے اوصاف بیان کریں، جو ان لوگوں کے مذاق اور معلومات کے موافق ہوں، جن کے سامنے یہ اشعار پڑھے جاتے تھے۔

ان شعراء سے قطع نظر کر کے جب ہم زمانہ مابعد کی ان متکلمین کی تصنیفات پڑھتے ہیں، جن کی رائیں اعتدال کی طرف مائل ہوتی ہیں تو یہ تصنیفات بھی خرافات اور سب و شتم سے مملو نظر آتی ہیں، طرہ یہ کہ گروہ مصلح یعنی پروٹسٹنٹ کا تعصب اور زیادہ بڑھا ہوا ہے، چنانچہ بیلنڈر نے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) .... سے تشبیہ دی ہے اور قرآن و شریعت اسلام کو بھی انھیں لفظوں سے یاد کیا ہے، ہم کو اس دعوے پر دلیل لانے کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف یہ کہنا کافی ہے کہ ناظرین کو اپنی توجہ ریلان کی کتاب کے دیباچہ کی طرف مبذول کرنی چاہئے، یہ کتاب ۱۷۲۱ء میں چھپی ہے اور اس کا موضوع یہ ہے "مذہب اسلام کے متعلق لوگوں کو کیوں بہت کم واقفیت ہے"۔

مصنف مذکور کہتا ہے کہ ارباب بحث کو اگر یہ مقصود ہو کہ کسی مذہب یا طریقہ پر ذلت و عار کا داغ لگائیں تو ان کو صرف یہ کہنا چاہئے کہ وہ مذہب، محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب ہے، بشپ دون مار تینو انفانسو قیتیا لدو نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام "کلیسائے مقدس و رزیں کا چراغ" ہے، اس کتاب میں وہ لکھتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب کو پڑھنا نہیں چاہئے، بلکہ انسان کا یہ فرض ہے کہ اس کے ساتھ استہزاء کرے اور آگ میں جلا دے، اس کو محفوظ رکھنا جانوروں کا کام ہے"، بعضوں کی یہ رائے ہے کہ جلانا نہیں چاہئے، لیکن ایسے لغو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزخرفات کے یاد کرنے میں انسان کو اپنا وقت صرف نہ کرنا چاہیے جو ایک ۔۔۔۔۔۔ آدمی کے خیالات ہیں۔

یہ رائیں تو قرآن مجید اور بانی اسلام کے متعلق ہیں ۔ باقی مسلمان تو ان کو ان تصنیفات میں ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے ۔ پلید ۔ سست ۔ گدھے ۔ خر صحرائی ۔ قابلِ نفرت وہ لوگ جن کا یہ کام ہے کہ رات کو اپنا گھر عورتوں سے بھر لیتے ہیں اور صبح کو ان کو طلاق دے دیتے ہیں " اور اگر تم کو گالیوں کا خزانہ دیکھنا ہو تو ایک عیسائی کی کتاب دیکھو جس کا نام بردشار ہے ۔ اس کتاب کا نام رہنمائے سفر ہے ۔ مصنف نے یہ کتاب امیر فلپ ردقالو کی خدمت میں ۱۳۳۲ء میں پیش کی تھی ۔ اس میں اس نے بیان کیا ہے کہ کروسیڈ کی لڑائیاں کن اسباب سے ظہور میں آئیں ۔ چنانچہ کہتا ہے کہ کون ہے ، جو یہ دیکھ کر آنسو نہ بہائے گا کہ جو زمین ہماری میراث نہیں ۔ ان پر اس قوم نے قبضہ کرلیا ہے ، جن کے نہ خدا ہے ، نہ مذہب ، نہ شریعت ، نہ اقرار ، نہ رحم ، یہ لوگ دنی اور کمینہ ہیں اور سچائی اور صفائی ، نیکی اور عدل کے دشمن ہیں ، خدا کے منکر ہیں ، عیسائیوں پر جبر کرتے ہیں ، نہایت کثرت سے شادیاں کرتے ہیں ، لڑکوں سے بدکاری کرتے ہیں ، بے زبان جانوروں پر ظلم کرتے ہیں ، فطرت انسانی کے مخالف ہیں ، فضائل کے قاتل ہیں ۔ اخلاق کے مار ڈالنے والے ہیں ، گناہوں اور برائیوں مستغرق ہیں ، شیطان کے دوست ہیں ، کمینہ باتوں کے حامی ہیں ، کینہ ور ہیں ، پست خیال ہیں ۔ ان کے افعال متبذل ، زندگی پست ، باتیں فحش ، ، معاشرت حقیر اور جانورانہ ہے ۔ ان کے ارادے اور حوصلے جب مائل ہوتے ہیں تو صرف حیوانانہ خواہشوں کی طرف مائل ہوتے ہیں ، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہم لوگوں کو ان مقامات سے نکال دیا اور چھوٹی سی جگہ میں بھی جہاں ہم رہتے ہیں ، ہم کو ستاتے ہیں ، ہمارے ساتھ اور ہمارے مذہب کے ساتھ مسخرا پن کرتے ہیں ، انھیں لوگوں نے خدا کے گھر کو برباد کردیا اور اس پاک شہر پر قابض ہوگئے ، جو ہماری شریعت کا فرود گاہ ہے اور ان پاک مقامات کو نجس کردیا "۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس قسم کے خیالات عیسائیوں میں ایک مدت تک پھیلے رہے، یہاں تک کہ اور سیٹ پریڈو نے ۱۷۳۳ء میں ایک کتاب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات میں تصنیف کی اور اس کے دیباچہ میں اس تصنیف کا مقصد یہ بیان کیا، اس کتاب کی تصنیف کا مقصد اس آدمی کی سوانح عمری کے لکھنے کے ذریعہ سے۔ عیسائی حکیمانہ مقصد کی خدمت گذاری ہے، ان مصنفوں نے درحقیقت اپنا مقصد تاریخ لکھنا نہیں قرار دیا بلکہ اس کا مقصد جیسا کہ خود ان کا بیان ہے۔ عیسائی مذہب کی خدمت گذاری ہے، یہ لوگ اپنے مبتذل دلائل کی تائید میں جو ہتھیار استعمال کرتے تھے، وہ محض دشنام دہی اور سخت کلامی تھی، اس کے ساتھ، روایت اور نقل میں جس قدر تحریف ہوسکتی تھی کرسکتے تھے، صرف داناسین نے یہ قصد کیا کہ ان عام تصنیفات کی مخالف کرے، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شام میں پلا تھا اور خلفائے اسلام کا مقرب تھا، چنانچہ اس نے مذہب اسلام کے رو میں جو کچھ لکھا بلا تعصب لکھا، اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ اسلام عیسائی مذہب کی بگڑی ہوئی صورت ہے، جیسا کہ اریوی کا خیال تھا، با ایں ہمہ یورپ پر اس کی تصنیف کا کچھ اثر نہ ہوا اور ان کے جو بیہودہ خیالات پیغمبر اسلام اور قرآن کی نسبت تھے، اسی طرح قائم رہے، پیشوایان مذہب (یعنی پادری اور بشپ وغیرہ) بھی انہی خیالات کو قوت دیتے تھے اور لوگوں کے ذہن میں بٹھاتے تھے۔ اسی پالیٹکس کا نتیجہ ہے کہ لوگ اسلام کے ساتھ مسخراپن کرتے ہیں، ان خیالات کی اشاعت نے پوپوں کو مذہبی لڑائیوں سے بے نیاز کر دیا، چنانچہ لاطینی چرچ آٹھویں صدی میں اور کاموں میں مشغول تھا، کیونکہ شرقی چرچ دو ضرر رساں مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا، ایک یہ کہ ایک ہی روح کے دو جسم بن گئے، دوسرے یہ کہ ایک روح تھی اور ایک ہی جسم بھی تھا۔

اسلام کے متعلق آزادانہ اور غیر متعصبانہ بحث ہمارے زمانہ سے آغاز ہوئی، کیونکہ انیسویں صدی میں لوگوں نے اس مسئلہ کو ایک محقق کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے متعلق مختلف رائیں قائم ہوگئیں، کچھ لوگ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن کے فریفتہ ہوگئے اور بعضوں نے نکتہ چینی کی، تاہم اس قسم کے لوگوں میں اب بھی قدیم خیالات کی بو آتی ہے۔ مانسیو دردخت نے عرب کا سفرنامہ ۱۸۷۸ء میں شائع کیا۔ اس میں پیغمبر اسلام کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ ..... تھے۔ لیکن ان کو یہ خیال نہیں رہا کہ اب یہ الفاظ کسی دعویٰ کی صحت کے دلیل نہیں ہوسکتے۔

پہلی بحث جو پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت میں سچے تھے یا نہیں۔ حالانکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ امر مستشرقین اور متکلمین سب کے نزدیک مسلم ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس مسئلہ کو قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیوں کہ پیغمبر کی سچائی ثابت کرنے کے لئے صرف اس قدر ثابت کرنا کافی ہے کہ ان کو اپنی نبوت پر پورا یقین تھا اور وہ اپنے آپ کو سچا پیغمبر سمجھتے تھے۔ باقی آپ کی پیغمبری کا مقصد تو خدائے واحد کی پرستش کا قائم کرنا تھا۔ بجائے اس بت پرستی کے جو آپ کے قبیلہ میں ابتداء سے قائم تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ پر جب سارہ خفا ہوئیں اور اپنے گھر سے نکال دیا تو وہ عرب کو چلے آئے اور اپنے باپ ابراہیمؑ کے مذہب کو عرب میں شائع کیا۔ لیکن عرب میں اس مذہب کا اثر بالکل ایک خیال سا رہ گیا تھا، .... کیوں کہ عرب میں ایسے لوگ نہ تھے جو یاد دلاتے رہتے کہ ابراہیمؑ کا خدا عالی رتبہ خدا ہے اور شرکت کو گوارا نہیں کرتا۔ بخلاف اس کے بنو اسرائیل میں ایسے لوگ ہمیشہ پیدا ہوتے رہے۔ بہرحال وہ اسماعیلی مذہب روز بروز زائل ہوتا گیا اور بجائے اس کے ان خداؤں کی پرستش قائم ہوتی گئی، جن کی پرستش اور قوموں میں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اسماعیلی مذہب بالکل فنا ہوگیا۔ اس کے بعض قبائل عرب میں جو شام کے ہمسایہ تھے۔ یہودیت کا عام رواج ہوا۔ لیکن عیسوی مذہب نے ان مقامات میں ظہور نہیں کیا، چنانچہ تیث نے جو چوتھی صدی عیسوی میں بصرہ کا بشپ تھا۔ خود اقرار کیا ہے کہ عرب کی خانہ بدوش زندگی عیسوی مذہب کو پھیلنے نہیں دیتی۔

عرب میں ساتویں صدی تک مذہب کی یہ حالت رہی۔ اس زمانہ کی نسبت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصنفوں نے اپنے مذاق کے موافق خیالات ظاہر کئے ہیں اور جیسا کہ میرا اعتقاد ہے اسی بنا پر ان کے اقوال عرب اور اہل عرب کی حالت اور اعتبار کے متعلق باہم متناقض ہیں، مانسیو رنیان کا بیان ہے کہ تمدن کی تمام تاریخ میں عرب جاہلیت کے زمانہ سے زیادہ کوئی خوبصورت منظر نہیں ہے۔ اس کی یہ بھی رائے ہے کہ یہ قبائل یہودی یا عیسائی مذہب رکھتے تھے اور ایک عظیم الشان مذہبی اشتعال کے لئے تیار تھے، لیکن مانسیو بارتیلی سینٹ بلیر کہتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ ان لوگوں میں ایک کامل تمدن پایا جاتا تھا تو وہ اس قسم کی اخلاقی تعلیم کے کیوں محتاج ہوتے، جس کے سننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں مثلاً:-

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ۔	تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں۔

(نساء ۴ : ۲۳)

اس مصنف کی یہ رائے ہے کہ اہل عرب ایک وحشی قوم تھی اور ان کی حالت قریباً ویسی ہی تھی جیسی یہودیوں کی، اس زمانہ میں جب حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے تھے اور اسی قسم کے احکام لائے تھے۔

ان دونوں رایوں میں میں کسی کے ترجیح دینے پر غور کرنا نہیں چاہتا، لیکن میری رائے ہے کہ دونوں میں افراط و تفریط ہے، عرب کی قوم پیغمبرؐ سے پہلے عموماً بت پرست تھی اور وحدانیت کا اعتقاد خال خال بعض طبیعتوں میں پیدا ہو چلا تھا، اس کے اعتقاد والے حنیفی کہلاتے تھے، جو ابراہیمی مذہب کے پیرو تھے، باقی عیسائی تو ان کے بہت کثرت سے فرقے تھے اور سب کے سب کسی خدا کے قائل تھے، پیغمبر نے حنفیوں کے مذہب کو ایک سطحی حالت میں پایا تھا، لیکن چونکہ ان کی فطرت مذہب سے لبریز تھی، اس لئے یہی خیال ان کے دل میں اعتقاد بن گیا اور ایسا اعتقاد کہ اس کی نظیر اس سے پہلے بہت کم پائی گئی تھی، یہ وہی مضبوط اعتقاد تھا جس نے انسانی نوع میں ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور یہ بالکل غلطی ہے کہ ہم دین حنیفی کے سوا اور کسی مذہب میں اس مذہب کے عمیم الفیض مبدء کی جستجو کریں۔ کیوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے نہ تھے۔ بلکہ جیسا کہ خود انھوں نے بار بار اقرار کیا ہے بالکل ان پڑھ تھے اور اس وصف میں ان کے معاصرین میں سے کسی نے ان سے معارضہ نہیں کیا اور یہ ظاہر ہے کہ بلاد مشرق میں یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ کوئی شخص اس طرح علم حاصل کرے کہ کسی کو خبر نہ ہو، کیوں کہ مشرقیوں کی زندگی پردہ خفا میں نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں پڑھنا لکھنا ان ممالک میں بالکل معدوم تھا اور ایک شخص کے سوا جس کا ذکر ڈی تاسے نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۷۲ء میں کیا ہے۔ کوئی شخص مکہ میں پڑھا لکھا نہ تھا اسی طرح اس قرینہ کی بنا پر کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت کے کام کے لئے انتخاب کیا تھا۔ یہ نتیجہ نکالنا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے نہ تھے تو وہ تجارت کا کام ان کو کیونکر سپرد کرتیں، صحیح نہیں۔ عرب اور غیر عرب قوموں میں عموماً تجار کے ہاں ان کے ایجنٹ اور نائب ان پڑھ ہوتے ہیں اور باوجود اس کے اوروں کی بہ نسبت زیادہ دیانت دار ہوتے ہیں۔

غرض بیانات سابقہ سے ظاہر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی آسمانی کتاب پڑھی تھی اور نہ مذہب کے متعلق مذاہب سابقہ سے رہنمائی حاصل کی تھی۔ اگرچہ الگزنڈر دویوں کا یہ بیان ہے کہ وہ عیسوی مذہب سے قرات اور کتابت دونوں طریقہ پر واقف تھے۔

بے شبہ ان ماخذوں کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسوی یہودی یا ستارہ پرستوں کے عقائد کو زبانی سیکھا تھا، نہایت مفید ہوگا، کیونکہ قرآن اور توراۃ میں اکثر جگہ توافق پایا جاتا ہے۔ تاہم یہ بحث دوسرے درجہ کی بحث ہوگی، کیونکہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ قرآن مجید دیگر کتب آسمانی سے ماخوذ ہے۔ تاہم یہ مشکل بحال خود باقی رہے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ مذہبی روح کہاں سے آئی اور وحدانیت کا ایسا مضبوط خیال کیوں کر دل میں آیا۔ جو ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے جسم روح پر چھا گیا، ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اظہار نبوت سے پہلے ان پر بڑی سختیاں گذریں اور ان کو بہت سے مصائب جھیلنے پڑے، کیونکہ خدا نے ان کی فطرت ہی مذہب کے لئے بنائی تھی اور یہی وجہ تھی کہ سب کو چھوڑ کر انھوں نے عزلت اختیار کی تاکہ بت پرستی اور تعدد الٰہ کی بدعت میں مبتلاء نہ ہونا پڑے، جس کو عیسائیوں نے خود ایجاد کیا تھا، ان دونوں مذہبوں کی نفرت ان کے دل میں بیٹھ گئی تھی، ان مذہبوں کا وجود کانٹے کی طرح ان کے دل میں کھٹکتا تھا، اس غرض سے کہ جو عظیم الشان تفکر یعنی وحدانیت کا خیال ان کے دل میں اتر گیا تھا محض اسی سے سروکار رکھیں، کوہ حراء میں گوشہ نشینی اختیار کی، یہاں بیٹھ کر ان کے خیال نے دریائے فکر میں نہایت آزادی کے ساتھ جولانیاں شروع کیں، اس کے ساتھ وہ ہمیشہ عبادت اور تہجد میں مشغول رہتے تھے، اسی حالت میں کئی دن گذر گئے، ان مقامات کی راتیں نہایت مفرح اور خوش گوار ہوتی ہیں، یہاں تک کہ عوام میں مشہور ہے کہ ملائکہ خدا سے اجازت مانگتے ہیں کہ آسمان سے اتر کر دو ایک دن ان راتوں کے سماں کا لطف اٹھائیں۔

اللہ اکبر! معلوم نہیں یہ چہل سالہ شدید الذہن جوان جس کا شمار مشرقی لوگوں میں ہے جو قوت ادراک اور حدت تخیل میں فرد ہیں اور جن کا یہ کام نہیں کہ منصوبے ہی گھڑا کریں، اس وقت کیا سوچ رہا تھا، وہ ہر بار یہی کہتا تھا اور برابر کہے جاتا تھا "خدا ایک ہے" یہ وہ الفاظ ہیں جن کو اس کے بعد تمام مسلمان ہمیشہ دہرایا کئے اور جن کو ہم عیسائیوں نے اس وجہ سے فراموش کر دیا کہ توحید کے خیال سے ہم بہت دور پڑ گئے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال برابر اسی دُھن میں مشغول رہا، یہاں تک کہ یہی خیال مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہو کر ان کے سامنے آیا، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ (اخلاص ۱۱۲: ۳-۴) عربی زبان میں مترادف الفاظ کی کثرت نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بلند خیال کے بار بار ادا کرنے میں بہت مدد دی جن کو ظاہر کرنا چاہتے تھے اور انہیں افکار اور اسی طرز پرستش سے اسلام کا یہ جملہ پیدا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا کہ لا الہ الا اللہ یہی اصلی اعتقاد ہے۔ اس یکتا خدائے بے نیاز کا جو عیوب سے پاک ہے، عقل کا اس اعتقاد کو خیال میں لانا بآسانی ممکن ہے۔ یہ ایک ایسا قوی عتقاد ہے، جس پر مسلمان ہمیشہ یقین کرتے آئے ہیں اور جس کی وجہ سے وہ تمام قبائل اور اقوام میں ممتاز ہیں۔ در حقیقت انہی کے ایمان کو ایمان کہا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ان کا خود دعویٰ بھی ہے۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہ اعتقاد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو توراۃ اور انجیل سے پہنچا ہو۔ کیونکہ وہ اگر ان کتابوں کو پڑھتے تو اٹھا کر پھینک دیتے، کیونکہ وہ دیکھتے کہ اس میں تثلیث موجود ہے۔ جو ان کی فطرت اور ان کے مذاق طبعی کے خلاف ہے۔ ایسے اعتقاد کا دفعۃً ان کی زبان سے ظاہر ہونا۔ ان کی زندگی کا بڑا منظر ہے اور فی نفسہٖ یہی آپؐ کی پیغمبری اور آپؐ کی دیانت فی النبوت کی دلیل اعظم ہے۔

قرآن کی وحی کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ کیونکہ ارباب بحث اس کو معقول طور پر حل نہیں کرسکے۔ عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل ان پڑھ تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کیا ہے کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر اعتبار سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب عتبہ بن ربیعہؓ نے اس کو سنا تو اس کے حسن پر حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطابؓ کو مطمئن کردیا اور وہ خدا کے معترف ہوگئے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب یحییٰ کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفرؓ بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے پڑھے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے، جس سے عیسیٰ کا کلام نکلا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عربوں کی صلح پسندی اور بے تعصبی

جب عرب ایمان قبول کر چکا اور لوگوں کے دل اسلام سے منور ہو چکے تو اب اسلام دنیا کو ایک دوسرے لباس میں نظر آیا، یعنی نرمی اور آزادیِ خیالات یا تو قرآن میں تہدید آمیز آیتیں نازل ہوتی تھیں یا اب پے در پے اس قسم کے احکام آنے لگے۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ (بقرہ ۲: ۲۵۶)	مذہب میں زبردستی نہیں، راستی گمراہی سے صاف الگ ہے۔
وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ (انعام ۶: ۲۹)	یہ لوگ خدا کے سوا جن لوگوں کو پکارتے ہیں، (یعنی معبودانِ باطل) ان کو گالی نہ دو ورنہ جہالت سے وہ بھی خدا کو گالی دیں گے۔
وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۔ (مزمل ۷۳: ۱۰)	اے محمدؐ! ان کی باتوں پر صبر کر اور ان سے کنارہ کر معقول طریقہ سے۔

عرب کے اسلام لانے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اسی طرح کی تھیں اور آپؐ کے خلفاء نے بھی اسی کی تقلید کی۔ اس بناپر ہم کو رابنسن کے اس قول کے ساتھ متفق ہونا پڑتا ہے کہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پیرووں میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ انھوں نے جوش مذہب اور حسن سلوک کو ساتھ ساتھ رکھا۔ یہ جوش مذہب عرب کی فتوحات کا سبب ہوا۔ لیکن اس قسم کے سبب میں کوئی ہرج نہیں۔

جب اسلام کی کامیاب فوجوں نے شام پر چھاپہ مارا اور بجلی کی طرح شمالی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افریقہ پر بحر احمر سے لے کر اٹلانٹک تک چمکیں تو قرآن اپنے دونوں شہروں کو پھیلائے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے تھا، اس بنا پر اسلامی فوج کے طریق عمل میں کہیں ظلم کا نشان نظر نہیں آتا، بجز ان امور کے جن سے مفر نہیں ہوسکتا، مسلمانوں نے کسی قوم کو اس بنا پر قتل نہیں کیا کہ وہ اسلام لانے سے انکار کرتے تھے، اگر ہم بربریوں اور مسلمانوں کی حملہ آوری کا مقابلہ کریں تو ہم مانیں گے کہ مسلمان نقصان کم پہنچاتے تھے اور نرمی زیادہ کرتے تھے، مسلمانوں کو جن قوموں سے سابقہ پڑا انھوں نے ان کو تین باتوں کا اختیار دیا، اسلام یا جزیہ یا جنگ، ابوبکر صدیقؓ نے خالدؓ کو جب شام کی طرف بھیجا تو یہی ہدایت کی، یہ احکام عموماً عمل میں آتے تھے، لیکن بت پرست اس سے مستثنیٰ تھے، کیونکہ ان کے ساتھ اور طرح کا برتاؤ کیا جاتا تھا، جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ (۱)

بہتر ہوگا کہ ہم اس موقع پر ابوبکر صدیقؓ کے احکام اور زبور کی پانچویں کتاب میں جو مدائن کے محاصرہ اور کلدانیوں کے معاملہ کے متعلق ہے، موازنہ کریں، زبور میں ہے:۔

"جب تو کسی شہر کا محاصرہ کرے تو ان پر امان پیش کرے، اگر وہ لوگ امان قبول کریں تو سب لوگ محفوظ رہیں گے، لیکن اگر وہ لوگ انکار اور دشمنی کا اظہار کریں تو ان کا سخت محاصرہ کر اور فتح حاصل ہونے کے بعد ہر شخص (مرد) کو قتل کردے"۔

مسلمانوں کو افریقہ اور ایشیاء میں عیسائیوں کی طرف سے بہت مقابلہ پیش آیا، جس کے بعد وہ نئے مذہب کی طرف مائل ہوگئے۔

ایسے باعظمت کلیساؤں کا جیسے کہ کارتھج کے کلیسا تھے، اسلام کے زیر اثر آجانا ایک ایسا واقعہ ہے، جس کی وجہ ایک زمانہ دراز سے لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ اسلام نے تعصب اور سختی کا برتاؤ کیا، لیکن خود اس زمانہ کے معاصرین اس کی وجہ اقتضائے زمانہ کے موافق یہ بیان کرتے ہیں کہ عیسائی خدا کے غضب کے مستوجب

(۱) یہ مصنف کی غلطی ہے، اسلام نے بت پرستوں کو بھی یہی اختیارات دیئے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے، اس لئے خدا نے ان کی کج روی کی سزا دی، عیسائی عابدوں میں سے بعضوں نے اس خیال کی تائید میں لوگوں کو توبہ کی ترغیب دلانی چاہی، انھوں نے نہایت مبالغہ سے کام لیا اور عیسائیوں پر سخت دار و گیر کی اور لوگوں کو یہ یقین دلانا چاہا کہ اسلامی فوجیں ایک آلہ ہیں، جن کے ذریعہ سے خدا نے عیسائیوں پر عذاب نازل کیا ہے۔

چونکہ اسلامی فتوحات اور کلیسا کا باہمی اختلاف، دونوں واقعات ایک ہی زمانہ میں پیش آئے، اس لئے اگر مؤرخوں نے دونوں کو ایک ساتھ ملا دیا تو ان پر نکتہ چینی نہیں ہوسکتی، خود فاتحین بھی قبول اسلام اس اطاعت و حکومت میں فرق نہیں کرتے تھے، لیکن یہ امر عموماً غلط مانا جاتا ہے کہ ان دونوں واقعات میں سے ایک کو دوسرے کا معلول قرار دیا جائے، ان دونوں واقعات میں نہایت خفیف اثر پذیری کا تعلق ہے، جس طرح فتوحات اسلام نے عیسائیوں کو ترک مذہب پر آمادہ کیا، اسی طرح کلیساؤں کے باہمی اختلاف نے اسلامی فتوحات کے لئے راستے صاف کر دئے۔

بشپ آریوس نے حضرت عیسیٰؑ کے خدا ہونے سے انکار کیا تھا، اس بنا پر اس نے گویا پیغمبر عرب کے لئے فوج طلایہ کا کام دیا، کیونکہ اس سے اسلام کے لئے راستہ صاف ہوگیا، کیونکہ اسلام بھی حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہی کہتا ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل آخر الانبیاء تھے۔ (۱)

یہ گویا خرق عادت تھا کہ اسکندریہ کا بشپ جس کا نام آریوس تھا، عیسائی مذہب کے مقابلہ لئے کھڑا ہوا، یہاں تک کہ اس مذہب کی بنیادیں متزلزل ہوگئیں اور تمام عیسائیوں پر ناامیدی سی چھا گئی، مقدس جیردم نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ "عالم کون، اس بات سے حیرت زدہ ہے کہ تمام لوگ کافر ہوگئے ہیں اور اب کسی کا یہ عقیدہ نہیں رہا کہ باپ (خدا) نے بیٹے کا جسم اختیار کر لیا تھا"۔

اگرچہ ان عیسائیوں نے جو بنس کے پیرو تھے، اس مذہب جدید کو دبالیا، تاہم

(۱) یہاں تقریباً دو تین سطروں کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے معنی میری سمجھ میں نہیں آئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افریقہ اور ایشیا کے کلیساؤں میں سخت اختلاف پیدا ہوگیا۔ اسلام جب لمبے لمبے قدم بڑھاتا آیا تو ان لوگوں (پیروان آریوس) نے اس کو کوئی نیا مذہب نہیں سمجھا، بلکہ عیسائی مذہب سمجھ کر اس کو قبول کرلیا۔

اسلام کی وسعت کا ایک اور بھی سبب ہے۔ یعنی قسطنطنیہ کی جابرانہ حکومت، یہ سلطنت انتہا درجہ کی ظالم تھی، حکام کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ لوگ جان سے عاجز آگئے تھے، جب اسلام کا قدم آیا تو لوگوں نے اسلام کے سایہ میں پناہ لی، کیونکہ جو شخص اسلام لاتا تھا وہ ٹیکسوں اور تاوانوں سے بچ جاتا تھا اور مال مسلوبہ اس کو واپس مل جاتا تھا، جو لوگ اسلام نہیں قبول کرتے تھے ان سے بھی یہی برتاؤ کیا جاتا تھا صرف جزیہ ان سے لیا جاتا تھا جس کی مقدار نہایت کم ہوتی تھی، یعنی آمدنی کا دسواں یا بارہواں حصہ (یہ غلط ہے، جزیہ کی مقدار بڑے سے بڑے دولتمند کے لئے بھی کبھی ۴۸ درہم سے زیادہ نہیں ہوسکتی تھی، جزیہ کی انتہائی تعداد تھی، آمدنی کے حصہ سے اس کو کوئی نسبت نہ تھی، مترجم)۔

اسلام کے سایہ میں عیسائی مطمئن ہوگئے، وعلاوہ اسلام میں کوئی شخص ان کے مذہب سے متعرض نہیں ہوتا تھا اور اصلی عیسائی اور مرتدوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا، یہ برتاؤ وہ تھا، جس کا خود قرآن نے حکم دیا تھا اور خلفائے اولین اس پر کاربند تھے، یہودی اور عیسائی ذمی کہلاتے تھے، غیر مذہب والوں کی تین قسمیں تھیں، ذمی، مستامن، حربی۔

ذمی اس کو کہتے تھے جو اسلام کے زیر حکومت ہو اور جزیہ ادا کرتا ہو، اس کو یہ حقوق حاصل تھے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنے خدا کی عبادت کرسکتا تھا، اس کو اسلام پر مجبور نہیں کیا جاتا تھا، وہ قوانین سلطنت کا پابند ہوتا تھا اور شخصی قانون مثلاً نکاح، طلاق، وراثت میں اس کے مذہب کے موافق عمل کیا جاتا تھا، البتہ جب کسی معاملہ میں اس کا فریق ثانی مسلمان ہوتا تھا تو مذہب اسلام کے مطابق عمل ہوتا تھا۔

یہ سخت غلطی ہے کہ ذمی کے لفظ سے دنی اور بزدل کے معنی مراد لئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائیں، در حقیقت اس لفظ کے معنی امان یافتہ کے ہیں۔

مستامن اس شخص کو کہتے ہیں جو سفر میں ہو اور احکام سلطنت و قوانین حکومت کے زیر حمایت زندگی بسر کرتا ہو۔

حربی وہ ہے، جو اس ملک میں رہتا ہے جو علانیہ اسلام کا دشمن اور حریف جنگ ہے، یا جہاں مسلمانوں کو امن نہیں، ایسا شخص جب اسلامی شہر میں آئے اور آمادہ جنگ ہو تو وہ قتل کردیا جائے گا، مگر اس حالت میں کہ اسلام قبول کرلے، اس حالت کے سوا باقی سب مستامن ہیں، بشرطیکہ جزیہ ادا کریں، حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جزیہ اس لئے ہے کہ ذمی کی جان و مال مسلمانوں کے جان و مال کے برابر ہو جائے۔

اس نرمی اور حسن معاملت کی وجہ سے اسلام کو ترقی ہوئی، کیونکہ ممالک مشرقی کے سلاطین کے ظلم نے تمام لوگوں کو بے زار کردیا تھا اور لوگ ان سے سخت نفرت کرنے لگے تھے۔

اب اگر ہم ابتدائے فتح کے زمانہ کو چھوڑ کر اس زمانہ کی طرف آئیں، جب کہ اسلام کی حکومت نے استقلال حاصل کرلیا تو ہم کو صاف نظر آئے گا کہ اسلام، مشرقی عیسائیوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ نرم خو اور صلح جو تھا۔

عرب نے عیسائی رسوم مذہبی کا کبھی معارضہ نہیں کیا، اہل روما نہایت آزادی سے ان پیشوایان مذہبی سے خط کتابت جاری رکھتے تھے، جو ان کے ہی حاکم تھے، ۱۰۵۳ء میں پوپ نے جس کا نام لیون تھا، افریقہ کے عیسائیوں کو ایک خط لکھا، جس میں تاکید کی تھی کہ کارتھج کی بشپ کو لارڈ بشپ تسلیم کریں، اس زمانہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں کامل اتحاد تھا، یہاں تک کہ گریگیورس ہفتم نے ۱۵/ ستمبر ۱۰۷۳ء میں عیسائیوں کو ایک خط لکھا جس میں ان کو ملامت کی تھی کہ انھوں نے بشپ کے دربار میں مسلمانوں کی شکایت کیوں پیش کی۔

اس غیر معمولی صلح جوئی کے ساتھ بھی جو مسلمان فاتحوں کی طرف سے مفتوحین کے مقابلے میں عمل میں آتی تھی، عیسائی مذہب نہایت کمزور ہوتا جاتا تھا، یہاں تک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ شمالی افریقہ سے یہ مذہب بالکل معدوم ہوگیا، حالانکہ اسلام میں دعوت اسلام کے لئے کوئی فرقہ مخصوص نہ تھا، جیسا کہ عیسائیوں میں ہے، اگر اسلام میں بھی داعیان مذہب ہوتے تو ہم کو اسلام کی ترقی کے سبب کے دریافت کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شارلمین اپنی لڑائیوں میں ہمیشہ پادریوں اور رہبانوں کا ایک گروہ ساتھ رکھتا تھا کہ جس طرح وہ خود اپنی ان فوجوں سے شہروں کو فتح کرتا پھرتا تھا جو قیامت انگیز لڑائیاں لڑتی تھیں، اسی طرح پادری لوگوں کے قلوب اور طبایع کو مسخر کرلیں، لیکن اسلام میں نہ کوئی مذہبی انجمن ہے، نہ رسول ہیں، نہ احبار ہیں، نہ راہب ہیں، جو فوجوں کے ساتھ ساتھ رہیں، کوئی شخص تلوار یا زبان کے ذریعہ سے اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ اسلام نے خود لوگوں کے دلوں میں گھر کرلیا اور یہ اس اثر کا نتیجہ تھا جو قرآن کی دلآویزی اور فریبندگی کا خاصہ ہے۔

بے شبہ ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا، جن کی غرض دنیاوی تمتع تھی، لیکن ان کی تعداد ان لوگوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے، جو دلی اور سچی خواہش سے اسلام لائے، قبول اسلام میں اس لئے بڑی آسانی ہوئی کہ مذہب اسلام ایک سیدھا سادھا مذہب ہے، جس کے لئے کلمۂ توحید پڑھنا کافی ہے، ان باتوں کے ساتھ بھی یہ نظر نہیں آتا کہ استقلال حکومت کے بعد عیسائیوں کے کسی گروہ نے دفعۃً واحدۃً اسلام قبول کیا ہو، بلکہ یہ ضروری تھا کہ جو شخص اسلام لانا چاہے وہ قاضی کے ہاتھ پر اسلام لائے اور ایک محضر لکھے، جس میں یہ تصریح ہو کہ وہ سچے اعتقاد سے بغیر کسی دباؤ اور خوف کے اسلام قبول کرتا ہے، کیونکہ کوئی شخص تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ (یہ محضر ضمیمہ سوم میں درج ہے)

دولت بنوامیہ کے زمانے میں نہایت کثرت سے عیسائیوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ خود خلفاء نے اس ترقی کو اس لحاظ سے پسند نہیں کیا کہ بیت المال کی آمدنی کو نقصان پہنچتا تھا، چنانچہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں، مصر میں جزیہ کی آمدنی حضرت عثمانؓ کے زمانے کی نسبت سے آدھی رہ گئی تھی، اس بناء پر خلفاء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے قبول اسلام کی وسعت کو اس طریقہ سے تنگ کر دینا چاہا کہ نو مسلم بھی جزیہ سے معاف نہ کئے جائیں، چنانچہ حیان نے عمر بن عبد العزیزؒ کو خط لکھا کہ اگر یہی حالت رہی تو اس ملک کے تمام عیسائی مسلمان ہو جائیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ خزانہ شاہی کو سخت نقصان پہنچے گا۔ لیکن عمر بن عبد العزیزؒ نے خط پڑھ ایک شخص کو حکم دیا کہ حیان کے پاس جاکر اس کو تیس درّے لگائے اور اس سے کہے کہ اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہوگی کہ تمام عیسائی مسلمان ہو جائیں۔ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں نہ اس لئے کہ خراج اور ٹیکس لگائیں۔

مسلمان اگر بیت المال کے خالی ہو جانے سے خوف کرتے تھے تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں الجزائر (مقبوضہ فرانس) میں ٹیکس کا بار زیادہ تر مسلمان پر ڈالا جاتا ہے۔ فرض کرو کہ تمام مسلمان عیسائی ہو جائیں اور ان کو وہ تمام حقوق دے دئے جائیں جو عیسائیوں کو حاصل ہیں تو آمدنی کے گھٹ جانے سے ہم کو سخت پریشانی ہوگی۔

اسپین میں مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ اور بھی زیادہ نرمی کا برتاؤ کیا۔ یہاں تک کہ ان کی جو حالت قدیم جرمنیوں کی سلطنت کے زمانے میں تھی، اس سے کہیں بڑھ کر وہ خوش حال ہو گئے، پروفیسر دوزی کہتا ہے کہ مسلمانوں کی فتح نے اسپین کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا، ابتدائے فتح کے زمانے میں جو برہمی اور اضطراب پیدا ہوا تھا، وہ استقلال سلطنت کے بعد جاتا رہا۔ مسلمانوں نے تمام باشندوں کے مذہب، شریعت اور عدالت کو قائم رکھا، ان کو ملکی عہدے دئے، یہاں تک کہ بعض خود خلفاء کے دربار میں ملازم تھے، اکثروں کو فوجی عہدے دیئے گئے، اس رحیمانہ سیاست نے اسپین کے عقلاء کو مسلمانوں کی طرف مائل کردیا، یہاں تک کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں کثرت نکاح اور رشتہ داریاں ہو گئیں، سینکڑوں عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہنے کے ساتھ عرب کی تہذیب و تمدن کے دلدادہ ہو گئے، یہاں تک کہ انھوں نے عربی زبان اور عربی علوم و فنون کی تحصیل شروع کی، بشپ اور پادری ان کو ملامت کرتے تھے کہ وہ گرجا کے گیت چھوڑتے جاتے اور مسلمانوں کا شعار اختیار کرتے جاتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس زمانہ میں مذہبی آزادی انتہا درجہ کو پہنچ گئی تھی۔ اسی بنا پر جب یورپ نے یہودیوں پر جبر کرنا چاہا تو انھوں نے خلفائے اندلس کے سائے میں پناہ لی۔ بخلاف اس کے جب چارلس نے سرقوسہ پر قبضہ کیا تو حکم دیا کہ یہودیوں اور مسلمانوں کی تمام عبادت گاہیں برباد کردی جائیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں عیسائی جہاں پہنچے انھوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کو ایک طرف سے قتل کردیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہودیوں نے اگر کوئی اپنا ملجا و ماوی پایا تو مسلمانوں ہی کو پایا اور آج دنیا میں جو یہودی موجود ہیں۔ یہ مسلمانوں ہی کی عنایت ہے۔ افیڈیکر شایلین نے اس کی وجہ جو یہ بیان کی ہے کہ مسلمان اور یہودی نسب میں۔ زبان میں۔ مذہب میں۔ متحد ہیں۔ یہ غلط ہے۔

مسلمانوں نے اندلس کے عیسائیوں سے صرف جزیہ طلب کیا۔ جو معمول عام تھا۔ اس موقع پر ایک لطیفہ کا بیان کرنا موزوں ہوگا۔ جس کو ایک عرب مؤرخ نے لکھا ہے اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزیہ کے بارے میں ان کا کیا خیال تھا اور یہ کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں کیسے تعلقات تھے۔

دولت فرانس اور اسلام

اسلام اپنی قوت اور زندگی پر یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ اس نے وسط افریقہ، حبش کے شرقی حصہ سوڈان، سرنیاق، ان تمام مقامات میں بت پرست قوموں کو قرآن کے علم کے نیچے مجتمع کردیا جو اس کی عجیب و غریب طاقت اور حیرت انگیز رفتار کی دلیل ہے۔ پچاس برس ہوئے ان ممالک میں مہدی اور امام جغبوب کی سلطنتیں اس نمونہ کے موافق قائم ہوگئی ہیں جو مذہبی حکومت کی تصویر ہے اور جس کو پیغمبر اسلام نے پیش نظر رکھا تھا۔ اسی طرح اس کے مقابل جانب ایک اور تیسری حکومت شمالی افریقہ میں قائم ہوئی ہے۔ جو عیسوی مذہب کے حملوں کا کامیابی سے مقابلہ کر رہی ہے۔ یعنی مراکو کی سلطنت گو اس ملک کی بعض قومیں اس سلطنت کی مطیع نہیں ہیں، تاہم اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی آفت آئی تو کچھ شبہہ نہیں کہ تمام مغرب میں یہ سلطنت حامی اسلام ثابت ہوگی۔
یہ وہ ممالک ہیں، جہاں مذہب اور پالیٹکس دونوں کی باگ ایک شخص کے ہاتھ میں ہے، جیسا کہ قرآن کی تعلیم ہے، یہ وہ ممالک ہیں، جن کے لئے اہل مکہ نے دارلسلام کا لقب خاص کردیا ہے اور یہ وہ لقب ہے جس کی ہوس اور مصر ٹرک کے دل میں ہے، لیکن بے فائدہ، کیونکہ ان مقامات میں اصلی مذہب کو مغربی تمدن نے غبار آلود کردیا ہے۔ لیکن ابھی ہم ان ممالک کی حالت سے بحث نہیں کرتے بلکہ ہم صرف الجیریہ اور فرنچ افریقہ سے بحث کرتے ہیں، جہاں عیسوی مذہب اور عیسوی سلطنت اسلام سے ٹکر لڑ رہی ہے، یہ وہ ممالک ہیں جس کو مسلمان دار الحرب یعنی دار الجہاد کہتے ہیں، یہاں اسلام کی جو حالت ہے، اس کے متعلق تین حیثیتوں سے بحث ہوسکتی ہے۔

کیا انجیل نے قرآن میں کوئی تبدیلی پیدا کی ہے۔

اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ اسلام ہمیشہ اپنی حالت کو قائم رکھے گا تو یہ سوال ہے کہ آیا عیسائیوں اور مسلمانوں میں کسی قسم کا ربط پیدا ہوا ہے، جس سے آیندہ یہ امید ہو کہ دونوں میں امتزاج تام پیدا ہوجائے گا۔

اور کیا یہ خوف ہمیشہ قائم رہے گا کہ مسلمان کسی دن جہاد پر آمادہ ہوکر ان ممالک پر غالب نہ آجائیں۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف مائل نہیں ہوسکتا، مسلمانوں کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی، یہاں تک کہ ان کو اپنی زبان میں کوئی لفظ نہیں ملتا، جس کے ذریعہ سے وہ ایسے شخص کے اوصاف بیان کرسکیں، جن مسلمانوں نے فرنچ وضع اختیار کرلی ہے، چونکہ اس میں بھی ارتداد کی بو ہے، اس لئے مسلمان ان کی نسبت بھی متحیر ہیں کہ ان کو کس نام سے پکاریں، چنانچہ انھوں نے مجبوراً فرنچ زبان کا ایک لفظ انتخاب کیا ہے، جس کو وہ ان لوگوں کے حق میں استعمال کرتے ہیں۔

یہ لفظ متورنی ہے، جس کے معنی مرتد کے ہیں، اگر کوئی عیسائی کسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان کو عیسائی بنانا چاہے تو اس وقت کی کیفیت کا بیان کرنا سخت مشکل ہے۔ اس کا اندازہ کسی قدر اس حالت میں ہو سکتا ہے، جب کسی عیسائی کو بت پرست بنانے کا ارادہ کیا جائے، لیکن یہ تشبیہ بھی پوری نہیں، مسلمان کا عیسائی ہونا اس وجہ سے سخت مشکل ہے کہ وہ عیسائیوں کو سخت ذلیل سمجھتا ہے۔ اس کو اپنے موحد ہونے پر بے انتہا ناز ہے۔

مسلمانوں کا یہ یقین ہے کہ ان کا مذہب عیسائیت سے اس قدر افضل ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ عیسائی اسلام کی صحت کا قائل نہ ہو، یہاں تک کہ ہم عیسائی جو مسلمانوں سے بے تعصبانہ ملتے ہیں تو مسلمان سمجھتے ہیں کہ یہ اسی خیال کا اثر ہے، مسلمان کو اس پر ناز ہے کہ وہ خدا کی عبادت ذہنی طریقہ سے کرتا ہے۔ اس کے مذہب کو ظاہری علامتیں اور سر و سامان درکار نہیں، اس کو عیسائیوں کے مذہبی جلسوں میں بت پرستانہ عبادتیں نظر آتی ہیں، مسلمان عیسائیوں کو اہل کتاب کہتے ہیں، لیکن ان کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے بلکہ اکثر تو عیسائیوں کو بت پرستوں سے بدتر سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے جو مذہب ان پر اتارا تھا، اس کو عیسائیوں نے جان بوجھ کر بدل دیا۔

مذہب عیسوی کے متعلق مسلمانوں کے یہ خیالات ہیں، ظاہر ہے کہ یہ خیالات عیسائیت کی ترقی کے کس قدر سد راہ ہیں، پادریوں کو مختلف قوموں کے عیسائی بنانے میں ہر جگہ کامیابی ہوئی، وحشی قوموں میں بھی اور شائستہ قوموں میں بھی، لیکن مسلمانوں میں وہ جہاں گئے، ان کو کامیابی کا دروازہ ہر طرف سے بند ملا، بت پرست قومیں جب مہذب ہوئیں تو انھوں نے اپنے وحشیانہ مذہب کو فوراً چھوڑ دیا، کیونکہ وہ ان کی عقل کے موافق نہ تھا، ان کی شائستگی نے ان کو آمادہ کر رکھا تھا، کہ وہ خالص عقلیات کو قبول کر لیں، اس لئے جب پادریوں نے منطقی دلائل سے اپنا مذہب ان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے فوراً قبول کر لیا، مقدس پولوس کو اکثر بت پرستوں سے سابقہ پڑتا تھا، جو اپنے خدا کو اس لئے چھوڑ دیتے تھے کہ ان کا جھوٹا ہونا ان پر ثابت ہو جاتا تھا، یونانی بھی اکثر دلیل اور برہان کی طرف مائل نظر آتے تھے، وحشی بت پرستوں کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عیسائی ہونا اس لئے آسان تھا کہ پادریوں کو ان پر علمی تفوق حاصل تھا۔

لیکن یہ کس پادری کے امکان میں ہے کہ کسی مسلمان کو اس کے مذہب کی طرف سے متزلزل کر دے اور اس چیز کی اس کی عبادت کرالے۔ جس کو وہ حقیر سمجھ رہا ہے یا اصل مذہب کو اس کی نظر میں بے وقعت کر دے۔ جس کو وہ منتہائے عزت خیال کرتا ہے۔

مسلمانوں کے دل میں عیسائیت کے خلاف جو خیال جم گیا ہے، وہ ابدی ہے۔ پادری اس کو کیوں کر اس کے دل سے دور کرسکتے ہیں۔ دراں حالیکہ مسلمان اس مسئلہ کے متعلق گفتگو کرنا بھی پسند نہیں کرتا اور نہ کسی قسم کی بحث برداشت کرسکتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان، استدلال اور حجت سے عیسائیت کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں تو یہ کیا ممکن نہیں کہ زور شمسیر سے کام لیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرنچ میں فتح کے وقت بھی مسلمانوں کو عیسائی نہیں بنا سکتے تھے، جیسا کہ شارلمین نے کیا تھا۔ اس لئے مجبوراً کلیسا کو سکوت سے کام لینا پڑا۔ جیسا کہ آج تمام قوموں نے مسالمت کا پہلو اختیار کرلیا ہے۔ لیکن کلیسا اس مسالمت کو مذہب عیسوی کا کوئی مسئلہ مسلمہ نہیں قرار دیتا ہے بلکہ اس سے صریح انکار کرتا ہے۔

الجیریا میں جو معاہدہ ہوا اس کی رو سے کسی پر مذہبی جبر کرنا بالکل ممنوع ہے۔ کیونکہ فرنچ گورنمنٹ نے جنرل بورمان کے توسط سے معاہدہ کیا تھا کہ اہل حرب کے مذہب سے تعرض نہیں کیا جائے گا اور اس کی عزت کی جائے گی۔ اس معاہدہ کے خلاف بطور استثنا کے ایک واقعہ پیش آنے کے قریب تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۸۶۸ء میں الجیریا کے بشپ کو مذہبی حمیت کا جوش پیدا ہوا اور اس نے چاہا کہ بہت سے مسلمانوں کو عیسائی بنالے۔ چنانچہ الجیریا کے عظیم الشان قحط کے بعد اس نے بہت سے یتیموں کو اس غرض سے جمع کیا۔ لیکن جنرل مکموہن نے جو الجیریا کا گورنر تھا بشپ کی مخالفت کی اور اس کوشش کو اس بنا پر چلنے نہ دیا کہ یہ معاہدہ کے خلاف ہے۔

ایک عجیب متناقض بات یہ ہے کہ الجیریا میں آج ایسے لوگ بھی موجود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، جن کو اس پر افسوس ہے کہ یہ طریقہ کیوں نہیں اختیار کیا گیا، لیکن یہی لوگ اگر پائے تخت (فرانس) میں ہوتے تو ان لوگوں کی صف میں کھڑے ہوتے، جو بڑے زور سے اس بات کے حامی ہیں کہ تمام مذہبوں کو آزاد رہنا چاہئے۔ گویا کہ وہ ایسی سلطنت کے آرزو مند ہیں جو ایک طرف تو غیر مذاہب کو زر و مال کی دلفریبی سے منتشر کرنے کی کوشش کرے اور دوسری طرف مؤحد مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کرے۔ اگر کوئی چالاک پادری ہمت کر کے ابتدائے زمانہ فتح کھڑا ہوتا اور اس کے اس مشن کا امرائے سلطنت میں سے کوئی ایسا پرجوش ممبر ہوتا، جس کو خود بھی عیسائی مذہب کی اشاعت کی طرف توجہ ہوتی یا دلفریب عورتوں کے ذریعہ سے مذہبی اشاعت کی طرف اسے التفات دلایا جاتا اور ان سے جاہ و منزلت کا بھی اقرار کیا جاتا تو بہت آسانی سے ہزاروں عرب اپنے اپنے مذہب کو خیرباد کہہ کر فرانسیسی مذہب کے پیرو بن جاتے۔ مسلمانوں کا کمیشن کے اشارہ سے عیسائی مذہب کی مخالفت اور کسی دباؤ سے ان کا متاثر نہ ہونا یہی دو سبب ہیں جو عیسائیت کو اسلام میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ گو کہ کیتھلک مشنری نے پہلے ہی یہ سمجھا دیا کہ اس وعظ و نصیحت سے مسلمانوں کے قلوب عیسائیت کے طرف مائل نہیں ہو سکتے، مگر باوجود ان دقتوں کے انھوں نے اپنے مقصد سے کنارہ کشی نہ کی اور نہ انھوں نے جد و جہد سے ہمت ہاری اور نہ اسلام کے شکست دینے کی دشواریوں کا خیال کر کے ان کی ہمتیں پست ہوئیں۔ جہاں پہنچے اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کی تدبیریں کیں۔ فقراء اور مساکین کی مالی امداد کی۔ چھوٹے بچوں میں تعلیم پھیلائی، بیماروں کی خدمتیں کیں۔ مسٹر سریفاریا لکھتا ہے کہ انھوں نے باوجود ان تمام احسانات کے ان کے مذہب میں کبھی دست اندازی نہ کی۔ بلکہ انھوں نے اپنا مقصد ان کو مذہبی خیالات سے علٰحدہ رکھنا قرار دیا۔ کیونکہ ان کا اب یہ خیال تھا کہ اگر ہم انجیل کو عرب میں شایع نہ کر سکے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ سلطنت فرانس کے اقتدار کو ان لوگوں میں اس بہانے سے عمدہ طریقہ سے پھیلا سکیں گے اور ان احسانات کے ذریعہ سے ان کے دلوں میں سلطنت سے ہمدردی کا بیج بو سکیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعدد ازواج

قرون وسطیٰ میں عام خیال تھا کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا سب سے بڑا کام تعدد ازدواج ہے۔ کیونکہ انھوں نے اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا، بیرون ستم ظریفی سے کہتا ہے کہ "اسلام نے عورتوں کے لئے بھی متعدد شوہروں کا وعدہ کیا ہے" عیسائی واعظوں نے انھیں جھوٹی روایتوں پر اعتماد کرکے اسلام کو یہ خطاب دے ہیں، "چارپایوں، اونٹوں اور جانوروں کا مذہب" رینان نے ابن رشد کی جو سوانح عمری لکھی ہے، اس میں لکھتا ہے کہ "یہ مذہب ..... کا یا ان لوگوں کا ہے، جو غریق شہوت ہیں"۔

تعدد ازواج ہم تہذیب یافتہ لوگوں کے اخلاق اور بالخصوص ہماری مذہبی رسوم پر نشتر کا کام دیتا ہے، شریعت موسوی میں تعدد ازواج موجود تھا اور گو حضرت موسیٰؑ کی شریعت بھی حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کی طرح الہامی شریعت ہے۔ تاہم ہم اس مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے، پادری بروغلی کہتا ہے کہ "یہ ایک ایسا حکم ہے، جس کا مقصد سمجھنا مشکل ہے۔ خدا نے خاص حالتوں میں اس کو جائز کردیا تھا، جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے"۔ میں سمجھتا ہوں کہ پادری موصوف اور ان کے ہم خیالوں کو یہ ڈر پیدا ہوتا ہوگا کہ مذہب عیسوی کو ایسے دو مذہبوں کے ہمسایہ میں رہ کر داغ نہ لگ جائے جو منزل من اللہ ہیں اور جن کے مسائل مذہب عیسوی کے مخالف ہیں، لیکن ہم اگر یہ تسلیم کرلیں کہ شریعت الٰہی بھی ان مصلحتوں کو ملحوظ رکھتی ہے، جو شریعت انسانی میں ہوتی ہیں تو کیا ہرج ہے۔ انسانی قانون احکام میں نہایت احتیاط سے کام لیتا ہے اور وقت اور موقع کی تمام ضرورتوں کا لحاظ رکھتا ہے تو پھر شریعت الٰہی میں اس قسم کی احتیاط اور مراعات نہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کی کیا وجہ ہے، مانسیو دولست جو ایک بڑا متکلم شخص ہے، اس کی بھی یہی رائے ہے کہ سب سے پہلے جو اخلاقی شریعت خدا نے نازل کی وہ لوگوں کے حالات، اخلاق اور زمانہ کی ضرورتوں کے موافق تھی۔ سمٹیک قوموں کے اخلاق میں ایک نقص پایا جاتا ہے جو ان کی اصل فطرت میں موجود ہے اور جس کی تلافی ابد تک نہیں ہو سکتی یعنی کثرت شہوت، بے شبہ یہ ایک اخلاقی عیب ہے؛ لیکن بہرحال جسم کی قوت اور صحت کی دلیل ہے۔ مشرق کے مردوں میں مغرب کی بہ نسبت زیادہ قوت اور جوش پایا جاتا ہے، اس لئے بعض علمائے علم طبائع الامم کی رائے ہے کہ چونکہ مشرقی لوگوں میں غایت درجہ کی قوت پائی جاتی ہے، اس لئے تعدد ازواج ان قوموں کے لئے ایک ضروری چیز ہے۔

عجائبات قدرت جن کے خیال سے عقل حیرت زدہ ہو جاتی ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مغرب میں خدا متعدد ہیں، لیکن بیوی صرف ایک۔ بخلاف اس کے مشرق میں خدا ایک ہے اور بیویاں متعدد، متعدد خدا اور جورو ایک اہل مغرب کے مناسب ہے اور متعدد جورو اور ایک خدا اہل مشرق کے لئے موزوں ہے۔

چونکہ اہل مغرب و اہل مشرق کے مذہب، تمدن اور نوعیت میں کلیۃً اختلاف ہے، اس لئے ہم مغربی لوگ قرآن کے احکام کو جو متعدد تعدد ازواج کے متعلق ہیں اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے۔

ایک بڑا ضروری پہلو جس کو محققین نے ہمیشہ نظر انداز کر دیا، یہ ہے کہ تعدد ازواج عرب کی قدیم عادت ہے، جو اسلام سے بہت پہلے بھی موجود تھی، عرب میں تعدد ازواج مساجد کے وجود پر مقدم ہے، اس لئے پادری بروغلی کا یہ قول کلیۃً غلط ہے کہ تعدد ازواج اسلام کے ساتھ پیدا ہوا، یہ قطعی ہے کہ قبائل عرب جو اسلام لائے وہ اسلام سے پہلے بھی اسی طریقہ پر تھے جیسا کہ آج حبشی قوموں کا حال ہے، جو عموماً اسلام کی طرف مائل ہیں، قرآن مجید میں جس حد تک تعدد ازواج ہے، قبائل عرب اور سودان میں اس سے کہیں زیادہ رواج تھا، قرآن مجید میں صرف چار بیبیوں کی اجازت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، اسی بنا پر اہل عرب اور سودان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپؐ سختی پسند پیغمبر تھے، اس میں بھی شبہہ نہیں کہ ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان ایک ہی زوجہ کی طرف تھا، جیسا کہ آپؐ کی ابتدائی زندگی شاہد ہے، لیکن قریش کو اس کا پابند کرنا سخت مشکل تھا، ان میں ایسے لوگ تھے جو دس دس بیویاں رکھتے تھے، (مثلاً حارث و غلمان) ان کو اگر یہ حکم دیا جاتا کہ صرف ایک بیوی پر اکتفا کریں تو ان کو سخت ناگوار ہوتا اور وہ اس کے متحمل نہ ہوسکتے، ممکن تھا کہ اس کا یہ اثر ہوتا کہ ان کے جدید عقائد متزلزل ہو جاتے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ دس بی بیوں میں سے صرف چار کو ترجیح کے اعتبار سے انتخاب کرلیں اور باقی کو طلاق دے دیں۔

ذیل کی آیت سے پایا جاتا ہے کہ اسلام ایک بیوی پر اکتفا کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ (نساء ۴: ۳)	اور اگر تم کو ڈر ہے کہ تم یتیموں میں انصاف نہ کرسکو گے تو جو عورتیں پسند آئیں ان سے نکاح کرلو، دو، خواہ تین، خواہ چار لیکن اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم عدل نہ کرسکو گے تو صرف ایک یا جو تمہاری مملوکہ ہوں۔

اس آیت کے دوسرے ٹکڑے کے معنی جیسا کہ علماء سے مروی ہے یہ ہیں کہ اگر آدمی کو خوف ہو کہ وہ اپنی بی بیوں میں عدل نہ کرسکے گا اور کسی بیوی کو اوروں پر ترجیح دے گا، اس کے ساتھ اس کی حالت اس کی مقتضی نہ ہو کہ دونوں کے حقوق ادا کرسکے تو اس پر فرض ہوگا کہ ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے۔

بعض علماء کی یہ بھی رائے ہے کہ انسان تعدد ازواج کی نسبت خود مختار نہیں ہے بلکہ یہ قاضی کا کام ہے کہ ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے مناسب حکم دے، اگر اس کے نزدیک اس سے عدل نہیں ہوسکتا تو وہ اس کو تعدد ازواج کی اجازت نہ دے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان علماء نے سند میں یہ روایت پیش کی ہے کہ خلیفہ منصور اپنی بیوی کو حد سے زیادہ چاہتا تھا اور اس بنا پر اس نے دوسری شادی کا ارادہ نہیں کیا، لیکن جب چند برس عیش و عشرت سے گذری تو اس کو جدت کی ہوس ہوئی اور دوسری شادی کرنی چاہی، منصور کی بیوی کو یہ حال سن کر سخت رنج ہوا اور اس نے کہا کہ ایک سے زیادہ شادی ناجائز ہے، منصور نے امام ابو حنیفہؒ کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ مسلمان کے لئے کَے بیویاں جائز ہیں؟ امام صاحب بول اٹھے کہ چار۔ منصور نے اپنی بیوی کی طرف (جو پردہ سے سن رہی تھی) دیکھا اور بہ آواز کہا کہ امام صاحب کی رائے سنی۔ امام صاحب نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ "لیکن منصور کو ایک سے زیادہ شادی جائز نہیں" منصور نے پوچھا کیوں؟ امام صاحب نے کہا تم نے اپنی بیوی کی طرف جس انداز سے دیکھا اور جس طرح گفتگو کی، اس سے میں قیاس کرتا ہوں کہ تم اس کے ساتھ عدل نہیں کرتے اس لئے میں حکم دیتا ہوں کہ اسی پر قناعت کرو۔ (۱)

مجھ کو معلوم نہیں کہ منصور نے امام ابو حنیفہؒ کے اس حکم کی اطاعت بھی کی یا نہیں، جو لوگ تعدد ازواج کی خواہش ظاہر کرتے ہیں ان کی حالت منصور سے مشابہ ہے، کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ ازواج میں عدل نہیں ہوسکتا، اسی بنا پر بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ قضاۃ کے سامنے اس قسم کے مقدمات پیش ہوتے ہوں، لیکن نان و نفقہ کے لحاظ سے یہ حالت نہیں ہے۔

تعدد ازواج کو جن چیزوں نے روک رکھا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ متعدد بیویوں کی کفالت نہیں ہوسکتی، مشرق میں تعدد ازواج، امارت پسندی میں داخل ہے، اسی بنا پر اس سے صرف دولت مند لوگ متمتع ہوتے ہیں اور یہ امر گویا دولت مندی کا ایک لازمہ خیال کیا جاتا ہے، جیسا کہ قدیم جرمن لوگوں میں خیال تھا اور چونکہ مسلمان اختلاف حالت کو نہایت رضا مندی اور حسن اعتقاد کے ساتھ قبول کرتے ہیں، اس لئے فقراء کو امراء کے تعدد ازواج پر رشک نہیں پیدا ہوتا، جس طرح وہ امراء کی اور امتیازی باتوں پر رشک نہیں کرتے، وہ قرآن مجید کے تمام احکام کا جس طرح ادب

(۱) یہ روایت سیرۃ النعمان حصہ اول ص ۶۰ پر بھی ہے "ک" طبع جدید ۱۹۹۸ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں، اسی طرح اس حکم (یعنی جو عدل کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ متعدد شادیوں کا مجاز نہیں) کی بھی اطاعت کرتے ہیں، اس کے علاوہ وہ اس سے ناواقف نہیں کہ کئی بیویوں والے کو کیا کیا مصائب اور رنج پیش آتے ہیں اور یہ کہ عیش کامل انھیں کا حصہ ہے، جو ایک بیوی پر قانع ہیں۔

مانسیو کا روز کا یہ خیال غلط ہے کہ تعدد ازواج غرباء کے لئے حرام ہے اور امراء کے لئے قابل عفو گناہ ہے، تعدد ازواج کی نسبت مسلمانوں کا وہی خیال ہے جو پولوس مقدس اکثر کہا کرتا تھا کہ ہر مباح چیز لائق عمل نہیں، شریعت اسلامی نے گو تعدد ازواج کو جائز کہا ہے، لیکن اکثر مسلمان اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، وہ جانتے ہیں کہ اس سے تنگی معاش اور فقدان صحت کا ڈر ہے، کثیر الازواج اشخاص کی بیویاں اکثر شاکی رہتی ہیں کہ ان کے ازواج ان سے قطع تعلق کر لیتے ہیں، رات دن کے جھگڑوں سے گھر مصیبت کدہ بن جاتا ہے، عربی زبان میں اکثر ایسے جملے پائے جاتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کثرت ازدواج ان کو پسند نہیں، مثلاً دو گھوڑوں پر سوار ہونے والے شخص کو گرنے سے ڈرنا چاہئے۔

محبت کے لئے دو بیویاں بہت ہیں اور اگر عافیت درکار ہے تو صرف ایک، جو قانون معاملات ازدواج میں امیر و غریب کو یکساں حق نہیں دیتا، ہمارے موجودہ خیالات اس کی تائید نہیں کر سکتے، لیکن جو شخص مسلمانوں کے حالات سے واقف ہے، وہ سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانوں میں اس قسم کا قانون وہ نتائج نہیں پیدا کرتا جو ہم خیال کرتے ہیں۔

مسلمان غرباء اپنی حالت پر قانع اور رضا مند ہیں، خدا نے ان کی قسمت میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ دل سے اس پر راضی ہیں۔ گو مانسیو دو برجلی اس امراء کو تسلیم نہیں کرتے۔

قرآن مجید مفلس کے لئے حکم دیتا ہے کہ جب تک اس کو نکاح کا مقدور نہ ہو وہ انتظار کرے، (دیکھو کتاب کا ضمیمہ ششم) با ایں ہمہ مسلمانوں میں ایسے بہت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کم ہوتے ہیں جو شادی سے محروم ہوں، عموماً لوگ ۱۸ برس کے سن میں شادی کرتے ہیں اہل مشرق غروب (شادی نہ کرنا) سے بالکل ناواقف ہیں، یہ مصیبت تمدن حال نے پیدا کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے جب باتیں کرتے تھے تو یہ فقرہ اکثر فرماتے تھے کہ "اسلام میں رہبانیت نہیں ہے" ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ جورو والے کی ایک سانس، ساٹھ شادی نہ کرنے والوں کی نماز سے بہتر ہے۔ (یہ حدیث خدا جانے کہاں سے نقل کر دی ہے)

ناظرین کو تقریرات بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ جو لوگ تعدد ازدواج کے نقصانات بیان کرتے ہیں، انھوں نے اگر غلط بیانی نہیں کی ہے تو کم از کم مبالغہ ضرور کیا ہے، پادری بردجلی کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ "مشرق میں جو شرمناک برائیاں پھیلی ہیں، تعدد ازواج کی بدولت ہیں" بلکہ سچ یہ ہے کہ اس رسم نے ان برائیوں کو نرم کر دیا ہے، اس کے علاوہ یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ مشرق میں یہ برائیاں مغرب سے زیادہ ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اسلام پر یہ داغ ان یورپین سیاحوں نے لگایا ہے، جن کی عادت ہے کہ بغیر تحقیق کے جزئی واقعہ سے کلیات بنا لیتے ہیں، اگر یہ تعمیم نہ ہوتی تو ان کو اپنی تصنیفات کے لئے کچھ سرمایہ ہاتھ نہ آتا، شرمناک برائیاں ہر قوم میں ہوتی ہیں، پیرس، لندن، برلن میں یہ برائیاں مشرق سے زیادہ ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے ان کو بڑی سختی سے حرام قرار دیا ہے اور ان کو معمولی گناہ نہیں قرار دیا ہے، جیسا کہ بعض لوگ اس آیت سے استنباط کرتے ہیں "وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" (نساء ۴: ۱۶)

آیت مذکورہ سے یہ استنباط کرنا کہ شارع اسلام نے بدکاری کو ایک معمولی گناہ قرار دیا ہے، آیت کے معنی بدل دینا ہے، اس کے علاوہ اس مضمون کے متعلق قرآن میں صرف یہی ایک آیت نہیں ہے، بلکہ اور بہت سی آیتیں ہیں، مثلاً سورہ اعراف کی یہ آیت وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۔ (اعراف ۷: ۸۰)

اسلام کے احکام جو اس بدکاری کے متعلق ہیں، خواہ قرآن سے ماخوذ ہوں یا حدیث سے، تمام دنیا کی شریعتوں کے مقابلہ میں نہایت سخت ہیں، شریعت اسلام نے خلاف وضع فطری جرم کے لئے قتل کی سزا مقرر کی ہے، اگر مرتکبان جرم دونوں بالغ ہوں تو دونوں قتل کردئے جائیں گے، ایک ہو تو ایک اور دونوں نابالغ ہوں تو ان کو سو سو دڑے لگائے جائیں گے اور بدکاریاں جو قریب البلوغ لوگوں میں پائی جاتی ہیں، مشرق میں بجز استثنائی حالتوں کے ان کا وجود نہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کرنے میں نہایت آسانیاں ہیں، یہ خیال سخت غلط ہے کہ مسلمانوں کے مذہب میں عقد نکاح ایک قسم کی خرید و فروخت کا معاملہ ہے، جس کے ذریعہ سے عورت بیچ ڈالی جاتی ہے اور شوہر اس پر مالکانہ قابض ہو جاتا ہے، شریعت اسلام میں نکاح کے ذریعہ سے عورت کو بہت سے اخلاقی اور عملی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو عورت کا درجہ سوسائٹی میں بلند کردیتے ہیں، عورت کو اختیار ہے کہ وہ شوہر سے یہ شرطیں کرالے کہ وہ کسی اور عورت سے شادی نہ کرے گا، نہ لونڈی لائے گا، نہ بہت دنوں تک گھر سے غائب رہے گا، نہ اس کو کسی طرح کی تکلیف دے گا، نہ اس کو گھر کے مشکل کاموں میں پھنسائے گا، شوہر اگر شرائط کی پابندی نہ کرے گا تو عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ طلاق لے لے، اگر وہ طلاق کو پسند نہیں کرتی تو اس کو اختیار ہے کہ قاضی سے درخواست کرے کہ شوہر اس کے سوکن کو طلاق دے دے اور لونڈی کو آزاد کردے تاکہ وہ اس سے متمتع نہ ہونے پائے .....۔

قرآن نے صرف یہی نہیں کیا کہ چار کی قید لگاکر تعداد ازواج کے دائرہ کو گھٹا دیا بلکہ اس نے اس کے طریقہ کو بھی مٹا دیا، جو عرب میں عام طور سے مروج تھا، یعنی چند روزہ نکاح (متعہ)۔

مانسیور یفیل کہتے ہیں کہ اگر ہم پیغمبر اسلام کے زمانہ کی طرف رجوع کریں تو معلوم ہوگا کہ عورتوں کے لئے جو مفید احکام پیغمبر اسلام نے صادر کئے کسی نے نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے، عورتوں پر آپ کے بہت سے احسانات ہیں، قرآن میں عورتوں کے حقوق کے متعلق بہت سی مہتم بالشان آیتیں ہیں، بعض آیتوں میں بیان ہے کہ عورتوں سے کس قسم کے تمتعات ناجائز ہیں، بعض میں یہ تفصیل ہے کہ کس حشمت و وقار سے ان سے معاملہ کرنا چاہیے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ۔ (مائدہ ۵:۵)	آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے اور مسلمان عفیفہ عورتیں اور اس قوم کی عفیفہ عورتیں جن پر تم سے پہلے کتاب نازل ہو چکی ہے، جب کہ تم ان کے مہر ادا کر دو اور عفت مقصود ہو، نہ عیاشی اور داشتہ بنانا۔
قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۔ (نور ۲۴: ۳۰)	مسلمانوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور فحش سے بچی رہیں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی ہے اور خدا ان کے کاموں سے واقف ہے۔
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۔ (مؤمنون ۲۳: ۱ تا ۵)	وہ مسلمان کامیاب ہیں، جو نماز میں خشوع کرتے ہیں اور بے ہودہ باتوں سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور پاک دامن رہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بہت سے ایسے احکام تلقین کیے جن میں شہوت رانی سے روکا اور عفت و عصمت کی تاکید کی۔ آپ نے حکم دیا کہ منگیتر کو بھی عورت کا صرف چہرہ اور ہاتھ دیکھنا جائز ہے اور بے گانہ عورت کو نظر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے۔ انجیل میں ہے کہ "جو شخص کسی عورت کو نظر شہوت سے دیکھتا ہے، وہ دل سے زنا کرتا ہے" مسلمانوں کا مقولہ ہے کہ آنکھ کا زنا ظاہری زنا سے زیادہ برا ہے۔ ان احکام نے بدنظری کو زنا کے برابر قرار دے دیا اور اس کی پابندی صرف مسلمان کر سکتے ہیں، جن کی عورتیں پردہ میں رہتی ہیں۔

آیات مذکورہ قرآن سے معلوم ہوگا کہ پیغمبر کو ان خرابیوں کے روکنے کا کس قدر خیال تھا، جو عشق و ہوس سے پیدا ہوتی ہیں، یہ بندشیں اس غرض سے تھیں کہ اولاد و ازواج والے امن و راحت سے رہیں۔ غالباً انجیل میں اس سے زیادہ سخت احکام ہیں۔ لیکن ان پر صرف وہ لوگ عمل کرتے ہیں، جن کو خدا نے کمالات اخلاقی میں ممتاز کیا ہے اور وہ بہت کم ہیں۔ باقی عام لوگ تو اخلاقی حیثیت سے ان کو دوسری قوموں پر کچھ ترجیح نہیں۔ بخلاف اس کے قرآن کے احکام نرم ہیں۔ عام مسلمان ان کا لحاظ رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن میں صفائی اور صحت کی تاکید ہے۔ مسلمان اس پر کاربند ہیں اور اس وجہ سے ان کے اخلاق ممتاز ہیں۔ ان باتوں نے ان کی طبیعتوں میں متانت اور وقار پیدا کر دیا ہے۔ اگر اس قسم کے احکام نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ مسلمان بھی شہوت پرست بن جاتے جیسا کہ آج کل تہذیب یافتہ قوموں کا حال ہے۔

مسلمانوں اور عیسائیوں میں غیرت و حمیت کے لحاظ سے آسمان و زمین کا فرق ہے۔ مسلمان جب یورپ کے اشتہارات پڑھتا ہے، یورپین عورتوں کو ننگے لباس میں ناچتے دیکھتا ہے، رقص کے جلسوں میں بے حیائی کے ساتھ بازو کھولے ہوئے دیکھتا ہے اور اس قسم کے ہمارے اور تفریحی جلسوں میں شریک ہوتا ہے تو اس کی نظر پر زخم لگتا ہے۔ میں نے ایک دن وزیر مصطفیٰ کے گھر میں شیوخ عرب کو دیکھا، جن کے پاکیزہ اخلاق و عادات ان کے سر کے تاج اور تمغائے امتیاز تھے۔ وہ اس لئے بلائے گئے تھے کہ ان کی شرکت سے جلسہ کی شان بڑھے۔ ان کے سامنے عیسائی عورتیں مردوں کی بغل میں ہاتھ ڈالے سینے کھولے ہوئے ٹہلتی پھرتی تھیں، یہ شیوخ ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کو یہ نہیں خیال ہوتا تھا کہ وہ کسی تفریحی جلسہ میں شریک ہیں، بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک ایسا تماشا گاہ ہے۔ جس میں شہوت پرستی کو بالکل آزادی دے دی گئی ہے اور چہروں سے شرم کی نقاب اٹھا دی گئی ہے۔ اس لئے ہر شخص جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جیسا کہ سال میں ایک دن حبشی اور بعض اور کمینہ قوموں میں اس قسم کی بے ہودگیوں کا رواج ہے۔ لیکن جب وہ دیکھتے ہیں کہ جلسہ میں وہ معزز افسر شریک ہیں، جن کے وہ ماتحت ہیں تو ان کو اپنے خیال سے باز آنا پڑا اور سمجھے کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں یہ اصلی حالت ہے اور اہل یورپ کا یہ عام معمول ہے۔ اس وقت ان کو اپنی شریعت کے احکام یاد آئے اور جب انھوں نے اس شرمناک منظر کا ان احکام سے مقابلہ کیا تو دفعتہً قرآن مجید کی عظمت ان کے دلوں میں بڑھ گئی، جس میں یہ احکام ہیں:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ٭ (نور ۲۴: ۳۱)	مسلمان عورتوں سے کہدو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ناموس کی حفاظت کریں اور اپنی آرائش نہ دکھلائیں بجز اس حصہ کے جو خود کھلا رہتا ہے اور اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈال لیں، الیٰ آخرہ۔ (۱)

(۱) یہ پوری آیت نقل کرنے کے بعد مصنف نے اس مضمون کی اور دو آیتیں بھی نقل کی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیوں کر رہنا چاہیے۔

مسلمانوں نے چار دانگ عالم میں بارہ تیرہ سو برس تک حکومت کی، حکومت کا آغاز عین بانی اسلام کے زمانہ میں ہوا اور آج تک جا بجا اسلامی حکومتیں قائم ہیں، سینکڑوں غیر قومیں اس کی محکوم ہوئیں، ان اسباب سے یہ بدیہی ہے کہ اسلام نے غیر مذہب والوں پر حکومت کرنے کے دستور اور آئین مفصل منضبط کئے ہوں گے۔

لیکن اسلام کو محکوم ہو کر بہت کم رہنا پڑا، اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس حالت کے متعلق حدیث سے، فقہ سے، تاریخ سے ہم کو کوئی ہدایت نہیں مل سکتی اور فقہ کا یہ حصہ بالکل اچھوتا رہ گیا۔

چونکہ یہ نہایت سخت خطرناک غلطی ہے، اس لئے ہم تفصیل سے بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں اس کے متعلق کافی قواعد اور احکام موجود ہیں اور حدیث، فقہ، تاریخ سب اس قسم کے مسائل اور واقعات سے لبریز ہیں۔

اس مسئلہ کے متعلق اصل میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی غیر مذہب حکومت مسلمانوں کے ملک اور زمین پر قابض ہو جائے تو۔

۱۔ یہ قبضہ حقیقی ہوتا ہے یا غاصبانہ۔

۲۔ مسلمانوں کو حکومت کی اطاعت فرض ہوتی ہے یا نہیں۔

فقہ میں اس کا ایک مستقل باب ہے، جس کی سرخی یہ ہے باب استیلاء الکفار اس کے ذیل میں یہ حکم ہیں۔

وان غلبوا علی اموالنا	اگر غیر مذہب والے ہمارے مال پر غالب آجائیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واحرزوها بدارھم ملکوھا	اور اس کو اپنے گھر میں جمع کریں تو وہ اس کے مالک ہوں گے۔
ویجب علینا اتباعھم (۱)	اور ہم پر ان کی اطاعت فرض ہوگی۔

چونکہ اسلامی احکام کی اصلی بنیاد قرآن اور حدیث ہے، اس لئے فقہی روایتوں سے پہلے ہم قرآن و حدیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں ان صحابہ کو جو دولت مند تھے اور اپنی دولت چھوڑ کر ہجرت کر کے چلے آئے تھے اور ان کے مال و دولت پر اہل مکہ نے قبضہ کرلیا تھا، خدا نے فقیر فرمایا ہے، لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ (حشر ۵۹ : ۸) اس سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب مکہ نے ان کے مال و اسباب پر قبضہ کرلیا تو وہ اس کے حقیقی مالک ہوگئے، اس بنا پر صحابہ کو خدا نے فقیر فرمایا، شاید کسی کو خیال ہو کہ چونکہ صحابہ کا قبضہ جاتا رہا تھا، اس لئے خدا نے ان کو مفلس کہا، لیکن ایسے شخص کے لئے جو گھر سے نکل آئے اور اس کے مال و اسباب پر اور لوگ قابض ہو جائیں اصطلاح شرع میں ایک دوسرا لفظ موجود ہے، یعنی ابن السبیل۔

شامی شرح درمختار میں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ قبضہ کی حالت میں قابض لوگ حقیقی مالک ہو جاتے ہیں یہ استدلال کیا ہے۔

لقوله تعالی للفقراء المهاجرین سماهم فقراء فدل علی ان الکفار ملکوا اموالهم اللتی هاجروا منها ومن لا یصل الی ماله لیس فقیرا بل هو ابن السبیل	کیونکہ خدا نے فرمایا ہے للفقراء المهاجرین اس آیت میں خدا نے مہاجرین کو فقیر کہا، اس سے معلوم ہوا کہ کفار صحابہ کے مال کے حقیقی مالک ہوگئے تھے، کیونکہ جو شخص اپنے مال کا مالک ہوتا ہے اور صرف اس کا قبضہ اٹھ جاتا ہے تو اس کو فقیر نہیں بلکہ ابن السبیل کہتے ہیں۔

(۱) درمختار ج ۲ کی شرح تنویر الابصار کے حاشیہ پر علامہ طحاوی نے "یجب" کے بجائے "یفترض" لکھا ہے ص ۵۵۴ مک۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہاء کے نازک اور دقیق استدلال کی ہم داد دیتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس قدر موشگافی اور دقیقہ سنجی کی ضرورت نہیں ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا واقعہ پیش آچکا تھا اور اس طرز عمل سے صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کو غیر مذہب کی حکومت میں کیونکر رہنا چاہئے ؟ مکہ میں جب مخالفوں نے مسلمانوں کو حد سے زیادہ ستانا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ ہجرت کرکے حبش ابی سینیا کو چلے جائیں ۔ چنانچہ بہت سے صحابہ جن میں حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ بھی تھے ۔ (۱) حبش میں چلے گئے ۔ حبش کا بادشاہ عیسائی تھا ۔ جس کو اہل عرب نجاشی کہتے تھے ۔ صحابہ جب حبش میں آئے تو اتفاق سے چند روز بعد کسی بادشاہ نے اس ملک پر چڑھائی کی اور نجاشی نے اس کے مقابلہ کے لئے فوجیں بھیجیں ۔ صحابہ نے خود بلاکسی کی تحریک کے اپنی طرف سے ایک قاصد بھیجا کہ فوج کے ساتھ جائے اور دم دم کی خبریں بھیجتا رہے ۔ تاکہ اگر ضرورت ہو تو خود ہم لوگ نجاشی کی مدد کو آئیں ۔ صحابہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پنج وقتہ نمازوں میں نجاشی کی فتح کی دعائیں مانگتے تھے ۔ چنانچہ یہ واقعہ محدث طبری نے اپنی تاریخ میں پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ۔ کوئی رعایا حکومت کے ساتھ اس سے زیادہ اور کیا وفاداری اور اطاعت شعاری کرسکتی ہے ؟ کیا آج گورنمنٹ کو اس سے زیادہ کچھ درکار ہے ۔

اسلام کی تاریخ میں اکثر غیر قومیں اسلامی ملکوں پر قابض ہوگئیں ۔ اس وقت ہزاروں فقہاء اور علماء موجود تھے ۔ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس کے متعلق فقہی احکام نہ مرتب کرتے ۔ تاتاریوں نے جب تمام ایران اور عراق پر قبضہ کرلیا تو اس وقت جس قدر فقہ کی کتابیں تصنیف ہوئیں سب میں اس کے متعلق تفصیلی احکام موجود ہیں ۔ اصل بحث یہ پیدا ہوئی کہ یہ ممالک دار الاسلام ہوں گے یا دارالحرب ۔ تمام فقہاء نے یہ اتفاق لکھا کہ جب تک اسلامی احکام یعنی نماز ۔ روزہ وغیرہ جاری ہیں ۔ اس وقت تک

(۱) عبدالرحمان بن عوفؓ کا ذکر تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۱۸۲ پر ہے ۔ مطبوعہ بریل ۱۸۸۱ء "ک"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دار الاسلام باقی رہے گا اور مسلمانوں کی وہی حالت ہوگی جو اسلامی ملک میں ہوتی ہے،
فتاویٰ بزازیہ میں یہ ہے۔

واما البلاد اللتی علیها ولاة کفار فیجوز فیها ایضا اقامته الجمع و الاعیاد و القاضی قاض بتراضی المسلمین وقد تقرر ان ببقاء شی من العلة یبقی الحکم وقد حکمنا بلا خلاف بان هذه الدیار قبل استیلاء التتار کانت من دیار الاسلام وبعد استیلائهم اعلان الاذان و الجمع و الجماعات و الحکم بمقتضی الشرع و الفتوی و التدرس ذائع بلا نکیر من ملوکهم فالحکم بانها من بلاد الحرب لا جهة له (۱)	باقی وہ مقامات جن کے حاکم کافر ہیں تو وہاں بھی جمعہ اور عیدین کا ادا کرنا جائز ہوگا اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوگا۔ کیونکہ یہ طے ہو چکا ہے کہ جب تک علت باقی رہتی ہے حکم باقی رہتا ہے اور یہ متفقاً ہم لوگ طے کر چکے کہ یہ مقامات تاتاریوں کے آنے سے پہلے دارالاسلام تھے اور ان کے قابض ہونے کے بعد اذان جمعہ اور جماعت بہ اعلان ہوتی ہے اور فیصلے شریعت کے موافق کئے جاتے ہیں اور درس و تدریس بغیر روک ٹوک کے جاری ہے تو ایسی حالت میں ان مقامات کو دارالحرب کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

غور کرو فقہاء نے تاتاریوں کے زمانہ میں یہ فتویٰ دیا، جو بت پرست تھے اور جن کو مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہ تھی، آج جب کہ عیسائی حکومت ہے، جو اہل کتاب ہیں، مسلمانوں کے فرائض مذہبی میں کوئی تعرض نہیں کیا جاتا، مسلمان خود عیسائی مذہب کا زور شور سے سر بازار رد کرتے ہیں تو ایسی حالت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے کہ حکومت کی وہی پوزیشن ہوگی جو اکبر و جہانگیر کے زمانہ میں تھی اور فقہاء کا یہ حکم واجب العمل ہوگا کہ:۔

و یجب علینا اتباعهم (درمختار)	اور ہم پر ان کی اطاعت واجب ہوگی۔

(۱) فتاویٰ بزازیہ کتاب السیه الثالث فی الحظر و الاباحة ج ۳ بر حاشیہ فتاویٰ عالمگیری جزء ۳ ج ۶ ص ۳۱۲ تا ۳۱۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ محض تھیوری یعنی زبانی باتیں تھیں، کثرت سے تاریخی واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ مسلمانوں کا ہمیشہ طرز عمل یہی رہا، وہ جو کچھ کہتے تھے، کرتے بھی تھے، ساتویں صدی میں جزیرہ سسلی پر عیسائی حکومت قابض ہو گئی تھی اور راجر تخت نشین حکومت تھا، اس وقت تک وہاں کثرت سے مسلمان موجود تھے، ان کا طرز عمل یہ تھا کہ بادشاہ کے نہایت مطیع اور وفادار تھے، یہاں تک کہ بادشاہ کو جس قدر ان پر اعتماد تھا، خود اپنی عیسائی رعایا پر نہ تھا، علامہ ابن جبیر نے اسی زمانہ میں سسلی کا سفر کیا تھا، وہ ان واقعات کو لکھ کر لکھتا ہے کہ یہاں پر تمام بڑے بڑے عہدوں پر مسلمان مامور ہیں، یہاں تک کہ شاہی باورچی خانہ کا اہتمام بھی مزید اعتماد کی وجہ سے مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔

تاتاری جس زمانہ میں ایران اور عراق پر قابض تھے، اکثر بڑے بڑے عہدوں پر مسلمان ہی مامور تھے، ہلاکو خاں کی سفاکی اور اسلام کی دشمنی مسئلہ عام ہے، بغداد جو مسلمانوں کے جاہ و جلال کا کعبہ تھا اسی کے ہاتھوں برباد ہوا تھا تاہم اس کے حکومت کے دست و بازو خواجہ رشیدالدین اور علاء الدین جوینی تھے، خواجہ رشیدالدین وزیراعظم تھے اور درحقیقت کاروبار حکومت انہیں کے ہاتھ سے انجام پاتے تھے۔

ہلاکو خاں کے بعد جب اس کا بیٹا اباقاآن خان بادشاہ ہوا تو اس کے دور میں بھی ان دونوں بھائیوں کا وہی احترام رہا، علامہ شاکر کتبی نے فوات الوفیات میں جہاں علاء الدین جوینی کا تذکرہ لکھا، لکھتے ہیں:۔

صاحب الدیوان الخراسانی اخوا الصاحب الکبیر شمس الدین کان لھما الحل و العقد فی دولۃ ابغا و نالا من الجاہ و الحشمۃ ما یجاوز الوصف	وزارت خراسان کے مالک اور وزیراعظم شمس الدین کے بھائی تھے اور ابغا کی سلطنت میں یہی دونوں بھائی سیاہ و سپید کے مالک تھے اور اس قدر دولت و حشمت ان لوگوں نے حاصل کی جو بیان سے باہر ہے۔

روضۃ الصفا میں جہاں خواجہ شمس الدین (وزیر ہلاکو خاں) کا تذکرہ کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، لکھا ہے:۔

" چون اباقا خان بر سریر سلطنت قرار گرفت، خواجہ مشار الیہ (خواجہ شمس الدین) زیادہ از معہود و منظور سیور غاتشی یافت وشغل خطیر وزارت بر قرار سابق با و مفوض گشت و خدمتش بہ عزمے صائب ورائے ثابت و اقبال مساعدور اہتمام مہام مملکت و ترقیہ احوال سپاہی و رعیت و اصلاح خلل وتدارک ذلل بہ نوعی شروع نمود کہ مزید سے برآن متصور نبود، ملوک و سلاطین و اکابر خراسان وعراق و بغداد و شام و روم دارمن را ملجا و ماوی شد"

یہ اعتماد، یہ رتبہ ان لوگوں نے اسی وجہ سے حاصل کیا تھا کہ جس وفاداری، دیانت اور لیاقت سے یہ لوگ بادشاہی خدمات بجا لاتے تھے، خود ہلاکو خان کے ہم قوم اور عزیز بجا نہیں لاسکتے تھے۔

محقق طوسی جن کی شہرت محتاج بیان نہیں، وہ بھی ہلاکو خان کے معتمد خاص تھے اور اوقاف اسلامی کل انہیں کے زیر اہتمام تھے، فوات الوفیات میں لکھا ہے۔

کان ذا حرمۃ وافرۃ و منزلۃ عالیۃ عند ھلاکو و کان یطیعہ فیما یشیر بہ علیہ و الاموال فی تصریفہ	ہلاکو کے دربار میں ان کی بڑی عزت اور نہایت قدر تھی، ہلاکو ان کے مشوروں پر عمل کرتا تھا اور مال ان کے تصرف میں تھا۔

گو ہم پسند نہیں کرتے لیکن محقق طوسی نے ہلاکو خان کی وفاداری میں اسلام تک کو برباد کردیا، یعنی بغداد کا حملہ اور اس کی بربادی صرف محقق طوسی کے اشارہ سے تھی، ورنہ ہلاکو خاں اس پر آمادہ نہیں ہوتا تھا، چنانچہ قاضی نوراللہ شوستری نے مجالس المومنین میں اس واقعہ کو محقق طوسی کے مفاخر میں شمار کیا ہے۔

واقعات مذکورہ بالا سے تم کو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدزریں سے لے کر آج تک مسلمانوں کا ہمیشہ یہ شعار رہا کہ وہ جس حکومت کے زیر اثر رہتے اس کے وفادار اور اطاعت گذار رہتے یہ صرف ان کا طرز عمل نہ تھا بلکہ ان کے مذہب کی تعلیم تھی، جو قرآن مجید، حدیث، فقہ سب میں کنایۃً اور صراحۃً مذکور ہے۔

ماقصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم　　　ازمن بجز حکایت مہر و وفا مپرس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر قوموں کی مشابہت

ہماری قوم میں نئے علوم و فنون اور نئے تمدن اور شائستگی کے نہ پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں کا اب تک خیال ہے کہ ہم کو غیر قوموں کا تشبہ شرعاً ناجائز ہے، یہی وجہ ہے کہ اب تک قوم کے مقدس حضرات یورپین علوم و فنون، یورپین زبان، یورپین تمدن، یورپین طرز معاشرت سے جہاں تک ہوسکتا ہے، اجتناب کرتے ہیں اور بہ ضرورت کوئی بات اختیار کرنی پڑتی ہے تو ان کا دل ان کو ملامت کرتا رہتا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کی غلطیوں کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قدیم تعلیم میں تاریخ کا حصہ شامل نہ تھا اور اس وجہ سے اکثر مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ کے طرز معاشرت کے تفصیلی حالات سے بالکل آشنا نہیں، جس شخص نے سلف کی تاریخ سرسری نظر سے بھی پڑھی ہوگی، وہ اس بات سے کیوں کر انکار کرسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ نے تمدن اور معاشرت کے متعلق غیر قوموں کی بہت سی باتیں پسند فرمائیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں نہایت تفصیل کے ساتھ اصلاح رسومات پر ایک مضمون لکھا ہے، اس میں ایک موقع پر وہ تحریر فرماتے ہیں کہ "انبیاء اور پیغمبروں کا یہ طریقہ تھا کہ کھانے، پینے، لباس، تعمیرات، آرائش، خرید و فروخت وغیرہ کے متعلق وہ ان کے معمولات پر نظر ڈالتے تھے، جو ان کی قوم میں پہلے سے جاری تھے، اگر وہ معقول ہوتے تھے تو بحال خود رہنے دیتے تھے اور جن باتوں میں کسی قسم کی برائی ہوتی تھی، ان کی اصلاح کردیتے تھے"۔ (۱)

(۱) حجۃ اللہ البالغہ باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم ج ۱ ص ۸۲ مطبع خیریہ ۱۳۲۲ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد شاہ صاحب نے دیت، خمس، قسامت وغیرہ کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ قاعدے زمانہ جاہلیت میں جاری تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح رہنے دیئے" پھر فرماتے ہیں "وکان قباذ وابنہ انوشیروان وضعا علیھم الخراج والعشر فجاء الشرع بنحو من ذلک۔" (۱) یعنی قباذ اور اس کے بیٹے نوشیرواں نے لوگوں پر خراج اور عشر مقرر کیا تھا، پس شریعت بھی قریب قریب اسی کے مطابق آئی، شاہ صاحب نے چونکہ شریعت کا نام لیا اس لئے قریب قریب کا لفظ لکھا، لیکن امام ابوجعفر طبری نے جو محدث اور مجتہد دونوں تھے، جہاں نوشیرواں کے قانونِ خراج وجزیہ کا ذکر کیا ہے، صاف یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

اقتدی بھا عمر بن الخطاب یعنی "حضرت عمرؓ نے نوشیرواں کے ان قاعدوں کی اقتدا اور پیروی کی"۔ (۲)

یہ مسلم ہے کہ نوشیرواں مذہباً مجوسی اور قوم کے لحاظ سے ایرانی تھا، پھر جب حضرت عمرؓ کو تمدن اور امور ملکی کے متعلق ایک مجوسی اور ایرانی کی اقتدا سے عار نہ تھا تو آج ہم لوگوں کو یورپ کی عمدہ باتوں کے اختیار کرنے میں کیا مضائقہ ہوسکتا ہے۔؟

یہ بحث کلی طور پر تھی، اب ہم اس آرٹکل میں ان باتوں کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہتے ہیں جو قرن اول میں دوسری قوموں سے لی گئیں، لیکن قبل اس کے ان حدیثوں سے تعرض کرنا ضرور ہے، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری قوموں کی مشابہت سے منع فرماتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر یا بانئ مذہب، کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈالتا ہے تو اس کو خواہ مخواہ بعض ایسی علامتیں قائم کرنی پڑتی ہیں جو اس کے پیرؤں اور عام لوگوں میں امتیاز اور شناخت کا ذریعہ ہوں، اس قسم کی علامت کو "شعار" کہا جاتا ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ "وردی" یا "تمغہ" کیا جاسکتا ہے، بے شبہہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) حجۃ اللہ البالغہ باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم ج ۱ ص ۸۲ (۲) تاریخ طبری ج ۲ ص ۹۶۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بعض بعض چیزوں میں اس قسم کا امتیاز قائم کیا تھا اور ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ان باتوں میں غیر مذہب والوں کی مشابہت نہ اختیار کرو۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ دوسری قوموں اور دوسرے مذہب والوں کی ہر بات سے اجتناب کیا جائے سخت غلطی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل اور متعصب علماء کی نافہمی کی ایک عمدہ مثال یہ ہے کہ غزوہ احزاب میں جب قریش نے بڑے سروسامان سے مسلمانوں پر چڑھائی کی تو سلمان فارسیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ "ایران میں یہ دستور ہے کہ جب دشمن کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تو خندق کھود کر پناہ لیتے ہیں" (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشورہ کے مطابق خندق تیار کرائی اور عربی زبان میں خندق کا لفظ اول اسی وقت استعمال ہوا "خندق" کا لفظ "کندہ" کا معرب ہے، جس کے معنی کھودے گئے کے ہیں، معرب کرنے کا عام قاعدہ ہے کہ اخیر کی ہائے ہوز کو ق سے بدل لیتے ہیں، جس طرح پیادہ سے بیدق، خورنگہ سے خورنق، اسی طرح منجنیق اور دبابہ جو لڑائی کے آلات ہیں، عرب میں مستعمل نہ تھے، لیکن فارس اور یونان میں اس کا عام رواج تھا، سب سے پہلے طائف کے محاصرہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رومی نژاد صحابی کے اشارہ سے اس کا استعمال کیا۔ ان واقعات کے مقابلہ میں "جان نثاری" فوج کا واقعہ خیال کرو۔

یہ سلطنت ترکی کی ایک مشہور فوج تھی، جس نے یورپ اور ایشیا میں بے شمار فتوحات حاصل کی تھیں، سلطان محمود کے زمانہ میں جب یورپ نے فنون جنگ اور فوجی قواعد میں نئے نئے قاعدے ایجاد کئے تو سلطان موصوف نے اپنی فوج کو بھی انہیں اصول کے موافق مرتب کرنا چاہا، لیکن "جان نثاری" فوج نے اس بنا پر انکار کیا کہ ہم کافروں کی تقلید نہیں کرتے، یہ انکار دراصل فوج کی طرف سے نہ تھا، بلکہ

(۱) تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۴۶۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

در پردہ شیخ الاسلام کی سازش تھی اور وہ پیشوائے مذہب ہونے کے لحاظ سے اس تقلید کو ناجائز خیال کرتا تھا، سلطان محمود سمجھاتا تھا کہ نئے اصول کے اختیار کئے بغیر یورپ کی ہمسری نہیں ہوسکتی۔ ادھر شیخ الاسلام اور فوج کو اپنے تعصب پر اصرار تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ فوج نے بغاوت کی اور کل کی کل لڑ کر تباہ ہوگئی، اسی قسم کی غلطی ہے، جو آج کل ہمارے علماء اور متعصب مسلمان کر رہے ہیں اور جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ عہد نبوت اور خلافت کے حالات سے بہت کم واقف ہیں اور زیادہ سچ یہ ہے کہ بالکل واقف نہیں۔

اب ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ بتاتے ہیں کہ معاشرت اور تمدن کے متعلق کیا کیا باتیں غیر قوموں کی اختیار کی گئیں اور کب اور کس وقت اختیار کی گئیں۔ اس حیثیت سے یہ آرٹیکل ایک تاریخی آرٹیکل ہوگا اور عام ناظرین کو اس سے زیادہ دلچسپی ہوگی۔

لباس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص لباس نہیں اختیار کیا تھا، بلکہ جاہلیت میں جو لباس مستعمل تھا وہی اسلام میں بھی باقی رہا، لیکن زیادہ تفتیش سے ثابت ہوتا ہے کہ مجوسیوں اور عیسائیوں کی بہت سی چیزیں اختیار کرلی گئی تھیں، عرب میں پاجامہ کا مطلق وجود نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لئے کوئی لفظ نہ تھا، عرب میں جب اس کا استعمال ہوا تو فارسی لفظ "شلوار" کو معرب کرکے "سروال" بنالیا اور وہی لفظ آج تک مستعمل ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اگرچہ قومی خصوصیت قائم رکھنے کے لحاظ سے لوگوں کو عرب کے قدیم لباس یعنی تہمد کا پابند رکھنا چاہا، چنانچہ عتبہ بن فرقد کو فرمان لکھا، اس میں صاف یہ الفاظ لکھے کہ "پاجامہ پہننا چھوڑ دو" لیکن قبول عام پر کس کا زور ہے؟ پاجامہ کا رواج ہوا اور اس عمومیت کے ساتھ ہوا کہ تمام عرب میں تہمد کا نام بھی نہیں رہا، عینی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پاجامہ پہنا تھا۔ (۱)

(۱) عینی جلد دہم ص ۲۲۱ مطبوعہ قسطنطنیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برنس ایک قسم کی لمبی ٹوپی تھی، جس کو خاص عیسائی استعمال کرتے تھے، صحابہ میں سے اکثروں نے اس کا استعمال کیا اور خود حضرت عمر فاروقؓ اس کو استعمال کرتے تھے، رفتہ رفتہ جب تعصب کی ابتدا ہوئی تو لوگوں کو اس کے استعمال میں تامل ہوا لیکن بڑے بڑے ائمہ مذہب نے جواز کا فتوی دیا، عینی شرح بخاری میں ہے کہ امام مالک سے لوگوں نے پوچھا کہ "کیا برنس کا پہننا اس بنا پر مکروہ ہے کہ عیسائیوں کے لباس کے مشابہ ہے" انھوں نے جواب دیا کہ "نہیں، یہاں (یعنی مدینہ میں) لوگ عموماً اس کو استعمال کرتے تھے"۔ (۱)

لباس کے سوا معاشرت کی اور بہت سی چیزوں میں غیر قوموں کی تقلید کی گئی، عرب میں پہلے تابوت کا طریقہ نہیں تھا، حضرت زینبؓ کا جب انتقال ہوا تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ "جنازہ کے اٹھانے میں کافی پردہ پوشی نہیں ہوتی، کیا اس کی کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی؟" اسماء بنت عمیسؓ بھی اس موقع پر تشریف رکھتی تھیں، انھوں نے کہا کہ "میں نے حبش میں دیکھا ہے کہ مردوں کے لئے تابوت بناتے ہیں" (۲) چنانچہ ان کی رائے کے مطابق تابوت تیار ہوا، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو بہت پسند فرمایا اور اس وقت سے یہ طریقہ جاری ہوگیا، معاشرت کے متعلق غیر قوموں کی رسوم و عادات کے پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں نے روم و فارس کی فتوحات کے ساتھ عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں رشتے ناتے شروع کردیے، مدائن کی فتح کے بعد سینکڑوں صحابہ نے عیسائی عورتوں کے ساتھ شادیاں کرلیں، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے سپہ سالار کو خط لکھا اور اپنی ناراضی کا اظہار کیا، انھوں نے جواب میں لکھا کہ آپ کا یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا منصب خلافت سے متعلق ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ "اس کو منصب خلافت سے کچھ تعلق نہیں، بلکہ میری ذاتی رائے ہے اور اس بنا پر ہے کہ تم لوگ اپنی قوم کی عورتوں کو چھوڑ کر غیر قوموں

(۱) عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۲۳۰ (۲) طبقات ابن سعد فی النساء ج ۸ ص ۴۷، یہی روایت حضرت فاطمہؓ کے باب میں بھی ہے، ص ۱۸ "ک"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نہ ہو رہو " چونکہ اس وقت تمام مسلمانوں میں آزادی کا جوہر موجود تھا، لوگوں نے حضرت عمرؓ کی ذاتی رائے کی کچھ پروا نہ کی اور اپنے ارادوں پر قائم رہے، رفتہ رفتہ ہزاروں عیسائی اور یہودی عورتیں مسلمانوں کے نکاح میں آگئیں اور قدرت کے قاعدہ کے مطابق ان کی معاشرت اور رہنے سہنے کے طریقے مسلمانوں میں پھیل گئے، اگرچہ اس سے قومی خصوصیتوں کو کچھ نقصان پہنچا، لیکن بڑا فائدہ یہ ہوا کہ رات دن کے ملنے جلنے سے اسلام کے عقیدے ان کے دلوں میں جگہ پکڑتے گئے اور ان میں سے سینکڑوں مسلمان ہوگئیں، بلکہ سچ پوچھئے تو غیر قوموں میں اسلام کے پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا۔

ملکی نظم و نسق اور طریقہ جنگ تو گویا بالکل فارس اور یونان کے انداز پر قائم ہوا، حضرت عمرؓ نے خراج اور جزیہ کے متعلق جو قاعدے جاری کئے وہ بالکل نوشیروان کے مرتب کردہ تھے۔ چنانچہ امام طبری اور ابن الاثیر وغیرہ نے صاف تصریح کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ تک خزانہ اور دفتر کا بالکل وجود نہ تھا، فتوحات میں جو روپیہ آتا تھا وہ اسی وقت تقسیم کردیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب روپیہ کی افراط ہوئی تو انہوں نے صحابہؓ کو جمع کرکے رائے لی کہ یہ زر کثیر کیا کیا جائے، بعض صحابہؓ جو رومیوں کے دفتر اور حساب کتاب کے طریقے دیکھ آئے تھے، انھوں نے کہا کہ "ہم نے شام میں رومیوں کے یہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور فوج کا دفتر مرتب رہتا ہے" (۱) آج کل کا زمانہ ہوتا تو ہمارے علماء من تشبہ بقوم کا مسئلہ پیش کرتے، لیکن حضرت عمرؓ نے اسی وقت چند حساب داں اشخاص کو بلاکر دفتر کی تیاری کا حکم دیا۔

اسی طرح عدالتوں کا انتظام، پولیس کا محکمہ، صوبجات اور اضلاع کی تقسیم، پبلک ورک، ڈاک کا بندوبست وغیرہ وغیرہ یہ تمام انتظامات خود خلفائے راشدینؓ کے عہد میں قائم ہوئے اور ٹھیک عجم اور یونان کے نمونہ کے موافق قائم ہوئے، زمانہ مابعد میں جب فلسفہ وغیرہ کی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو عربی زبان بالکل غیر قوموں کے علوم و

(۱) تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۷۵۰ و ابن اثیر ج ۲ ص ۲۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فنون سے بھر گئی، یہاں تک کہ خود مذہبی علوم بھی ان کے اثر سے نہ بچ سکے۔

یونانی علوم و فنون کی تقلید اور اتباع کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ آج یونانی طب کو ہم مسلمانی طب سمجھتے ہیں، حدیث کی کتابوں میں اکثر امراض کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاج مذکور ہیں، یہاں تک کہ طب نبویؐ ایک مستقل مضمون بن گیا ہے۔ لیکن تمام اسلامی دنیا میں بیماریوں کا جو علاج کیا جاتا ہے، وہ ارسطو اور بقراط کے قاعدے کے مطابق کیا جاتا ہے اور طب نبویؐ کا ذکر تک نہیں آتا، ایک طرف تو یہ بے تعصبی اور آزاد خیالی اور ایک طرف تو یہ تعصب اور ضد کہ یورپ کی کسی بات پر عمل نہ کیا جائے، ورنہ غیر مذہب والوں کی مشابہت لازم آئے گی اور من تشبہ بقوم کا مصداق بننا پڑے گا۔ ع

بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلافت

من جملہ ان الفاظ کے جو مسلمانوں میں مذہبی حیثیت سے مستعمل ہیں، ایک یہ لفظ بھی ہے، لیکن چونکہ یہ لفظ پالیٹکس سے بھی تعلق رکھتا تھا اور پولٹیکل اغراض نے اکثر اس کے مفہوم اور حقیقت کو بدل کر تعبیر کرنا چاہا، اس لئے بعض اوقات عوام میں اس کے متعلق غلط فہمیاں پھیل گئیں اور کم سے کم یہ کہ اس کے معنی میں ابہام اور اشتباہ آگیا، سال دو سال سے زیادہ نہیں گذرے کہ اردو اخبارات میں یہ بحث ایک اتفاقی واقعہ کی وجہ سے چھڑ گئی تھی اور اس نے کسی حد تک طول بھی پکڑ لیا تھا، لیکن پھر بعض اسباب سے رک گئی، اس زمانہ میں سرسید مرحوم نے ایک نہایت دلچسپ آرٹیکل لکھا تھا جو علی گڑھ گزٹ میں شائع ہوا تھا میں نے بھی ایک ضمنی موقع پر اپنے سفرنامہ میں اس بحث کی طرف اشارہ کیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ یہ مسئلہ نہایت تحقیق کے ساتھ بالکل صاف کردیا جائے، اس مسئلہ پر دو حیثیتوں سے بحث ہو سکتی ہے۔

۱۔ مذہب کے رو سے منصب خلافت کی کیا حقیقت ہے۔؟

۲۔ شروع اسلام سے آج تک یہ لفظ کس معنی میں اور کن لوگوں کے لئے استعمال کیا گیا۔؟

خلافت یا امامت مرادف الفاظ ہیں اور یہ الفاظ احادیث اور عقائد کی کتابوں میں ایک ہی معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں، خلافت یا امامت کی جو تعریف عقائد کی کتابوں میں مذکور ہے، وہ یہ ہے "مسلمان پر ایک عام تصرف کا اختیار، جس کی اطاعت تمام مسلمانوں پر ضرور ہو" شرح مواقف میں خلافت کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے، "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قائم مقامی دین کے قائم رکھنے، قوم کی حفاظت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے میں " شرح مقاصد میں یہ الفاظ ہیں " دین اور دنیا کی افسری بحیثیت قائم مقامی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "۔

اس منصب کے حاصل ہونے کے لئے اسلام کے تمام فرقوں کے نزدیک جو شرطیں ہیں، ان میں سے ایک بڑی مقدم شرط یہ ہے کہ وہ شخص قریش کے خاندان سے ہو، اس شرط سے مسلمانوں کے فقط ایک گروہ یعنی معتزلہ نے انکار کیا ہے، لیکن یہ گروہ کئی سو برس سے دنیا سے بالکل معدوم ہو گیا ہے، اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ آج تمام دنیا کے مسلمانوں کے مذہبی اعتقاد کے مطابق صرف وہ شخص خلیفہ یا امام ہو سکتا ہے جو قریش کے خاندان سے ہو، جس بنا پر خلافت کے لئے یہ شرط ضروری سمجھی گئی ہے، وہ وہ حدیثیں ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف پیرایوں میں نہایت کثرت سے منقول ہیں، چنانچہ ان کو ہم اس موقع پر تفصیل کے ساتھ نقل کرتے ہیں:۔

۱۔ الائمة من قریش	امام قریش میں سے ہوں گے۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۱۴۱)
۲۔ الملک من قریش	حکومت قریش میں رہے گی۔ ترمذی (صحیح)
۳۔ الخلافة فی قریش	خلافت قریش میں ہوگی۔ (مسند امام احمد بن حنبل) اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
۴۔ یکون اثنا عشر امیرا ...... کلهم من قریش	بارہ امیر ہوں گے جو سب کے سب قریش سے ہوں گے (صحیح بخاری، کتاب الاحکام باب الاستخلاف ج ۲ ص ۱۰۷۲)
۵۔ الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم یکون ملکا	خلافت تیس برس رہے گی، پھر اس کے بعد سلطنت ہو جائے گی۔ (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی) ابن حبان نے بھی اس کو صحیح لکھا ہے۔ (۱)
۶۔ لا یزال امر الناس ماضیا	لوگوں کا کام اس وقت تک ٹھیک رہے گا

(۱) عینی شرح بخاری ج ۱۱ ص ۳۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ما و لا هم اثنا عشر رجلا ..... جب تک بارہ شخص حکمراں رہیں گے جو
کلهم من قریش (۱) سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

ان احادیث میں سے بعض کا تو صریح مطلب یہ ہے کہ "خلافت قریش کا حق ہے" اور بعض میں بظاہر پیشین گوئی کے طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی، لیکن چونکہ کئی سو برس ہو چکے کہ تمام دنیا میں کوئی حکمراں قریش کے خاندان سے نہیں ہے اس لئے ان احادیث کا یہ مطلب قرار دیا گیا ہے کہ خلافت کا حق درحقیقت صرف قریش کو ہے اور خاندان کے لوگ جو حکمراں ہیں وہ بادشاہ ہیں، مگر خلیفہ نہیں ہیں، لیکن جس حدیث میں مذکور ہے کہ "خلافت صرف تیس برس رہے گی، پھر سلطنت ہو جائے گی" اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ تیس برس کے بعد جو فرماں روا ہوئے، وہ باوجود قریش ہونے کے خلیفہ نہ تھے، بلکہ بادشاہ تھے۔

بہرحال تمام روایات کا قدر مشترک یہ ہے کہ خلافت کے لئے قریش ہونا ضرور ہے اور جو شخص قریش کے خاندان سے نہ ہو وہ کسی طرح تمام مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق خلیفہ نہیں بن سکتا۔

مسلمانوں نے کبھی اور کسی زمانہ میں اس شخص کو خلیفہ نہیں مانا جو قریش کے خاندان سے نہ ہو، سب سے اول جس موقعہ پر یہ مسئلہ زیر بحث آیا، وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کا دن تھا، عین آپؐ کی وفات کے دن انصار نے یعنی جو لوگ مدینہ کے رہنے والے تھے، یہ دعویٰ کیا کہ خلافت ہمارا حق ہے، لیکن جب مہاجرین نے ان کے مقابلہ میں یہ استدلال پیش کیا کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے تو انھوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئے، چنانچہ یہ واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری (ج ۴ ص ۱۸۱۸ و ما بعد) ابن اثیر (ج ۲ ص ۲۴۸ و ما بعد) ابن خلدون (ج ۲ ص ۶۴) میں مذکور ہے، عباسیوں کی سلطنت میں جب ضعف آ گیا تو ہر طرف دعویداران حکومت پیدا ہو گئے، جن میں بعض خاندانوں نے وہ

(۱) صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش ج ۲ ص ۱۰۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبروت و اقتدار حاصل کیا اور ان کے حدود سلطنت اس قدر وسیع ہوگئے کہ خود دولت عباسیہ کے زمانہ میں کبھی نہیں ہوئے تھے، تاہم ان میں سے کبھی کسی نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور ہمیشہ عباسی خلیفہ کے آگے (باوجود اس کے کہ وہ دلی کے بہادر شاہ سے زیادہ رتبہ نہیں رکھتے تھے) سر جھکاتے رہے اور اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ خود قریش کے خاندان سے نہ تھے اور اس لئے اگر وہ خلافت کا دعویٰ کرتے تو مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی ان کے دعویٰ کو تسلیم نہ کرتا۔

عضد الدولہ، محمود غزنوی، ملک شاہ سلجوقی، دنیا کے بہت بڑے عظیم الشان شاہنشاہ گذرے ہیں، لیکن یہ سب کے سب بغداد کے دربار سے لقب اور خطاب حاصل کرتے تھے اور اس پر فخر و ناز کرتے تھے، عضد الدولہ جس کو شاہنشاہ کا لقب حاصل تھا اور جو بڑی سطوت و اقتدار کا بادشاہ گذرا ہے، ۳۶۹ھ میں جب بغداد میں طائع للہ خلیفہ عباسی کے دربار میں لقب لینے کے لئے حاضر ہوا تو سب سے پہلے اس نے زمین چومی، پھر پیچھے ہٹ کر دوبارہ زمین چومی، اس طرح سات دفعہ زمین بوسی کی اور جب خلیفہ نے مہربانی سے اس کو زیادہ تقرب کی اجازت دی تو اس نے بڑھ کر خلیفہ کے پاؤں چومے، اس وقت خلیفہ نے اس کو کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا، لیکن اس نے بار بار معذرت کی اور جب خلیفہ نے اس کو مجبور کیا تو الامر فوق الادب کے لحاظ سے کرسی کو بوسہ دے کر اس پر بیٹھ گیا اور کہا کہ "میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ حضور کی اطاعت مجھ سے اچھی طرح بن آئے" ان تقریبات کے ادا کرنے کے اثنا میں عضد الدولہ کا ایک افسر جو اس کے ساتھ تھا، اس بت پرستی سے گھبرا کر بول اٹھا کہ "کیا یہ خدا ہے؟ جو آپ اس طرح تعظیم بجالاتے ہیں" عضد الدولہ نے کہا کہ "ہاں یہ خدا کا خلیفہ ہے"۔ (۱)

مصر میں جب فاطمیہ خاندان نے ایک وسیع سلطنت قائم کرلی اور خاندان عباس اس کو دبا نہ سکا تو عباسیوں سے بجز اس کے اور کوئی تدبیر بن نہ آئی کہ ایک محضر لکھوایا، جس میں فاطمیہ کے نسب کا انکار تھا اور اس پر تمام علماء سے دستخط کرائے

(۱) تاریخ الخلفاء ص ۱۹-۴۱۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس طرح لوگوں کو ان کی طرف سے برگشتہ کیا۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ ایک مدت مدید کے بعد فاطمیہ کے ایک افسر نے خلیفہ فاطمی کو تخت سے اتار دیا اور عباسیہ کی سلطنت قائم کردی، یہ افسر صلاح الدین ایوبی تھا۔ جو آج "فاتح بیت المقدس" کے نام سے تمام عالم میں مشہور ہے۔

۶۵۶ھ میں بغداد کی سلطنت جب ہلاکو کے ہاتھ سے تباہ ہوگئی اور خاندان بنی عباس برباد کردیا گیا تو اس خاندان میں ایک شخص جس کا نام احمد ابو القاسم تھا اور جیل خانہ میں مقید تھا، بھاگ کر مصر پہنچا، یہاں اس وقت ملک ظاہر بیبرس کی حکومت تھی، احمد کے پہنچنے کے ساتھ ظاہر نے ایک بہت بڑا دربار کیا اور بڑے عجز و نیاز کے ساتھ احمد کے ہاتھ پر بیعت کی، احمد کی وفات کے بعد چونکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے ایک اور عباسی شہزادہ جو بغداد کی تباہی میں بچ گیا تھا، خلیفہ کیا گیا اور ایک مدت تک اس کے خاندان میں یہ (برائے نام) خلافت رہی، یہ خلفاء اگرچہ اس قدر بے اختیار اور بے حقیقت تھے کہ ان کو بجز مقررہ وظیفہ کے کسی قسم کی حکومت حاصل نہ تھی، تاہم مذہبی عظمت یہ تھی کہ بادشاہ وقت ہمیشہ ان کے آگے سر جھکاتا تھا، ہندستان کے مشہور بادشاہ تغلق نے اسی خاندان کی سلطنت کا فرمان منگوایا تھا اور اس پر اس قدر خوشی کا اظہار کیا تھا کہ تمام شہر کی آئینہ بندی کرائی اور شعراء نے مبارک بادی کے قصیدے لکھے، بدر چاچ کے ایک قصیدے کا مطلع یہ ہے:۔

جبرئیل از طاق گردون البشروا گویان رسید کز خلیفہ سوے سلطان خلعت و فرمان رسید

غرض تیرہ سو برس سے آج تک کسی ایسے خاندان نے کبھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا جو قریش کے خاندان سے نہ رہا ہو، ناظرین کو حیرت ہوگی کہ اگر ایسا ہے تو ترکی خاندان کو کیوں خلافت کا دعویٰ ہے، حالانکہ یہ عموماً مسلم ہے کہ ترک قریش کے خاندان سے نہیں ہیں۔

یہ واقعہ درحقیقت تعجب انگیز ہے اور واقعہ کا سبب اس سے زیادہ تعجب انگیز ہے، ترکوں میں سلطان بایزید ثانی تک جو اس خاندان کا آٹھواں بادشاہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ کسی حکمراں نے خلافت کا لقب نہیں اختیار کیا تھا، چنانچہ آج بھی ترک مصنفین اس زمانہ تک کسی ترکی بادشاہ کو خلیفہ کے لقب سے یاد نہیں کرتے۔ سلطان سلیم اول نے جو ۹۱۸ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا، جب مصر فتح کیا تو اس وقت وہاں عباسی خاندان کا ایک برائے نام خلیفہ موجود تھا، جس کا نام المتوکل تھا(۱) (یہ وہی خاندان تھا، جس کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں) سلطان سلیم اس کو بجبر قسطنطنیہ لایا اور اس کو مجبور کیا کہ خلافت کے لقب سے دست بردار ہو جائے اور یہ لقب سلیم کے نام منتقل کردے، متوکل اگرچہ اس پر راضی نہ تھا، لیکن مجبوراً اس کو قبول کرنا پڑا، چنانچہ مسجد ایا صوفیہ میں جاکر اس نے اس بات کا اعلان کیا اور یہ پہلا دن ہے کہ ترکی خاندان کے ساتھ یہ فرضی لقب اضافہ کیا گیا، یہ واقعہ اگرچہ بظاہر مضحکہ آمیز ہے، لیکن خود ترک مؤرخین اس کے معترف ہیں اور ترکی تاریخوں میں جہاں سلیم کا ذکر ہے، یہ واقعہ بھی ساتھ ہی مذکور ہے۔

(۱) عباسی دور کے آخری خلیفہ کی مصاحبت اور اس کو قسطنطنیہ لانے کا ذکر تاریخ الدولتہ العالیہ العثمانیہ میں ہے، ملاحظہ ہو ص ،، مطبعہ محمد آفندی۔ "ک"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقوق الذمیین

یعنی

اسلام میں غیر مذہب والوں کے حقوق

دنیا کے عجیب سے عجیب واقعات کی اگر ایک فہرست تیار کی جائے تو یہ واقعہ ضرور اس میں درج کرنے کے قابل ہوگا کہ مسلمانوں کے متعلق اگرچہ یورپ کی واقفیت کے ذریعے نہایت وسیع ہوگئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں، اسلامی آبادیوں کا بہت بڑا حصہ اس کے قبضے میں آگیا ہے، سینکڑوں عربی داں علماء پیدا ہوگئے ہیں، عربی تصنیفات کثرت سے یورپین زبانوں میں ترجمہ ہوتی جاتی ہیں، مسلمانوں کے نہایت نایاب تاریخی ذخیرے اصلی زبان میں شائع ہوتے جاتے ہیں، اورینٹل کانفرنس نے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملا دیا ہے، تاہم غلط معلومات کا بادل جو آج سے کئی سو برس پہلے یورپ کے افق پر چھایا تھا، اب تک نہیں ہٹا، بہت سے بہت یہ ہوا کہ وہ کسی قدر ہلکا ہوگیا ہے، لیکن فضا میں اب بھی اس قدر تاریکی ہے کہ

اِذَا اَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰاھَا (نور ۲۴: ۴۰) ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دیتا۔

یہ غلط معلومات اول اول مذہبی راستے سے آئے تھے اور چوں کہ یورپ میں مذہب کا زور خود گھٹ گیا ہے، اس لئے مذہبی حیثیت کے لحاظ سے اب انکا اثر بھی چنداں قوی نہیں رہا، تاہم جب کبھی پولیٹکل ہوا چلتی ہے تو یہ دبی چنگاریاں اس قدر جلد بھڑک اٹھتی ہیں کہ تمام یورپ میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے۔

آرمینیا کے جھگڑے میں ترکوں پر جو مشتبہ الزامات لگائے گئے ابھی اس کی تحقیق بھی نہیں شروع ہوئی تھی کہ یورپ کے اہل قلم نے دنیا میں غلغلہ ڈال دیا کہ خود مسلمانوں کے مذہب میں عیسائی رعایا سے ایسا سلوک کرنا جائز بلکہ ضروری قرار دیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے اور اس وجہ سے یہ یقین کرنا کہ ترکوں نے وہ تمام ظالمانہ کاروائیاں کی ہوں گی، گویا اس بات کا یقین کرنا ہے کہ ترک اپنے مذہب کے پابند ہیں اور پورے پابند ہیں۔

اس سلسلہ میں ٹائمس کے پرچہ مورخہ ۲/ جنوری ۱۸۹۵ء میں پادری ملکم حکال نے بڑے دعوے کے ساتھ ایک آرٹیکل لکھا، جس میں یہ ثابت کرنا چاہا کہ مذہب اسلام، عیسائیوں کے حق میں نہایت سخت ظالمانہ قانون ہے اور اسلامی حکومتوں میں ہمیشہ اس قانون پر عمل درآمد رہا ہے۔ دلی کے مشنریوں نے اس آرٹیکل کا ترجمہ چھاپ کر شائع کیا اور دیباچہ میں یہ تمہید لکھی کہ "یہ آرٹیکل اس قدر مدلل اور پرزور ہے کہ خود ٹائمس کا وہ مسلمان مضمون نگار جو مذہب اسلام کی حمایت میں مضامین کا سلسلہ لکھ رہا تھا، اس آرٹیکل کے بعد بالکل بند ہوگیا اور کچھ جواب نہ دے سکا"۔

آج کل کے مصنفین اسلام نے یورپ کی بہت سی غلط فہمیوں کو دور کیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے اس عظیم الشان مسئلہ پر توجہ نہیں کی، کتب خانہ اسکندریہ، عورتوں کے حقوق، جزیہ، یہ سب جزئی مباحث ہیں، لیکن ذمیوں کے حقوق کا مسئلہ ایسا مہتم بالشان اور وسیع ہے کہ اگر اس کا قطعی فیصلہ کردیا جائے تو یورپ کی غلط فہمیوں کا سارا طلسم ٹوٹ جائے گا۔ میں یہ مضمون اسی خیال سے لکھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ بھی اسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا، جس طرح اس سے پہلے کتب خانہ اسکندریہ و الجزیہ کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوچکی ہے۔

اس رسالہ کا موضوع جس پر بحث کا تمام سلسلہ قائم ہے یہ ہے کہ اسلام میں ذمیوں کے کیا حقوق ہیں؟ یہ جملہ تین لفظوں پر مشتمل ہے، اسلام، ذمی، حقوق، اسلام سے ہماری مراد قرآن یا وہ احادیث نبویؐ ہیں جن کی صحت اصول حدیث کی رو سے ثابت ہوچکی ہے، ذمی ان رعایا کو کہتے ہیں جو اسلامی حکومت میں آباد ہوں اور جن کا مذہب اسلام نہ ہو، لفظ حقوق کی تفسیر کی ضرورت نہیں، موضوع کے جو الفاظ ہیں اگرچہ ان کی تشریح یہی ہے، جو ہم نے کی، لیکن ہمارا دعویٰ اس سے زیادہ وسیع ہے جو موضوع سے مفہوم ہوتا ہے، یعنی جس طرح ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب اسلام نے ذمیوں کے حقوق نہایت فیاضی سے قائم کئے اسی طرح ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ صرف تحریری قانون نہ تھا بلکہ تیرہ سو برس کی وسیع مدت میں من حیث الاغلب طریق عمل بھی اسی کے مطابق رہا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں یعنی آغاز نبوت سے فتح مکہ تک جو سنہ ۸ھ میں واقع ہوئی، لڑائیوں کا ایک ایسا متصل سلسلہ قائم رہا جس کی وجہ سے یہ موقع ہی نہیں نصیب ہوا کہ اسلام کو حکومت اور سلطنت کی حیثیت حاصل ہوتی اور رعایا کے ساتھ سلطنت کو جو تعلقات ہونے چاہئیں، اس کے متعلق قانون اور قاعدے منضبط ہوتے، قرآن مجید اور احادیث نبویؐ سے اس باب میں جن احکام کا پتہ لگتا ہے، وہ خاص مسلمانوں سے متعلق ہیں، یعنی غیر مذہب والوں سے ان کو واسطہ نہیں، اس وقت تک غیر مذہب والوں سے جو تعلقات پیدا ہوئے تھے، وہ اسی قدر تھے کہ کسی قوم سے کچھ معاہدہ ہوگیا، کسی سے چند شرائط کے ساتھ صلح ہوگئی، مختصر یہ کہ اس وقت تک غیر مذہب والے اسلام کی رعایا نہیں کہلاتے تھے، خیبر کی آبادی فتح ہوکر بھی صرف اسی قدر ہوا کہ یہودیوں سے بٹائی پر معاملہ ہوگیا اور زمین ان کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی، فتح مکہ کے بعد یمن، بحرین، عمان، عدن وغیرہ فتح ہوئے، ان اضلاع میں کثرت سے دوسری قومیں یعنی یہود، عیسائی، پارسی آباد تھے، چونکہ اس وقت امن و امان قائم ہوچکا تھا اور اسلام کو پوری قوت حاصل ہوچکی تھی، اسلام نے صاف صاف ان کو رعایا کے لقب سے پکارا اور خود ان کو بھی لقب سے عار نہیں رہا، لیکن ان کے متعلق کسی قسم کے مجموعہ احکام نافذ ہونے کے بجائے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا کہ ان پر جزیہ مقرر کیا گیا اور اس کے معاوضے میں ان کو چند حقوق دیئے گئے، سب سے پہلے (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تقریباً سنہ ۸ھ میں نجران کے عیسائیوں پر جزیہ مقرر ہوا، ان کے بعد ایلہ، اذرح، اذرعات وغیرہ پر بھی جزیہ لگایا گیا، یہ ظاہر ہے کہ اس وقت تمدن سلطنت کا آغاز تھا اور اس وجہ سے تاریخوں میں

(۱) فتوح البلدان ص ۱، مطبعۃ الموسوعات مصر ۱۳۱۷ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان یا ذمی رعایا کے حقوق کی تفصیل نہیں مل سکتی، تاہم اس معاملہ کے متعلق جس قدر سرمایہ مل سکے، اس کو نہایت تلاش سے مہیا کرنا چاہیے، کیونکہ گو وہ مختصر اور سادہ ہوں، لیکن ان سے حقوق الذمیین کے قانون کے اصول معلوم ہوتے ہیں اور اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ زمانہ مابعد میں ذمیوں کے متعلق جو مفصل قانون بنا، اس کا مایہ خمیر کیا تھا۔؟

بانیٔ اسلام یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن قوموں پر جزیہ لگایا ان کو تحریر کے ذریعہ سے مفصلہ ذیل حقوق دیئے۔

۱۔ کوئی دشمن ان پر حملہ کرے گا تو ان کی طرف سے مدافعت کی جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الفاظ یہ ہیں 'یمنعوا۔ (۱)

۲۔ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا، خاص الفاظ یہ ہیں، لا یفتنوا عن دینھم۔ (۲)

۳۔ جزیہ جو ان سے لیا جائے گا، اس کے لئے محصل کے پاس خود جانا نہیں پڑے گا۔

۴۔ ان کی جان محفوظ رہے گی۔

۵۔ ان کا مال محفوظ رہے گا۔

۶۔ ان کے قافلے اور کارواں (یعنی تجارت) محفوظ رہیں گے۔

۷۔ ان کی زمین محفوظ رہے گی۔

۸۔ تمام چیزیں جو ان کے قبضے میں تھیں بحال رہیں گی۔

۹۔ پادری، رہبان، گرجوں کے پجاری اپنے عہدوں سے برطرف نہیں کئے جائیں گے۔

۱۰۔ صلیبوں اور مورتوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

۱۱۔ ان سے عشر نہیں لیا جائے گا۔

(۱) فتوح البلدان ص ۶۶ (۲) ایضاً ص ۷۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۔ ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔
۱۳۔ پہلے سے ان کا جو کچھ مذہب اور عقیدہ تھا وہ بدلوایا نہیں جائے گا۔
۱۴۔ ان کا کوئی حق جو ان کو پہلے سے حاصل تھا زائل نہیں ہوگا۔
۱۵۔ جو لوگ اس وقت حاضر نہیں ہیں یہ احکام ان کو بھی شامل ہوں گے۔

پہلی اور دوسری دفعہ کے سوا باقی تمام حقوق جس معاہدے سے قائم ہوتے ہیں وہ ذیل میں بعینہٖ منقول ہیں۔

ولنجران وحاشيتها جوار الله و ذمة محمد النبی رسول الله علی انفسهم و ملتهم و ارضهم و اموالهم و غائبهم و شاهدهم و غيرهم و بعثهم و امثلتهم لا يغير ما كانوا عليه ولا يغير حق من حقوقهم و امثلتهم لا يفتن اسقف من اسقفيته ولا راهب من رهبانية ولا واته من وقاهيته علی ما تحت ايديهم من قليل او كثير وليس عليهم رهق ولا دم جاهلية ولا يحشرون ولا يعشرون ولا يطاء ارضهم جيش (۱) الخ۔

ذمیوں کے متعلق اسلام کا جو اصلی قانون ہے، وہ اس سے زیادہ نہیں، کیونکہ اسلام صرف ان مسائل اور احکام کا نام ہے جو قرآن مجید یا احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں، اس کے سوا جو کچھ ہے، گو اس نے قوم میں اور ملک میں کوئی اعتبار حاصل کرلیا ہو، لیکن وہ اسلام کا اصلی قانون نہیں ہے۔

ذمیوں کے حقوق کے متعلق اگرچہ یہ مختصر قواعد ہیں اور اسلام کو ابتدائی زمانے میں غیر قوموں کے ساتھ جس قدر کم تعلق پیدا ہوا تھا، اس کے لحاظ سے اس سے زیادہ ضرورت بھی نہ تھی، تاہم انھیں قواعد میں نہایت مہتم بالشان امور کا ماخذ موجود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ذمیوں کے حقوق کے متعلق گو کتنا ہی مفصل مجموعہ قوانین بنایا جاوے، لیکن اس کی جزئیات ان اصول سے باہر نہیں جاسکتیں۔

(۱) فتوح البلدان ص ۲۰، قاضی ابو یوسف نے بھی اس معاہدہ کو کتاب الخراج میں نقل کیا ہے، ص ۴۱ مطبعہ مصریہ بولاق مصر ۱۳۰۲ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب ہم نہایت تفصیل کے ساتھ بتانا چاہتے ہیں کہ زمانہ ما بعد میں جب غیر قوموں سے نہایت وسیع اور قوی تعلقات قائم ہوگئے، ذمیوں کے ساتھ اسلامی حکومتوں کا طرز عمل کیا رہا؟ سب سے زیادہ جس زمانے کے واقعات اس بحث کے تصفیہ کے لئے کام آسکتے ہیں، وہ خلافت فاروقی کے واقعات ہیں۔ ان کی خلافت کا زمانہ ایک ممتد زمانہ ہے، اول اول انہیں کے وقت میں غیر قوموں کے ساتھ سلطنت و رعیت کے تعلقات قائم ہوئے، ان کی نسبت مخالفوں نے کہا ہے کہ وہ غیر مذہب والوں کے ساتھ سختی سے برتاؤ کرتے تھے، ان کے عہد میں رعایا کے جس قدر حقوق قائم ہوسکتے ہیں۔ ہوچکے ہیں اور ہر ایک حق کی نسبت صاف صاف فیصلہ کردیا گیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی حکومت اسلامی حکومت کی اصلی تصویر خیال کی جاتی ہے۔

حقوق میں سب سے مقدم قصاص کا حق ہے، یعنی یہ کہ قتل و خون کے معاملے میں فاتح اور مفتوح کے حقوق برابر سمجھے جائیں۔ آج جن ملکوں میں تمدن اور تہذیب کی حکومت ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ انھوں نے اس مساوات کو قائم رکھا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ الفاظ کے ذریعہ سے یا عمل کے ذریعہ سے؟ میں اس کا فیصلہ ان لوگوں پر چھوڑتا ہوں جو رات دن اپنی آنکھوں سے اس کی مثالیں دیکھتے رہتے ہیں، اس کے مقابلہ میں دیکھو اسلام نے کیا کیا۔

قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا تھا، حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی گئی، انھوں نے لکھ بھیجا کہ "قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالہ کردیا جائے" چنانچہ قاتل حنین نام ایک شخص کو جو مقتول کے وارثوں میں تھا سپرد کردیا گیا اور اس نے اس کو قتل کردیا (۱) جہاں تک ہم کو معلوم ہے، حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل سے کسی زمانہ میں اختلاف نہیں کیا گیا، بلکہ حضرت علیؓ نے صاف صاف لفظوں میں فرمایا کہ من کان لہ ذمتنا فدمہ کدمنا و دیتہ کدیتنا یعنی "جو لوگ ذمی ہوچکے ان کا خون ہمارا خون ہے اور ان کا خوں بہا ہمارا

(۱) زیلعی تخریج ہدایہ مطبوعہ دہلی ص ۲۲۸ و ۲۲۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوں بہا ہے" حضرت علیؓ کو یہ موقع خود بھی پیش آیا اور انہوں نے صاف حکم دے دیا کہ قاتل جو مسلمان تھا قتل کر دیا جائے، اس سے بڑھ کر یہ کہ جب مقتول کے وارثوں نے آکر عرض کیا کہ ہم نے خون معاف کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ تم پر کچھ دباؤ تو نہیں ڈالا گیا۔ (۱)

عمرؓ بن عبد العزیز جن کو دوسرا عمرؓ کہا جاتا ہے، ان کے عہد میں بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا اور انہوں نے بھی یہی حکم دیا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا جائے، چنانچہ وارثوں نے اس کو بے تکلف قتل کر دیا۔ (۲)

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ولید بن عقبہ جو صحابی تھے کوفہ کے گورنر تھے، ایک دفعہ ایک یہودی نے ان کے سامنے شعبدہ بازی کے تماشے دکھائے، اس وقت اور بہت سے تماشائی موجود تھے، ان میں جندب بن کعب ازدی بھی تھے، جو بڑے مشہور تابعی ہیں اور صحیح ترمذی میں ان کی روایتیں منقول ہیں، وہ ان شعبدوں کو شیطان کا اثر سمجھے اور یہودی کو قتل کر دیا، ولید نے اسی وقت ان کو گرفتار کر لیا اور یہودی کے قصاص میں قتل کر دینا چاہا، لیکن چونکہ وہ بڑے جتھے کے آدمی تھے، ان کے قبیلہ والے ان کی حمایت کو کھڑے ہو گئے، ولید نے اس وقت دفع الوقتی کے لئے ان کو قید خانہ بھیج دیا اور ارادہ کیا کہ موقع پا کر قتل کر دیں گے، داروغہ جیل کو ان پر رحم آیا اور کہا کہ تم چپکے سے بھاگ جاؤ، انہوں نے کہا کیوں؟ کیا درحقیقت میں قتل کر دیا جاؤں گا؟ داروغہ جیل نے کہا خدا کی خوشنودی کے لئے تمہارا قتل کر دینا کچھ بڑی بات نہیں، غرض وہ بھاگ گئے، صبح کو ولید نے جندب کو قصاص کے لئے طلب کیا، داروغہ نہ کہا کہ وہ تو چھپ کر بھاگ گیا، ولید نے اس کے بدلے داروغہ کی گردن مار دی (۳) ہم کو اس امر سے بحث نہیں کہ داروغہ جیل کا قتل کر دینا جائز تھا یا نہیں، بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ باوجودیکہ جندب بڑے رتبہ کے آدمی تھے اور یہودی ایک

(۱) زیلعی ص ۲۸ (۲) ایضاً (۳) مسعودی ذکر خلافت عثمانؓ ج ۴ ص ۲۶۶ و ما بعد، کتاب الاوائل میں اس واقعہ کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معمولی بازیگر تھا، تاہم ولید کو ایک حکم شرعی کی تعمیل کے لحاظ سے جندبؓ کے قتل کر دینے میں کچھ تامل نہ ہوا۔

اسی سلسلہ میں حضرت عمرؓ فاروق کی شہادت کا واقعہ بھی سننے کے قابل ہے، حضرت عمرؓ کے قاتل کا نام فیروز تھا، جو مجوسی النسل تھا اور عیسائی مذہب رکھتا تھا، حضرت عمرؓ کے بڑے بیٹے عبیداللہ سے لوگوں نے بیان کیا کہ اور لوگ بھی اس سازش میں شریک تھے، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبدالرحمانؓ نے چشم دید واقعہ بیان کیا ہے، عبیداللہ تلوار ہاتھ میں لے کر نکلے اور فیروز کے بیٹے اور جفنیتہ و ہرمزان کو جن پر سازش کا شبہہ تھا قتل کر دیا، ان میں سے ہرمزان مسلمان ہو گیا تھا، باقی عیسائی تھے، عبیداللہؓ اسی وقت گرفتار کر لیے گئے اور حضرت عثمانؓ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو پہلا مسئلہ یہی پیش کیا گیا کہ عبیداللہ کی نسبت کیا کرنا چاہیے، حضرت عثمانؓ نے صحابہ کو بلا کر رائے طلب کی، تمام مہاجرین یعنی ان بزرگوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وطن چھوڑ کر آئے تھے اور تمام صحابہ کی نسبت افضل سمجھے جاتے تھے، یک زبان ہو کر کہا کہ عبیداللہ کو قتل کر دینا چاہیے (۱) حضرت علیؓ بھی اس مجمع میں موجود تھے اور انہوں نے بھی یہی رائے دی، اگرچہ حضرت عثمانؓ بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس فیصلہ کی تعمیل نہ کر سکے اور (جیسا کہ مؤرخین نے لکھا ہے) حضرت عثمانؓ کی خلافت کی یہ پہلی کمزوری تھی، تاہم انہوں نے تینوں مقتولوں کے بدلے بیت المال سے خوں بہا دلایا، شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ لوگوں نے عبیداللہ کا قتل کیا جانا جو تجویز کیا تھا، وہ ہرمزان کے قصاص میں تھا اور ہرمزان مسلمان ہو چکا تھا، لیکن یہ قیاس صحیح نہیں، اولاً تو روایتوں میں اس قسم کی تخصص کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا، اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے تینوں کا جو خوں بہا دلایا اس میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی۔

ہم کو جہاں تک معلوم ہے اسلام کی تاریخ میں اس خلاف کوئی مثال نہیں

(۱) مسعودی ذکر خلافت عثمانؓ ص ۲۵۹ و مابعد کتاب الاوائل میں بھی اس واقعہ کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ بعض مسلمان مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے زمانہ میں ایک مسلمان نے کسی ذمی کو مار ڈالا، قصاص میں مسلمان ماخوذ ہوا۔ لیکن کسی خاص وجہ سے ہارون الرشید کو اس کی رعایت منظور نہ تھی اور اس لئے اس نے چاہا کہ وہ قتل سے بچ جائے، چنانچہ قاضی ابو یوسفؒ صاحب کو بلا کر اس کی تدبیر پوچھی، قاضی صاحب نے فرمایا کہ "شہادت سے یہ ثابت نہیں کہ وہ مارے جانے کے وقت بھی قانوناً ذمی تھا" اگرچہ ہمارے نزدیک یہ واقعہ ثابت نہیں تاہم اگر اس کو مان لیا جائے تب بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ذمی کے قصاص میں مسلمان کو قتل سے بچانا ایک ایسا عظیم واقعہ تھا، جس کے حیلہ پیدا کرنے کے لئے قاضی ابو یوسفؒ جیسے شخص کی ضرورت پڑی اور وہ بھی اس کے سوا کچھ حیلہ نہ بتا سکے کہ اس کا ذمی ہونا مشتبہ ٹھہرائیں۔

مال اور جائداد کے حقوق جن کو انگریزی میں "رائٹ آف پراپرٹی" اور "رائٹ آف لمینڈ" سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان میں بھی مسلمان اور ذمی برابر درجہ رکھتے ہیں، ذمیوں کے قبضہ میں جس قدر زمینیں تھیں اسلام کے بعد عموماً بحال رکھی گئیں، یہاں تک کہ اگر خلیفہ وقت یا بادشاہ کو مسجد یا کسی اور عمارت کی غرض سے زمین لینے کی ضرورت ہوتی تھی تو معاوضہ دے کر لی جاتی۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک شخص نے دجلہ کے کنارے گھوڑوں کے پالنے کے لئے ایک رمنہ بنانا چاہا، آپ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو بصرہ کے گورنر تھے، لکھ بھیجا کہ اگر وہ زمین ذمیوں کی نہ ہو اور اس میں ذمیوں کی نہروں اور کنوؤں کا پانی نہ آتا ہو تو سائل کو زمین دے دی جائے (۱) خلیفہ منصور عباسی نے جب بغداد کو دارالخلافہ بنانا چاہا تو آس پاس کی قومیں جو وہاں کی زمین دار تھیں ان سے قیمت دے کر مول لی (۲) حیرہ میں قدیم زمانہ کے محل اور ایوان تھے جو اسلام کے زمانہ میں ویران ہو چکے تھے، حضرت عمرؓ کے عہد میں کوفہ میں جو جامع مسجد بنی، اس میں کچھ ملبہ وہاں کے مکانات سے آیا تھا اگرچہ ان کا کوئی قانونی وارث نہ تھا تاہم چونکہ ذمیوں کی زمین میں تھا، اس

(۱) فتوح البلدان ص ۲۵۱ (۲) ایضاً ص ۲۹۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے ذمیوں کو ان کی قیمت ان کے جزیہ میں مجرا دی گئی (۱) اس کے سوا سینکڑوں واقعات ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ذمیوں کے مال اور جائداد سے کبھی تعرض نہیں کیا گیا۔

آغاز اسلام ہی میں یہ مسئلہ بڑے معرکہ کے ساتھ طے ہوگیا تھا کہ غیر مذہب والے جو اسلام کی رعایا بن گئے ہیں، ان کی مقبوضہ زمینیں ان کے قبضہ سے نکالی نہیں جاسکتیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب عراق فتح ہوا تو عبدالرحمان بن عوفؓ اور حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ جس قدر مفتوحہ زمین ہے اہل فوج کو تقسیم کردی جائے۔ حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور دیر تک بحث رہی، آخر یہ ٹھہرا کہ تمام مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا جائے، چنانچہ ایک بڑا مجمع ہوا اور انصار میں سے دس شخص جو اپنے قبیلہ کے وکیل اور قائم مقام تھے مجمع میں حاضر ہوئے، تمام بڑے بڑے مہاجرین و صحابہ یعنی حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے کھڑے ہوکر نہایت توضیح سے اس مسئلہ کو بیان کیا، بلالؓ اور عبدالرحمان بن عوفؓ اب بھی مخالف رہے، لیکن عام رائے یہ ہوئی کہ ذمی اپنی زمینوں سے بے دخل نہیں کئے جاسکتے۔ حضرت بلالؓ اس پر بھی قائل نہیں ہوتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے جب قرآن مجید کی ایک آیت استدلال میں پیش کی تو ان کو مجبور ہونا پڑا اور بلا اختلاف تمام صحابہؓ کے اتفاق سے یہ مسئلہ طے ہوگیا۔ (۲)

اسی بنا پر فقہ کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ اگر بادشاہ یا امام وقت کسی زمانہ میں زمین کو ذمیوں کے قبضہ سے نکالنا چاہے تو نہیں نکال سکتا، قاضی ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:۔

ولیس له ان یاخذها بعد ذلک منهم وهی ملک لهم یتوارثونها و یتبایعونها	یعنی امام وقت کو یہ اختیار نہیں کہ اس کے بعد ان سے زمین کو چھین لے، وہ زمین ان کی ملک ہے، ان میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہے گی اور

(۱) فتوح البلدان ص ۲۸۶ (۲) یہ پوری تفصیل کتاب الخراج ص ۱۴ و ۱۵ میں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اس کو خرید و فروخت کر سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جاگیرات کا ایک صیغہ قائم کیا تھا، یعنی حقوق اسلامی کے لحاظ سے جس کو مناسب سمجھتے تھے اس کو جاگیر عطا کرتے تھے، لیکن چونکہ آراضیات بالکل ذمیوں کی مملوکہ تھیں اور حضرت عمرؓ کو ان میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہ تھا، اس لئے اس غرض کے لئے خاص وہ زمینیں مخصوص کی تھیں جو کسی کی ملک نہ تھیں، چنانچہ اس قسم کی زمینیں حسب ذیل تھیں، جاگیرات خالصہ جو نوشیرواں نے خاندان شاہی کے لئے مخصوص کی تھیں، لاوارث اشخاص کی زمین، دریا برآمد، ڈاک خانہ کے متعلق زمین۔

اس کے ساتھ یہ اصول بھی قرار پایا کہ جو ملک بزور فتح کیا جائے، وہاں کے باشندوں کی جائداد فروخت کرنے پر بھی مسلمانوں کے ہاتھ منتقل نہیں ہو سکتی، یہ قاعدہ اگرچہ اس لحاظ سے مقرر ہوا تھا کہ مسلمان کے قبضہ میں آجانے سے زمین دہ یکی ہوجاتی ہے اور خراج کو نقصان پہنچتا ہے، تاہم اس قاعدے نے ذمیوں کو بہت بڑا فائدہ یہ پہنچایا کہ زمین کسی حالت میں ان کے خاندان اور ان کی قوم کے قبضہ سے باہر نہیں جاسکتی تھی، چنانچہ اس کے خلاف اگر کبھی عمل ہوا تو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا گیا، امام لیث بن سعد نے مصر میں تھوڑی سی زمین مول لی تھی، اس پر وہاں کے بڑے بڑے علماء مثلاً ابن لہیعہ اور نافع بن یزید معترض ہوئے (۱) عقبہ بن عامر ایک بڑے بزرگ صحابی تھے اور امیر معاویہؓ نے ان کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، وہ مصر کے ایک گاؤں میں اپنی سکونت کے لئے مکان بنوانا چاہتے تھے، چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس غرض سے ان کو ایک ہزار جریب زمین عطا کی، انہوں نے خراب اور افتادہ زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی انتخاب کی اور جب ان کے نوکر نے کہا کہ کوئی عمدہ قطعہ لیجئے تو انہوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ معاہدہ میں جو شرطیں ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ذمیوں کی زمین ان کے قبضہ سے نکالی نہیں جائے گی (۲) ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اکثر

(۱) مقریزی ص ۲۹۵ (۲) ایضاً ص ۲۰۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممالک میں جو خراج ذمیوں پر مقرر کیا گیا۔ اس کے ساتھ یہ شرط بھی لکھ دی گئی کہ آیندہ کبھی اس پر اضافہ نہ کیا جائے گا، خود مصر کے معاہدہ میں یہ شرط داخل تھی، چنانچہ امیر معاویہؓ نے جب مصر کے عامل وردان کو لکھا کہ خراج کی مقدار میں اضافہ کیا جائے تو اس نے صاف انکار کیا اور جواب میں لکھا کہ معاہدہ میں شرط ہو چکی ہے کہ خراج مقررہ پر اضافہ نہ ہوگا، اگرچہ اس میں شبہہ نہیں ہوسکتا کہ زمانہ مابعد میں خراج کی مقدار بدلتی رہی، لیکن اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ اصل جمع پر اضافہ ہوا، بہت سی زمینیں نئی آباد ہو گئی تھیں اور ان پر اضافہ ہونا خود مقتضائے انصاف تھا۔

سب سے مقدم اور ضروری بحث مذہبی حقوق کی ہے، یورپ میں جس گروہ نے اسلام کو نکتہ چینیوں کا ہدف بنا رکھا ہے، ان کی حوصلہ آزمائی کا بڑا جولان گاہ یہی ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ اسلام میں مذہبی آزادی بالکل نہیں ہے اور قدیم اسلامی حکومتوں نے غیر قوموں کے مذہبی حقوق بالکل پامال کر دئے تھے، لیکن ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام نے تمام دنیا کی قوموں کو جس حد تک مذہبی آزادی دی کبھی کسی قوم نے نہیں دی، نہ اب دینے کا دعویٰ کر سکتی ہے، یورپ دو سو برس پہلے تو مذہبی آزادی کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا، آج بے شبہہ اس کو یہ دعویٰ ہے، مگر کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس کو خود مذہب کی پروا نہیں رہی، بے شبہہ یورپ گرجا اور مسجد کے جھگڑے میں انصاف کا پلہ برابر رکھتا ہے، لیکن اگر ایک سڑک اور مسجد کا معاملہ پیش آجائے تو مسجد بے تکلف برباد کر دی جاتی ہے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جس فیاضی پر ناز ہے، وہ مذہبی آزادی کا نہیں بلکہ مذہبی بے پروائی کا اثر ہے۔

مذہبی آزادی کے متعلق اسلام کا جو اصول ہے، ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجرانیوں کے معاہدوں میں تحریر فرمائے تھے اور جس کو بتمامہا ہم اس مضمون کے پہلے حصہ میں نقل کر چکے ہیں، یعنی یہ کہ پادری وغیرہ اپنے منصب پر بحال رہیں گے اور مذہب سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا، یہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں اور اس لئے دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ یہ خاص اسلام کے احکام ہیں۔ اس سے یہ بھی قیاس ہوسکتا ہے کہ خلفائے راشدینؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال کے یادگار تھے۔ اس باب میں ان کا طرز عمل کیا رہا ہوگا؟ لیکن ہم صرف قیاس پر قناعت نہیں کرتے۔ تاریخ کی مستند کتابوں۔ مثلاً بلاذری۔ طبری۔ ازدی وغیرہ میں سینکڑوں معاہدے اصلی الفاظ میں مذکور ہیں، جن کا قدر مشترک یہ ہے کہ کسی کے مذہب سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ مزید اطمینان کے لئے ہم بعض معاہدوں کو اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

خالد نے حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب حیرہ پر فتح حاصل کی تو یہ معاہدہ لکھ دیا۔

لا یهدم لهم بیعة ولا کنیسة	یعنی ان کے گرجے برباد نہ کئے جائیں گے۔
و لا یمنعون من ضرب	نہ ان کو ناقوس بجانے سے منع کیا جائے گا۔
النواقیس و لا من اخراج	نہ عید کے دن صلیب کے نکالنے سے روکا
الصلبان فی یوم عیدهم (۱)	جائے گا۔

عانات پر جب خالدؓ کا گذر ہوا تو وہاں کا پادری ان کے پاس حاضر ہوا اور انہوں نے ان شرائط پر اس سے صلح کر لی۔

لا یهدم لهم بیعة ولا کنیسة	یعنی ان کے گرجے برباد نہ کئے جائیں
و علی ان یضربوا نواقیسهم	گے، وہ نماز کے وقتوں کے سوا، رات
فی ای ساعة شاؤا من لیل	دن میں جس وقت چاہیں ناقوس
او نهار الا فی اوقات الصلوة	بجائیں اور تمام تیوہاروں میں صلیب
و علی ان یخرجوا الصلبان	نکالیں۔
فی ایام عیدهم (۲)	

قاضی ابو یوسف صاحبؒ نے کتاب الخراج میں ان احکام کو نقل کرکے لکھ دیا ہے کہ "خالدؓ کے ان معاہدوں پر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کسی نے کبھی اعتراض نہیں کیا" اس لحاظ سے اگر فقہی اصطلاح کے موافق

(۱) کتاب الخراج ص ۸۴ (۲) ایضاً ص ۸۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اس مسئلہ پر صحابہؓ کا اجماع ہو گیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ زمانہ مابعد میں جب کبھی کسی متعصب فرماں روا نے اس کے خلاف کرنا چاہا تو مذہبی پیشواؤں نے فوراً مخالفت کی اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے یہ جرات نہ کر سکے تو اس کے مرنے کے بعد اس کی تلافی کر دی گئی۔ ہارون الرشید جب نائس فورس قیصر روم کی بار بار بغاوت سے نہایت برہم ہوا تو عیسائیوں کی طرف سے اس کے خیالات بہت کچھ بدل گئے تھے، غالباً اسی کا اثر تھا کہ اس نے قاضی ابو یوسف صاحبؒ سے جو مذہبی صیغہ کے افسر کل تھے، پوچھا کہ عیسائیوں کے گرجے اسلام میں کیوں محفوظ رہے اور آج ان کو کیوں یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ علانیہ صلیب نکالتے ہیں؟ اس کا جواب جو قاضی صاحبؒ نے لکھا اس کے خاص الفاظ یہ ہیں:۔

انما کان الصلح جری بین المسلمین و اهل الذمة فی اداء الجزیة وفتحت المدن علی ان لا تهدم بیعهم و لا کنایسهم داخل المدینة و لا خارجها و علی ان یقاتلوا من ناواهم عن عدوهم و علی ان یخرجوا الصلبان فی اعیادهم ففتحت الشام کلها و الحیرة الا اقلها علی هذا، فلذالک ترکت البیع و الکنائس و لم تهدم (۱)۔

یعنی مسلمانوں اور ذمیوں سے جزیہ کی بنا پر جو صلح ہوئی تھی، اس شرط پر ہوئی تھی کہ ان کی خانقاہیں اور گرجے شہر کے اندر ہوں یا باہر، برباد نہ کئے جائیں گے اور یہ کہ ان کا کوئی دشمن ان پر چڑھ آئے تو ان کی طرف سے مقابلہ کیا جائے گا اور یہ کہ وہ تیوہاروں میں صلیب نکالنے کے مجاز ہیں۔ چنانچہ تمام شام اور حیرۃ (باستثناء بعض مواضع کے) انہیں شرائط پر فتح ہوا اور یہی وجہ ہے کہ خانقاہیں اور گرجے اسی طرح چھوڑ دیئے گئے اور برباد نہیں کئے گئے"۔

خلیفہ ہادی کے زمانہ میں ۱۶۹ھ میں جب علی بن سلیمان مصر کا گورنر مقرر ہوا تو حضرت مریمؑ کے گرجا اور چند گرجوں کو منہدم کرا دیا۔ ہادی نے ایک سال کی خلافت

(۱) کتاب الخراج ص ۸۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد وفات پائی اور ہارون الرشید تخت نشین ہوا، اس نے علی کو معزول کر کے ۱۷۱ھ میں موسیٰ بن عیسیٰ کو مصر کا گورنر مقرر کیا، موسیٰ نے گرجوں کے معاملہ میں علماء سے استفتاء کیا، اس وقت مصر کے تمام علماء کے پیشوا الیث بن سعد تھے، جو بہت بڑے محدث اور نہایت مقدس اور بزرگ تھے، انھوں نے علانیہ فتویٰ دیا کہ منہدم شدہ گرجے نئے سرے سے تعمیر کرا دیئے جائیں اور دلیل یہ پیش کی کہ مصر میں جس قدر گرجے ہیں خود صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں تعمیر ہوئے تھے، چنانچہ تمام گرجے سرکاری خزانہ سے تعمیر کرا دیئے گئے (۱) علامہ مقریزی نے تاریخ مصر میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے:۔

فبنيت كلها بمشورة الليث بن سعد و عبد الله بن لهيعة و قالا هو من عمارة البلاد و احتجا بان الكنايس التى بمصر لم تبن الا فى الاسلام في زمن الصحابة و التابعين (۲)

اسی طرح دمشق کا ایک گرجا ایک رئیس کی بیجا فیاضی سے خاندان بنی نصر کے قبضہ میں آگیا تھا، حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے اپنے عہد خلافت میں اس کو بنی نصر سے چھین کر عیسائیوں کے حوالہ کر دیا، اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، لیکن اس موقع پر ہم ایک ایسا واقعہ نقل کرتے ہیں، جو صرف ایک جزئی واقعہ کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ اس سے جانشینانِ اسلام کے عام طرز عمل کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

دمشق کی جامع مسجد ایک گرجا کے متصل تھی، جس کا نام یوحنا گرجا تھا، امیر معاویہؓ نے اپنے عہد خلافت میں ضرورت کی وجہ سے چاہا کہ گرجا کو مسجد میں شامل کرلیں، لیکن عیسائیوں نے انکار کیا، امیر معاویہؓ مجبور رہے، عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانہ میں عیسائیوں سے درخواست کی اور معاوضہ پیش کیا، عیسائی پھر راضی نہ ہوئے اور عبدالملک کو باز رہنا پڑا، ولید نے اپنے زمانہ خلافت میں عیسائیوں کے آگے ایک بہت بڑی رقم پیش کی، وہ اسی طرح انکار کرتے رہے، ولید نے غصہ میں آکر کہا

(۱) النجوم الزاہرہ واقعات ۱۷۱ھ (۲) مقریزی ج ۲ ص ۵۱۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ تم خوشی سے نہیں دیتے تو میں جبراً لے لوں گا۔ عیسائیوں نے کہا کہ جو شخص کسی گرجا کو نقصان پہنچاتا ہے، وہ پاگل یا کوڑھی ہو جاتا ہے، ولید کو اس پر زیادہ غصہ آیا خود اپنے ہاتھ میں کدال لے کر گرجا کی دیوار ڈھانی شروع کی اور بالآخر گرجا مسجد میں شامل کرلیا گیا، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے زمانہ میں عیسائیوں نے اس تعدی کی شکایت کی، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے دمشق کے عامل کو لکھ بھیجا کہ گرجا کا جو حصہ مسجد میں ملایا گیا ہے، وہ عیسائیوں کو واپس کردیا جائے، اس پر مسلمانوں کو نہایت رنج ہوا کہ ہم جس مسجد میں نماز پڑھ چکے اور اذانیں دے چکے، اس کو کیوں کر ڈھائیں، آخر عیسائیوں کے پاس جاکر خوشامد کی اور کہا کہ "آغاز فتح میں غوطہ دمشق کے جس قدر گرجے مسلمانوں کے قبضہ میں رہ گئے تھے اور اب تک ہیں، وہ سب واپس کردیئے جائیں گے، اگر تم اس مسجد کو ڈھادینے سے باز آؤ" عیسائی اس پر راضی ہوئے اور عمرؓ بن عبدالعزیز کو اس کی اطلاع دی گئی، انھوں نے عیسائیوں کی خواہش کے موافق مسجد کا منہدم کرنا روک دیا اور ان کو غوطۂ دمشق کے تمام گرجے دلادیئے۔ (۱)

اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ غیر مذہب والوں کی کسی عبادت گاہ پر تصرف کرنا کس قدر پرخطر کام سمجھا جاتا تھا اور مقدس خلفاء کہاں تک گرجاؤں وغیرہ کا لحاظ رکھتے تھے۔

یورپین مصنفوں کی طرف سے بڑا اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے کہ "مسلمانوں کے عہد میں نئے گرجاؤں یا بت خانوں کے بننے کی اجازت نہ تھی" لیکن یہ ان کی سرسری معلومات کا نتیجہ ہے، یہ بحث خود صحابہؓ کے زمانہ میں پیش آچکی تھی اور اس کا فیصلہ کردیا گیا تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تھا تو انھوں نے جواب دیا کہ جو شہر مسلمانوں کے خاص آباد کردہ ہیں، وہاں غیر مذہب والوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ گرجا اور بت خانہ بنائیں، یا سنکھ بجائیں، باقی جو قدیم شہر ہیں وہاں ذمیوں سے جو معاہدہ ہے مسلمانوں کو اس کا پورا کرنا ضرور ہوگا (۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا

(۱) یہ پوری تفصیل فتوح البلدان ص ۱۲۵ میں مذکور ہے۔ (۲) کتاب الخراج ص ۱۸۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ فتویٰ بھی اس لحاظ سے تھا کہ اس وقت تک مسلمان اور دوسری قومیں اچھی طرح ملے جلے نہیں تھے، لیکن جب یہ حالت نہیں رہی تو وہ فیصلہ بھی نہیں رہا، چنانچہ خاص اسلامی شہروں میں اس کثرت سے گرجا، بت خانے، آتش کدے بنے کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا، بغداد خاص مسلمانوں کا آباد کیا ہوا شہر ہے، وہاں کے گرجوں کے نام معجم البلدان میں کثرت سے ملتے ہیں، قاہرہ میں جو گرجے بنے وہ مسلمانوں ہی کے عہد میں بنے، یوٹکلیس نے جو ۳۲۳ھ میں اسکندریہ کا لارڈ بشپ تھا، اپنی کتاب میں جو عربی زبان میں ہے اور جس کو پروفیسر پوکاک نے لاطین ترجمہ کے ساتھ چھاپا ہے، اس قسم کے بہت سے گرجوں کا نام اور ان کے حالات لکھے ہیں۔

خالد بن عبداللہ قسری نے جو ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں عراقین کا گورنر تھا اور عرب کے نہایت نامور لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے، اپنی ماں کے لئے جو عیسائی مذہب رکھتی تھی، خود ایک گرجا تعمیر کرادیا تھا، عضدالدولہ نے جو بہت بڑا نامور شہنشاہ گذرا ہے اور نہایت صاحب فضل و کمال تھا، اپنے وزیر نصر بن ہارون کو چرچ اور گرجاؤں کے بنانے کی عام اجازت دی تھی (۱) چنانچہ اس نے ۳۶۹ھ میں نہایت کثرت سے تمام ممالک اسلامیہ میں چرچ اور گرجے تعمیر کرائے۔

مسلمانوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ پرانے معبد قائم رکھے یا نئے معبدوں کی تعمیر کی اجازت دی، بلکہ انھوں نے نہایت انصاف سے معبدوں کے متعلق تمام عہدے اور تمام وہ جائدادیں بحال رہنے دیں جو ان معبدوں پر وقف تھیں، یہاں تک کہ پجاریوں اور مجاوروں کے جو روزینے پہلے سے مقرر تھے، وہ بھی اپنے خزانے سے جاری رکھے، عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کے عہد میں جب مصر فتح کیا تو جس قدر آراضیات گرجاؤں پر وقف تھیں، اسی طرح بحال رہنے دیں، چنانچہ اس قسم کی جو آراضیات ۵۵ھ تک موجود تھیں، ان کی تعداد ۲۵ ہزار فدان تھی (۲) محمد قاسم نے جب سندھ فتح کیا تو برہمنوں کو بلاکر بت خانوں کے متعلق ان کو جو اختیار دیئے اس کو مؤرخ علی بن حامد

(۱) ابن الاثیر واقعات ۳۶۹ھ ج ۸ ص ۵۱۸ (۲) دیکھو مقریزی ج ۲ ص ۴۹۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنی تاریخ سندھ میں ان الفاظ میں لکھا ہے:۔

" پس اکابر و مقدمان و براہمہ را فرمود کہ معبود خود را عبادت کنند و فقرائے برہمنان را باحسان و تعہد تیمار دارند و اعیاد و مراسم خود بہ شرائط آبا و اجداد قیام نمایند و صدقاتے کہ پیش ازیں درحق براہمہ میداد ند بر قرار قدیم بدہند "۔

بنیامین جو مصر کا پیٹر یارک تھا اور ایرانیوں کے تسلط کے زمانے میں مصر سے بھاگ گیا تھا، اس کو خود عمرو بن العاصؓ نے ۲۰ھ میں امان کی تحریر بھیج کر مصر میں بلوا لیا اور پیٹر یارک کے عہدے پر مامور کیا (۱) محمد فاتح نے جب ۸۵۳ھ میں قسطنطنیہ فتح کیا تو یونانی کلیسا کا خود محافظ بنا اور تمام پادریوں کو ہر قسم کے قانون کے احکام سے بری کر دیا۔

اسلام میں غیر مذہب والوں کے مذہبی احکام کا جو لحاظ کیا جاتا تھا، اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی عیسائی ایک گرجا بنانے کی وصیت کر جائے تو اسلامی عدالت اس وصیت کو جائز تسلیم کرے گی اور مسجد بنانے کی وصیت کر جائے تو ناجائز، چنانچہ صاحب ہدایہ نے باب الوصیۃ میں امام ابو حنیفہؒ کا یہ مذہب نقل کر کے ان کی طرف سے یہ دلیل پیش کی ہے نحن امرنا بان نترکھم وما یدینون یعنی ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم غیر مذہب والوں کو ان کے احکام مذہبی پر چھوڑ دیں، ایک دفعہ جب حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں ایک عورت نے مسلمانوں کی ہجو کے اشعار گائے اور ایک افسر نے اس جرم پر اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے تو حضرت ابو بکرؓ نے اس افسر کو خط لکھا کہ اگر وہ عورت مسلمان تھی تو کوئی معمولی سزا دینی چاہیئے تھی اور اگر ذمی تھی تو جب ہم نے اس کے شرک اور کفر سے درگذر کی تو، ہجو تو شرک سے بہرحال کم ہے۔ (۲)

عیسائی نکتہ چینوں کی نسبت ہم کو صرف یہی شکایت نہیں کہ وہ اسلامی تاریخوں سے ناآشنا ہیں بلکہ افسوس یہ ہے کہ وہ خود اپنے قدیم عیسائی بزرگوں کی روایتوں

(۱) مقریزی ج ۲ ص ۴۹۲ (۲) طبری واقعات ۱۱ھ ج ۴ ص ۱۵-۲۰۱۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے واقفیت نہیں رکھتے ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مرد کا جو پیٹر یارک تھا اور جس کا نام (JESUJAH) تھا ، اس نے ایران کے لارڈ بشپ (SIM EON) کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ الفاظ تھے ، " عرب جن کو خدا نے اس وقت جہاں کی بادشاہت دی ہے ، عیسائی مذہب پر حملہ نہیں کرتے ، بلکہ برخلاف اس کے وہ ہمارے مذہب کی امداد کرتے ہیں ، ہمارے پادریوں اور خداوند کے مقدسوں کی عزت کرتے ہیں اور گرجوں اور خانقاہوں کے لئے عطیہ دیتے ہیں "۔

مذہبی اور قانونی حقوق کے بعد جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ، یہ امر زیادہ قابل لحاظ ہے کہ ذمیوں کو رتبہ اور اعزاز کے لحاظ سے اسلامی گورنمنٹ اور اسلامی پبلک میں کیا درجہ حاصل تھا ، فاتح اور مفتوح کی تمیز ایک ایسا فطرتی اثر ہے ، جو کسی طرح کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتا ، پچھلی دنیا میں تو یہ امتیاز اس حد تک پہنچا تھا کہ فاتح قوموں نے ہمیشہ مفتوحین کو جانوروں سے کچھ ہی زیادہ سمجھا ، ہندو آرین ہندوستان میں آئے تو یہاں کے اصلی باشندوں کو اس طرح خاک میں ملادیا کہ ان کو شودر کے لقب سے خود عار نہیں رہا ، رومن ۔ نے تمام مفتوحہ قوموں کو گویا غلام بنا رکھا تھا ، دنیا اسی حالت میں تھی کہ اسلام کا قدم آیا ، اس کے گرد و پیش ہر طرف اسی قسم کی مثالیں موجود تھیں ، لیکن اس نے کیا کیا ؟ یہ کیا کہ دنیا کے اس رواج یافتہ قاعدے کو دفعتہً مٹا دیا اور قول و فعل دونوں سے بتا دیا کہ حقوق عامہ میں جس قدر آدمی آسمان کے نیچے ہیں ، سب برابر ہیں ، اسلام ہی نے یہ بات سکھلائی تھی کہ جب ایک یہودی نے حضرت علیؓ پر خود ان کی خلافت کے زمانہ میں ایک زرہ کا دعویٰ کیا تو جناب ممدوح کو اس کی جواب دہی کے لئے عدالت میں حاضر ہونا پڑا اور وہ بغیر کسی عذر کے معمولی فریق مقدمہ کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہوئے ، یہ اسلام ہی کی تعلیم تھی کہ جب ایک عیسائی نے ہشام بن عبدالملک پر جو بڑی عظمت اور اقتدار کا خلیفہ گذرا ہے ایک جائداد کا دعویٰ کیا اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے دربار میں مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمرؒ نے ہشام کو عدالت میں طلب کیا اور کہا کہ مدعی کے برابر کھڑے ہو کر جواب دہی کرو ، ہشام نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وکیل مقرر کرنا چاہا، حضرت عمرؓ نے کہا نہیں، تم خود سامنے کھڑے ہوکر جواب دو، ہشام نے عیسائی کے ساتھ سخت کلامی شروع کی، حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے ڈانٹا اور کہا کہ دوبارہ یہ حرکت سرزد ہوئی تو بغیر سزا دیئے نہ چھوڑوں گا، چونکہ روداد سے عیسائی کا حق ثابت تھا، اس کو ڈگری دلائی اور حکم دیا کہ ہشام کی وستاویز جو اس نے پیش کی تھی، چاک کردی جائے (۱) تاریخ اسلام میں اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں، لیکن ہم نے صرف ان بزرگوں کے نمونے پیش کیے ہیں جو خود اسلام کے نمونے تھے۔

اسلامی حکومتوں میں مسلمان اور ذمی عموماً برابری کی حیثیت سے رہتے تھے، سرکاری مناصب میں، مجالس عامہ میں، عام معاشرت میں، فاتح مفتوح کی کچھ تمیز نہ تھی، لیکن قبل اس کے کہ ہم اس دعویٰ کو تفصیلی طور سے ثابت کریں ہم کو ان شبہات کا جواب دینا چاہیے جو اس موقع پر خواہ مخواہ پیدا ہوں گے، عیسائی مصنفین نے ہمیشہ نہایت زور کے ساتھ اسلام پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے دوسری قوموں کو نہایت ذلت کی نگاہ سے دیکھا اور ذلت کی محسوس علامتیں قائم کیں، اسلام نے یا اسلام کے جانشینوں نے یہ قاعدے بنائے کہ ذمی ایک خاص قسم کا لباس اختیار کریں جو ان کی محکومی اور ذلت کی علامت ہو، گھوڑے پر نہ سوار ہوں، راستے میں تادباً مسلمانوں سے بچ کر نکلیں، بڑے بڑے عہدے نہ پائیں، ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ نہ کیا جائے۔

ہم بے شبہہ تسلیم کرتے ہیں کہ فقہ کی پچھلی تصنیفات میں ذمیوں کی نسبت یہ احکام موجود ہیں، لیکن ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ یہ احکام خدا کے، رسول کے، صحابہ کے، ائمہ مجتہدین کے احکام نہیں ہیں، اسی کے ساتھ ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ احکام کسی زمانے میں رواج نہیں پائے، کسی کسی ظالم بادشاہ نے جوش تعصب میں اس قسم کی کارروائی کی تو وہ اسی حد تک رہی، مؤرخین نے عام طور پر لکھا ہے کہ "سب سے پہلے جس نے ذمیوں کا لباس بدلا وہ المتوکل باللہ عباسی تھا" اس سے تو یہ امر علانیہ ثابت ہے کہ متوکل باللہ سے پہلے یہ لباس نہ تھا، متوکل نے ذمیوں پر اور بھی طرح طرح کی سختیاں کیں۔

(۱) العیون والحدائق ص ۶۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وہی متوکل ہے جس نے حضرت امام حسینؑ کے مزار مبارک کو کھدوا کر خاک کے برابر کر دیا اور منادی کرادی کہ کوئی شخص زیارت کو نہ آنے پائے، جس شخص نے خود جگر گوشہ رسولؐ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہو، اس کے کسی فعل پر کیا استدلال ہوسکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق نے بھی ذمیوں کے لئے ایک خاص لباس کی تعیین کی تھی، لیکن یہ وہی لباس تھا جو مدت سے ان کا قومی لباس چلا آتا تھا اور اس وجہ سے یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ اس سے تحقیر اور ذلت مقصود تھی، اس بحث کو ہم نے مختصراً سیرۃ النعمان میں لکھا ہے اور انشاء اللہ الفاروق میں اس بحث کا قطعی فیصلہ کردیں گے، یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ حکم آیا کوئی مذہبی اور انتظامی حیثیت رکھتا تھا یا صرف ان کا مذاقِ طبیعت تھا، جس کے معنی صرف یہ تھے کہ تمام قومیں اپنی قومی خصوصیتوں پر قائم رہیں۔

اس امر کے فیصلہ کے لئے یہ دیکھنا چاہئے کہ لباس کے بارے میں حضرت عمرؓ کے احکام کس حد تک عمل میں آسکے۔

حضرت عمرؓ نے جہاں غیر قوموں کو عرب کے لباس کے اختیار کرنے سے روکا تھا، اہل عرب کو بھی عجم کی وضع سے پرہیز کرنے کی تاکید کی تھی، چنانچہ عتبہ ابن فرقد کو جو فرمان لکھا تھا اس میں یہ الفاظ تھے، علیکم بلباس ابیکم اسمعیل وایاکم والنعم وذی العجم والقوا الخفاف والقوا السراویل، یعنی تم کو اپنے باپ اسماعیل کا لباس پہننا چاہیے، خبردار عیش طلبی اور اہل عجم کی وضع نہ اختیار کرنا، موزہ اور پاجامہ پہننا چھوڑ دو۔

لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ بیت المقدس کے معاہدہ کے لئے شام تشریف لے گئے تو تمام افسرانِ فوجی رومیوں کے لباس میں تھے، اس پر ناراضی بھی ظاہر فرمائی، لیکن جب ان لوگوں نے اس کا سبب بتایا تو چپ ہوگئے، اس سے بڑھ کر یہ کہ جب مصر فتح ہوا تو اہل فوج کی خوراک و لباس کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ عیسائی ہر سال

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلہ اور کپڑوں کی ایک تعداد مقررہ جزیہ کے ساتھ ادا کرتے رہیں، ان کپڑوں میں عمامہ اور جبہ کے ساتھ موزے اور پاجامے بھی شامل تھے (۱) حالانکہ موزہ اور پاجامہ کے استعمال کو حضرت عمرؓ اپنے سابق فرمانوں میں منع کر چکے تھے، حضرت عمرؓ کی ان دو مختلف کارروائیوں کی تاویل اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اول اول ان کی وہ رائے تھی، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ طبائع کے میلان عام کو وہ روک نہیں سکتے تو انھوں نے اس خیال کو جانے دیا۔

غیر قوموں کو حضرت عمرؓ نے جو روک ٹوک کی تھی وہ بھی نہ چل سکی، عیسائیوں اور یہودیوں نے مسلمانوں کی بہت سی خصوصیتیں اختیار کرلیں یہاں تک کہ عمرؓ بن عبدالعزیز نے جو حضرت عمرؓ کے قدم بہ قدم چلنا چاہتے تھے، اپنے ایک عامل کو لکھا کہ وقد ذکر لی ان کثیرا ممن قبلک من انصاری قد راجعوا لبس العمایم وترکوا المناطق (۲) یعنی مجھ کو معلوم ہے کہ اکثر عیسائی عمامہ باندھنے لگے ہیں اور پیٹیاں لگانی چھوڑ دی ہیں"۔

ایک خاص قابل لحاظ یہ بات ہے کہ مسلمان جہاں جہاں گئے اور جہاں جہاں انکی حکومتیں قائم ہوئیں، انھوں نے خود مفتوح قوموں کا لباس اختیار کرلیا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر ان کا لباس ذلت اور تحقیر کی علامت ہوتا تو مسلمان ذلت اور تحقیر کو کیوں گوارا کرتے، عباسیوں کی سلطنت کا آغاز درحقیقت منصور کے عہد سے سمجھا جاتا ہے، اس نے دربار کے لئے جو ٹوپی اختیار کی وہ وہی مجوسیوں کی ٹوپی تھی، جو خاص ان کی قومی علامت تھی، معتصم باللہ جس کے زمانے میں دولت عباسیہ پورے شباب پر پہنچ گئی تھی، اس نے بالکل شاہان عجم کی وضع اختیار کرلی تھی، مؤرخ مسعودی نے لکھا ہے: وغلب علیه حب الفروسیة والتشبه بالملوک الاعاجم فی الآلة ولبس القلانس والشاشیات فلبسها الناس اقتداء بفعله وائتماما به فسمیت المعتصمیات (۳) یعنی وہ

(۱) فتوح البلدان ص ۲۱۵ (۲) کتاب الخراج ص ۷۲، (۳) مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ ج ۸ ص ۳۰۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ٹوپی اوڑھنے، پگڑی باندھنے اور ساز و سامان رکھنے میں رئیسانِ عجم کی تقلید کا بہت شائق تھا، چنانچہ اس کو دیکھ کر سب نے یہ وضع اختیار کرلی اور اس وضع کا نام معتصمی پڑ گیا۔

سندھ وغیرہ میں جب عربوں کی حکومت قائم ہوئی اور اس کے مختلف حصوں میں خاص عرب کی نسل کے سلاطین فرماں روا ہوئے تو تمام مسلمانوں نے ہندوؤں کی وضع اختیار کرلی، چنانچہ ابن حوقل بغدادی جس نے چوتھی صدی کے آغاز میں ان ممالک کا سفر کیا تھا، کھنبات کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے 'وزی المسلمین والکفار بھا واحد فی اللباس وارسال الشعر، یعنی یہاں مسلمان اور کافروں کی ایک وضع ہے، دونوں ایک سا لباس پہنتے ہیں اور بال بڑے بڑے رکھتے ہیں۔

وہی مؤرخ سندھ اور منصورہ کی نسبت لکھتا ہے 'وزیھم زی اھل العراق الاان زی ملوکھم یقارب زی ملوک الھند، یعنی کے مسلمانوں کا لباس عراق کا سا ہے، لیکن یہاں کے بادشاہوں کی وضع ہندو راجاؤں کے قریب قریب ہے۔

مخالفوں کی طرف سے بلکہ خود متعصب مسلمانوں کی طرف سے بڑا استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ حکم دیا تھا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو سلام نہ کرو، چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ نادانستگی سے ایک عیسائی کو سلام کیا تو پھر اس سے جاکر کہہ آئے کہ تو میرا سلام پھیر دے، یہ اور اس قسم کی روایتیں بہت زیادہ شہرت پکڑ گئی ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ اس راز سے بالکل پردہ اٹھادیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں جو یہود رہتے تھے، ان میں اس قدر تعصب تھا کہ بات بات میں اس کا اثر پایا جاتا تھا، وہ مسلمانوں کو سلام کرتے تھے تو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہتے تھے، جس کے معنی یہ ہیں کہ "تم کو موت آئے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ جب یہود اس طرح سے سلام کریں تو تم صرف یہ کہدو کہ علیکم یعنی "تم پر" (۱) یہی روایت ہے جو مختلف پیرایوں میں ادا کی گئی ہے اور جس کا حاصل صرف یہ کہ "جس طرح لوگ تم سے پیش

(۱) ادب المفرد امام بخاری ص ۲۱۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئیں تم بھی ان سے اسی طرح پیش آؤ "بے شبہہ عبداللہ بن عمرؓ نے سلام کہہ کر واپس لیا تھا، لیکن اولاً تو اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ عیسائی ذمی یعنی اسلام کی رعیت تھا اور ہماری بحث یہاں صرف ذمیوں کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے اصلی بات یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی یہ ذاتی رائے تھی اور دوسرے صحابہ جو علم و فضل تحقیق و اجتہاد میں ان سے بہت بڑھ کر تھے، ان کی رائے اس کے بالکل خلاف تھی، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ جن کو بحر العلم کا خطاب ملا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص یہودی ہو یا عیسائی یا آتش پرست، سب کے سلام کا جواب اسی طرح دینا چاہیے، جس طرح وہ تم کو سلام کرتا ہے، کیوں کہ خدا نے خود فرمایا ہے کہ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا (نساء ۴ : ۸۶) یعنی جب تم کو کوئی شخص سلام کرے تو تم اس سے زیادہ عمدہ طور پر اس کا جواب دو یا عمدہ طور سے نہیں تو برابر طور سے سہی، عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول امام بخاری نے ادب المفرد میں نقل کیا ہے، ابو موسیٰ اشعریؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، انہوں نے ایک عیسائی راہب کو خط لکھا تو سرنامہ پر سلام لکھا، اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا، انہوں نے جواب دیا کہ اس نے مجھ کو خط میں سلام لکھا تھا تو میں نے بھی لکھا، امام بخاری نے ادب المفرد عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل کرکے لو قال لی فرعون بارک اللہ فیک قلت و فیک یعنی اگر فرعون بھی مجھ کو یہ الفاظ کہے کہ خدا تجھ کو برکت دے تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ خدا تجھ کو برکت دے۔ (۱)

حاصل یہ کہ اسلام کا یہ اصول تھا اور اسی پر ہمیشہ عمل در آمد رہا کہ جو قوم جس طرح اسلام کے ساتھ پیش آتی تھی، اسلام بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آتا تھا، جو عیسائی یا یہودی وغیرہ دوستانہ اور مہذبانہ برتاؤ کرتے تھے، ان کے ساتھ اسی طریقے سے برتاؤ کیا جاتا تھا، البتہ اسلام میں عیسائیوں کی طرح یہ فیاضی نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی کے ایک گال پر طمانچہ مارے تو وہ دوسرا گال پھیر دے کہ لو یہ بھی حاضر ہے۔

(۱) کتاب الادب المفرد ص ۲۱۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمیوں کو معاشرت کے تمام امور میں جو مساویانہ درجہ حاصل تھا، اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ اسلامی تذکروں میں جہاں کسی صاحب علم عیسائی یا یہودی کا ذکر آتا ہے تو اس کا نام اسی معزز اور مدح آمیز طریقہ سے لیا جاتا ہے، جس طرح ایک مسلمان اہل کمال کا لیا جاسکتا تھا، یہاں تک کہ اگر مذہب کی تصریح نہ ہو تو کسی طرح امتیاز نہیں ہوسکتا کہ یہ کسی مسلمان کا تذکرہ ہے یا کسی غیر مذہب کے آدمی کا، بختیشوع، جبریل، سلمویہ، حنین بن اسحاق، یوحنا بن ماسویہ، ابو اسحاق صابی کا تذکرہ اسلامی تاریخوں میں جس عظمت سے کیا گیا ہے، ان کتابوں کے پڑھنے سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے، میں اس موقع پر نمونے کے لئے صرف ابن التلمیذ کی نسبت جو بغداد کا ایک معزز عیسائی تھا، مؤرخان اسلام کے چند فقرے نقل کرتا ہوں، عماد کاتب نے جو سلطان صلاح الدین کا میر منشی تھا، اس کو سلطان الحکماء کے لقب سے مخاطب کرکے یہ الفاظ لکھے ہیں' ورايته وهو شيخ بهي المنظر حسن الرواء لطيف الروح بعيد الهم، عالي الهمة، مصيب الفكر حازم الراى وكنت اعجب في امره كيف حرم الاسلام مع كمال فهمه وغزارة علمه - (۱)

کیا کوئی قوم کسی دوسری قوم کا ذکر اس سے زیادہ مدح اور تعریف کے ساتھ کرسکتی ہے، آج کل کے مقدس علماء کے آگے اگر دنیاوی حیثیت میں بھی کسی انگریز کا ذکر مدح کے ساتھ کیا جائے تو وہ اس کو اسلامی شان کے خلاف سمجھیں گے، مگر اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ ان کو تاریخ پر نظر نہیں اور ان کو معلوم نہیں کہ وہ جن بزرگوں کے نام لیوا ہیں، ان کا طریق عمل کیا تھا۔

خلفائے عباسیہ کے دربار میں غیر مذہب والوں کو جو اعزاز اور رتبہ حاصل تھا اس سے کون انکار کرسکتا ہے، عباسیوں کے دربار کا یہ خاص آئین تھا کہ کسی شخص کا نام دربار میں لقب یا کنیت کے ساتھ نہیں لیا جاتا تھا، اس قاعدے سے کوئی

(۱) ابن خلکان نے کتاب الخریدہ کے حوالہ سے مذکورہ بالا عبارت میں ترمیم کرکے بعینہ وہی الفاظ نقل کئے ہیں، ملاحظہ ہو کتاب مذکور تذکرہ ابن التلمیذ ج ۲ ص ۱۲۶۔ "ک"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسا ہی بڑی عزت اور مرتبے کا آدمی مستثنیٰ ہو سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اکثر بڑے بڑے علماء کو یہ عزت نصیب نہیں ہوتی تھی، باوجود اس کے مامون الرشید۔ جبریل بن بختیشوع کا نام دربار میں کنیت کے ساتھ لیتا تھا۔ ہارون الرشید نے عام حکم دے دیا تھا کہ جس شخص کو مجھ سے کچھ کہنا ہو یا کوئی عرض پیش کرنی ہو تو جبریل بن بختیشوع کے ذریعے سے کرے، چنانچہ بڑے بڑے افسران فوجی ہارون رشید سے جو کچھ عرض معروض کرتے تھے، جبریل کے ذریعہ سے کرتے تھے۔ (۱) متوکل باللہ نے باوجود اس کے ذمیوں کی نسبت سخت احکام جاری کئے تھے، تاہم اس کے دربار میں ذمی اہل کمال کو یہ عزت حاصل تھی کہ بختیشوع دربار میں خود متوکل کا سا لباس پہن کر آتا تھا (۲) اور اکثر صحبتوں میں متوکل کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھتا تھا، یہاں تک کہ ایک دفعہ بختیشوع متوکل کی خدمت میں حاضر ہوا تو اتفاق سے وہ اس وقت دیوان خاص کی چوکھٹ پر بیٹھا ہوا تھا، بختیشوع بھی وہیں چوکھٹ پر اسکے برابر بیٹھ گیا (۳) سلمویہ بن بنان کو جو عیسائی مذہب رکھتا تھا، معتصم باللہ کے دربار میں یہ عزت حاصل تھی کہ معتصم کے جس قدر فرمان صادر ہوتے تھے، سلمویہ کے دستخط سے ہوتے تھے، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں سلمویہ کی نسبت معتصم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے 'اکبر عندی من قاضی القضاۃ'، یعنی سلمویہ میرے نزدیک قاضی القضاۃ سے بڑھ کر ہے، سلمویہ جب بیمار ہوا تو معتصم خود عیادت کو گیا اور افسوس کے ساتھ رویا، سلمویہ نے جب وفات کی تو اس رنج میں تمام دن کھانا نہیں کھایا اور حکم دیا کہ اس کا جنازہ ایوان شاہی میں لاکر رکھا جائے اور عیسائی مذہب کے موافق شمع اور بخور جلاکر اس کے جنازے کی نماز پڑھی جائے۔ (۴)

خلیفہ المعتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزرا امراء دست بستہ کھڑے رہتے تھے، صرف وزیر اعظم اور ثابت بن قرۃ کو بیٹھنے کی اجازت تھی، حالانکہ ثابت بن قرۃ

(۱) عیون الانباء فی طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۲۷ (۲) ایضاً ص ۱۳۸ (۳) ایضاً ص ۱۴۰

(۴) ایضاً ص ۱۶۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہباً صابی اور ذمی تھا، ایک دن معتضد ثابت بن قرۃ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ٹہل رہا تھا، دفعتہً معتضد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، ثابت خوف سے کانپ اٹھا، معتضد نے کہا "ڈرو نہیں، میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ کے اوپر تھا، لیکن چونکہ تم علم و فضل میں مجھ سے بڑھ کر ہو اس لئے تمہارا ہاتھ اوپر ہونا چاہیئے"۔

سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس، نہایت پابند شریعت اور متقی و پرہیز گار تھا، اس کے دربار میں کثرت سے عیسائی تھے اور وہ ان کی نہایت عزت و توقیر کرتا تھا، انھیں میں سے ابن السطران ایک عیسائی تھا، صلاح الدین کی عادت تھی کہ وہ لڑائی کے معرکوں میں ایک سرخ خیمہ نصب کراتا تھا اور جب لڑائی سے فارغ ہوکر بیٹھتا تھا تو اسی خیمے میں بیٹھتا تھا، چونکہ یہ امتیاز کی علامت تھی اس لئے حکم تھا کہ اور کوئی شخص اس رنگ کا خیمہ نہ رکھے، ابن السطران چونکہ شان و شوکت اور تمام باتوں میں خود سلطان صلاح الدین کی ہمسری کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنا خیمہ بھی سرخ رنگ کا تیار کرایا اور اسی میں بیٹھا کرتا تھا، صلاح الدین نے دیکھا تو کہا کہ مجھ کو اس سے کوئی اعزاز مقصود نہیں تھا، صرف ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا گیا تاکہ لوگ میرے خیمہ کو بآسانی پہچان لیں، یہ کہہ کر اس کا خیمہ اکھڑوا دیا، ابن السطران اس پر سخت برہم ہوا اور دو دن تک دربار میں نہ آیا، آخر صلاح الدین نے بڑی استمالت سے اس کو راضی کیا، اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں، کوئی کہاں تک گنوائے۔

یورپ والو! اگر اسلامی حکومتوں میں ذمیوں کی اسی طرح ذلت اور تحقیر کی جاتی تھی تو کاش تم اپنی مفتوحہ قوموں کے ساتھ اسی ذلت اور تحقیر کا برتاؤ کرتے۔

اعزاز اور توقیر کی نسبت شاید کہا جائے کہ یہ پالٹیکس کی بنا پر تھا، اس لئے ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام اور جانشینانِ اسلام ذمیوں کی نسبت دلی ہمدردی اور غمخواری کے کیا خیالات رکھتے تھے، ذمیوں کی نسبت اگرچہ ہر قسم کے معاملات حضرت عمرؓ کے عہد میں منضبط ہوئے اور زمانہ مابعد میں بہ لحاظ اغلب انہیں کا طرز عمل، سچے مسلمانوں کا طرز عمل رہا، لیکن ابتدا خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانِ مبارک میں ہوچکی تھی اور اس وجہ سے ہم کو اس باب میں خود شریعت کا طرزِ عمل معلوم ہوسکتا ہے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ارقم کو جزیہ کے وصول کرنے پر مقرر کیا تو ان کو بلاکر فرمایا "الا من ظلم معاھدا او کلفه فوق طاقته او انتقصه و اخذ منه شیئا بغیر طیب نفسه فانا حجیجه یوم القیامة" (۱) یعنی جان لو کہ جو شخص کسی معاہد (یعنی ذمی) پر ظلم کرے گا یا اس سے اس کی طاقت سے زیادہ کام لے گا یا اس کو ذلیل کرے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے گا تو میں قیامت کے دن اس کا دشمن ہوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ جہاں کہیں ذمیوں پر کسی قسم کی سختی ہوتی دیکھتے تھے، فوراً مواخذہ کرتے تھے۔ سعید بن زیدؓ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ذمیوں کو مال گذاری وصول کرنے کے لئے دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے، اسی وقت وہاں کے حاکم سے جاکر کہا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کو عذاب دیتا ہے، خدا اس کو عذاب دے گا، ہشام بن حکیم کو بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا اور انھوں نے اسی وقت حاکم وقت یعنی عیاض بن غنم کے پاس جاکر ملامت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی قول سند میں پیش کیا (۲)۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے شخص کو ایک دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا، اس سے پوچھا کہ تیرا کیا مذہب ہے؟ اس نے کہا یہودی، فرمایا بھیک کیوں مانگتا ہے، بولا کہ تنگی اور مفلسی کی وجہ سے اور جزیہ کے ادا کرنے کے لئے، حضرت عمرؓ اس کو اپنے ساتھ اپنے مکان پر لوا گئے اور کچھ نقد اپنے پاس سے دے کر بیت المال کے افسر کے پاس کہلا بھیجا کہ "انظرھم ھذا وضرباءه فو اللہ ما انصفناه ان اکلنا شبیبته ثم نخذله عند الھرم انما الصدقات للفقراء و المساکین والفقراء

(۱) کتاب مذکور ص ۷۲ (۲) ایضاً ص ۷۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ھم المسلمون و ھذا من المساکین من اھل الکتاب " یعنی اس بوڑھے اور اس کے اور ساتھیوں پر خیال کرو، خدا کی قسم یہ انصاف کی بات نہیں کہ اس کی جوانی کی کمائی ہم نے کھائی اور اب یہ بوڑھا ہوگیا ہے تو اس کو ہم نکال دیں، صدقے کی نسبت جو خدا نے کہا ہے کہ فقیروں اور مسکینوں کو دینا چاہیئے تو فقیروں سے مسلمان اور مسکینوں سے اہل کتاب مراد ہیں۔ (۱)

حضرت عمرؓ کی اس ہمدردی اور رحم کا جو ان کو ذمیوں کے ساتھ تھا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ باوجود اس کے کہ وہ ایک ذمی کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، تاہم ذمیوں کا ان کو خیال تھا کہ وفات کے وقت تین نہایت ضروری وصیتیں جو کیں ان میں ایک یہ تھی کہ ذمیوں کے ساتھ جو اقرار ہیں وہ پورے کئے جائیں، ان کی طاقت سے زیادہ کام ان سے نہ لیا جائے اور ان کے دشمنوں کے مقابلے میں ان کی طرف سے لڑائی کی جائے۔ (۲)

عراق میں حضرت عمرؓ نے جو خراج مقرر کیا تھا، اگرچہ نہایت خفیف تھا، تاہم ان کو ہمیشہ خیال رہا کہ تشخیص مال گذاری میں ذمیوں پر سختی تو نہیں کی گئی، چنانچہ جن لوگوں نے زمین کی پیمائش کرکے جمع تشخیص کی تھی، ان کو اکثر بلاکر اس کی نسبت پوچھا کرتے تھے، خراج جب آتا تھا تو دس شخص بصرے سے اور دس کوفے سے طلب کئے جاتے تھے، حضرت عمرؓ ان کے اظہار لیتے تھے اور جب وہ چار دفعہ شرعی قسم کھاکر کہتے تھے کہ مال گذاری کے وصول کرنے میں ذمیوں پر سختی نہیں کی گئی ہے تب ان کو تسلی ہوتی تھی، مسلمانوں کو ذمیوں کے ساتھ جو ہمدردی تھی، اس کے لئے اس قسم کی سینکڑوں جزوی مثالیں ملتی ہیں، لیکن ان سب کا استقصا نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ہم ایک ایسے واقعہ پر اکتفاء کرتے ہیں، جس سے جماعت اسلامی کی عام رائے کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

جزیرہ سائپرس جب ۲۹ھ میں فتح ہوا تو شرط یہ ٹھہری کہ وہاں کے لوگ مسلمانوں اور رومیوں کے باہمی معرکوں میں کسی کا ساتھ نہ دیں گے، لیکن ۳۲ھ میں

(۱) کتاب الخراج ص ۲، (۲) حضرت عمرؓ کے اس قول کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے مسلمانوں کے برخلاف رومیوں کو مدد دی، امیر معاویہؓ نے ان پر چڑھائی کی اور شہر کو فتح کر کے پہلی شرط پر پھر صلح کر لی، لیکن وہ اپنی شرارت سے پھر باز نہ آئے، اس پر ولید بن یزید نے ایک گروہ کو جلا وطنی کی سزا دی، اگرچہ وہ اس سزا کے فی الحقیقت مستحق تھے، لیکن ان کی سازش کا ثبوت قطعی نہ تھا، تمام مسلمان اور علماء اور فقہاء ولید کی اس حرکت پر سخت برہم ہوئے کہ ذمیوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جائز نہیں، چنانچہ ولید کے بعد جب اس کا بیٹا تخت خلافت پر بیٹھا تو اس نے ان سب کو واپس بلا لیا اور تمام مسلمانوں نے ولید کی اس کارروائی کی تحسین کی، دولت عباسیہ کے زمانے میں وہاں کی رعایا نے پھر بغاوت کا ارادہ کیا، اس وقت عبد الملک بن صالح گورنر تھا اور بڑے بڑے نامور ائمہ اور فقہاء مثلاً لیث بن سعد، امام مالک، سفیان بن عیینہ، موسیٰ بن اعین، اسماعیل بن عیاش، یحییٰ بن حمزہ، ابو اسحاق فزاری، مخلد بن حسین وغیرہ موجود تھے، عبد الملک نے ان سب کے پاس استفتاء بھیجا اور پوچھا کہ قاعدہ شریعت کی رو سے ان سے کیا سلوک کرنا چاہیے، علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں ان ائمہ کے فتوے الگ الگ ان کے الفاظ میں نقل کئے ہیں، اکثروں نے تو یہی رائے دی کہ ان سے درگذر کرنا چاہیے، کیونکہ فقط ارادہ بغاوت سے وہ ذمیت کے حقوق سے محروم نہیں ہوگئے، لیکن جن بعض بزرگوں نے سختی کی انھوں نے بھی صرف یہ اجازت دی کہ ان کو سال بھر کی مہلت دی جائے، اگر اس مدت میں وہ پورے مطیع ہوجائیں تو بہتر ورنہ ان کو کہہ دیا جائے کہ رومیوں کے ملک میں چلے جائیں، یحییٰ بن حمزہ اور ابو اسحاق فزاری و مخلد بن الحسین نے یہ فتویٰ دیا کہ ان لوگوں کے پاس جس قدر مال و اسباب اور زمین وغیرہ ہے ایک ایک چیز کی دوگنی قیمت بیت المال سے ادا کی جائے اور ان کو کہہ دیا جائے کہ وہ اور کہیں جا کر آباد ہو جائیں، اسماعیل بن عیاش نے لکھا کہ "وہ بیچارے رومیوں کے مظلوم ہیں، اس لئے ہم کو ان کی مدد کرنی چاہیے" ان بزرگوں کے فتوؤں اور رایوں سے بہ آسانی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ذمیوں کے ساتھ اسلام کا کیا برتاؤ تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب سے اخیر ملکی حقوق کی ہے، یعنی یہ کہ ذمیوں کو انتظام سلطنت میں کہاں تک دخل تھا، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ شروع سے اس بحث میں ہمارے مخاطب عیسائی ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام غیر مذہب والوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کا حکم دیتا ہے، اس لئے ہم ملکی حقوق کی بحث میں یورپ کے نظام سلطنت سے موازنہ کریں گے، کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک عدل و انصاف، تہذیب و شائستگی کا معیار یورپ اور یورپ کا اصول حکومت ہے۔

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ملکی حقوق کی نسبت یورپ کی مہذب سے مہذب حکومتوں نے فاتح و مفتوح میں جو حد فاصل قائم کی ہے، وہ اسلامی حکومتوں نے کبھی نہیں کی، اسلام نے یا اسلامی حکومتوں نے کبھی یہ قاعدہ نہیں بنایا کہ جو شخص ولایت زا نہ ہو اس کو فلاں قسم کے حقوق نہیں مل سکتے یا فلاں فلاں عہدے فاتح قوم کے افراد کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اسلام کے آغاز میں ملکی اور فوجی عہدے مختلف نہ تھے، جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا تھا، وہی سپہ سالار بھی ہوتا تھا، یہاں تک کہ جو لوگ منصب قضا پر مامور ہوتے تھے، وہی ضرورت کے وقت فوج کے جنرل مقرر ہوکر بھیج دئے جاتے تھے، تہذیب اور شائستگی کے تاریخ داں اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ سلطنت جب اول اول قائم ہوتی ہے تو اس کے مختلف صیغے مدت تک باہم مختلط رہتے ہیں، جس قدر تمدن زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر تقسیم عمل کا اصول زیادہ عمل میں آجاتا ہے اور ہر ہر صیغہ جدا جدا صورت پکڑتا جاتا ہے، اسی کلیہ کے موافق اسلام کے ابتدائی زمانے میں بھی اس قسم کا اختلاط و التباس رہا اور اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ مفتوح قومیں، ملکی انتظامات میں کم شامل ہوسکیں، کیونکہ اس وقت تک جس قدر ملکی عہدے تھے ان میں فوجی مہمات بھی شامل تھیں اور اس وجہ سے غیر قومیں خود ان پر خطر خدمات کو گوارا نہیں کرتی تھیں۔

اس موقع پر یہ امر قابل استفسار ہے کہ اگر غیر قوموں نے خود فوجی خدمتوں کو قبول کرنا چاہا تو اسلام نے ان کی خواہش کا کہاں تک لحاظ رکھا اور جواب یہ ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام نے بے تکلف ان کی درخواست منظور کی، حضرت عمرؓ کے وقت میں بارہا یہ موقعے پیش آئے کہ عیسائیوں اور آتش پرستوں نے باوجود اپنے مذہب پر قائم رہنے کے فوجی خدمتوں میں شامل ہونے کی درخواست کی اور حضرت عمرؓ نے نہایت خوشی سے ان کی درخواست کو منظور کر کے ان کو وہ تمام حقوق دے دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے، لیکن ناظرین کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ ہم اس موقع پر ان واقعات کی تفصیل بھی بیان کریں گے، ورنہ الفاروق کے لئے کیا رہ جائے گا۔

بہر حال اسلام کے ابتدائی زمانے میں وہ خدمتیں اور عہدے جن میں فوجی حیثیت بھی شامل تھی، ذمیوں کو کم ملے، لیکن جس صیغے میں اس حیثیت کا لگاؤ نہ تھا وہ ذمیوں کے لئے کھلا رہا، بلکہ حق یہ ہے کہ خاص انھیں کے قبضہ اختیار میں رہا، خراج اور مال گذاری کے محکموں اور دفتر پر عموماً عیسائی اور آتش پرست قابض تھے، یہاں تک کہ اس دفتر کی زبان بھی لاطینی اور فارسی و قبطی رہی، شام میں ۸۷ھ تک دفتر خراج لاطینی زبان میں تھا اور اس وقت انتسنساش نام ایک عیسائی اس محکمہ کا افسر تھا، عراق کا دفتر حجاج بن یوسف کے زمانے میں فارسی سے عربی زبان میں منتقل ہوا، وہ بھی اس وجہ سے کہ دفتر خراج کے میر منشی نے جو آتش پرست تھا اور جس کا نام فرخ زاد تھا، مغرورانہ یہ دعویٰ کیا تھا کہ عربی زبان اس قابل نہیں کہ حساب کے تمام جزئیات کو ادا کر سکے۔

رفتہ رفتہ جب تمدن نے زیادہ ترقی کی اور ملکی اور فوجی صیغے میں فی الجملہ امتیاز ہوا تو ذمیوں کو ملکی صیغے میں بار ہونے لگا، سب سے پہلے اس کی ابتداء امیر معاویہؓ کے عہد میں ہوئی، یعنی ابن آثال ایک عیسائی حمص کا فنانشل کمشنر اور وہاں کا حاکم مقرر ہوا (۱) رفتہ رفتہ کوئی بڑے سے بڑا منصب اور عہدہ ایسا نہیں رہا جو غیر مذہب والوں کے دسترس سے باہر رہا ہو، مذہبی صیغہ کو چھوڑ کر دربار میں سب سے بڑے عہدے دو تھے، وزارت اور کتابت، کتابت آج کل کی اصطلاح میں چیف سکریٹری

(۱) تاریخ یعقوبی ذکر حکومت معاویہؓ ج ۲ ص ۲۶۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے عہدے کے برابر تھی یعنی ہر قسم کے فرامین سلطنت اور سلطنتِ غیر سے مراسلت کا کام اسی سے متعلق ہوتا تھا اور اسی وجہ سے وہ وزیر اعظم کے برابر یا اس سے دوسرے درجہ پر خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں جہاں اس عہدے کا ذکر کیا لکھا ہے کہ "ان صاحب هذه الخطة لابد ان يتخير من ارفع طبقات الناس"۔ (۱)

غرض یہ دونوں منصب جو اعلیٰ ترین مناصب تھے، ذمیوں کو عطا کئے گئے، عبدالملک بن مروان جو سلطنت بنو امیہ کا دوسرا تاج دار تھا، اس کا کاتب ابن سرجون ایک عیسائی تھا۔

دولت عباسیہ کے عہد میں ابو اسحاق صابی جو اس منصب پر ممتاز تھا بڑے رتبے کا شخص گذرا ہے اور ابن خلکان وغیرہ نے اس کے فضل و کمال میں بڑی تعریف کی ہے، سلطنت دیلم کا سرتاج عضد الدولہ جو شہنشاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، اس کا وزیر اعظم ایک عیسائی تھا، جس کا نام نصر بن ہارون تھا، یہ تمام خلفاء و سلاطین دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی شان بھی رکھتے تھے، یورپ کو اس قسم کی بے تعصبی اور فیاضی تک پہنچنے کے لئے ابھی کئی سو برس درکار ہیں۔

ایک امر البتہ قابل لحاظ ہے کہ اسلامی حکومتوں میں سول اور ملیٹری ڈپارٹمنٹ کسی زمانے میں صاف صاف الگ نہیں ہوئے، اس واسطے جس حد تک ملکی صیغہ میں فوجی حیثیت کا لگاؤ رہتا تھا، ذمی اس سے کم متمتع ہوسکتے تھے۔ لیکن اس کے سوا اور ہر قسم کے مناصب اور عہدے تمام ذمیوں کے لئے کھلے تھے اور ہر زمانے میں سینکڑوں اور ہزاروں عیسائی، یہودی، ہندو، آتش پرست سرکاری خدمتوں پر مامور رہے، ہندوستان میں ایک خاص تغیر ہوا یعنی یہ کہ ہندوؤں نے کثرت سے فوجی خدمتیں قبول کیں اور فوج میں بہت بڑا حصہ ان کا تھا، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوؤں نے ہر قسم کے بڑے بڑے ملکی عہدے حاصل قائم کئے، ناواقف ہندو خیال کرتے ہیں کہ یہ فیاضی صرف اکبر

(۱) مقدمہ ابن خلدون، دیوان الرسائل والکتابۃ ص ۲۰۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ مخصوص تھی اور یہ اس کی مادری حیثیت کا اثر تھا، لیکن یہ ان کی تاریخی جہالت کا نتیجہ ہے، جہاں گیر، شاہ جہاں، یہاں تک کہ عالم گیر جس کو نہایت متعصب خیال کیا جاتا ہے، سب نے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دیے، شاہ جہاں کے دربار میں سب سے بڑا منصب نہ ہزاری تھا، یعنی وہ ارکان سلطنت جن کو نو ہزار سواروں کے رکھنے کی اجازت تھی، اس سے اتر کر ہفت ہزاری اور اس عہدے پر مہا بت خان خان خانان ممتاز تھا، اس کے نیچے پنج ہزاری و چار ہزاری وغیرہ تھے، چنانچہ اس درجہ کے مناصب پر مسلمانوں اور ہندوؤں کی تعداد قریب برابر تھی، ہم نہایت اختصار کے ساتھ یہاں اس قسم کے ہندو عہدہ داروں کی فہرست لکھتے ہیں، جس کو ہم شاہ جہاں کی سرکاری تاریخ شاہ جہاں نامہ سے انتخاب کیا ہے۔

رانا جگت سنگھ	پنج ہزاری	راجہ تھپل داس	چار ہزاری
گج سنگھ	"	بھارت بندیلہ	"
جے سنگھ	"	راؤ سور	"
راؤ رتن باد	"	جگدیو رائے	"
جھجار سنگھ	"	ہمیر رائے	"
مالوجی دکنی	"		
اوداجی رام	"		
بہادر جی	"		

ان کے علاوہ گیارہ ہندو افسر دو ہزاری، بارہ ڈیڑھ ہزاری، سولہ ایک ہزاری، آٹھ نہ صدی، گیارہ ہشت صدی، آٹھ ہفت صدی تھے اور ان سے نیچے کے عہدہ دار تو بے شمار تھے۔

ان تمام واقعات کے ثابت ہونے کے بعد دنیا خود اس کا فیصلہ کرسکتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں نے غیر قوموں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الجزیہ

غیر مذہب والوں نے ہمیشہ اس لفظ کو نہایت ناگواری سے سنا ہے، ان کا خیال ہے کہ اسلام اس لفظ کا موجد ہے، اسلام ہی نے یہ اصول پیدا کیا جس سے اس کا مقصد مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں نہایت متعصبانہ اور نا مناسب تفرقہ قائم کرنا تھا، ان کا خیال ہے کہ جزیہ ایک ایسا جبر تھا جس سے بچنے کے لئے اسلام قبول کر لینا بھی گوارا کیا جاتا تھا اور اس وجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنے کا ایک قوی ذریعہ تھا، لیکن یہ تمام غلط خیالات انہیں غلط فہمیوں سے پیدا ہوئے ہیں، جو غیر قوموں کو اسلام کی نسبت ہیں، ہم اس موقع پر تین حیثیتوں سے جزیہ پر بحث کرنی چاہتے ہیں، جزیہ اصل میں کس زبان کا لفظ ہے اور کن معنوں میں مستعمل ہوتا ہے، ایران اور عرب میں جزیہ کی بنیاد کب سے قائم ہوئی، اسلام نے اس کو کس مقصد سے اختیار کیا۔

پہلی بحث

جزیہ گو اب مصطلح معنی میں خاص ہو گیا ہے، لیکن لغت کی رو سے وہ خراج اور جزیہ کے لئے یکساں موضوع ہے، قاموس میں ہے ''الجزیۃ خراج الارض وما یوخذ من الذمی'' جوہری و صاحب قاموس نے اس لفظ کے اصل اشتقاق سے کچھ بحث نہیں کی، صاحب کشاف نے اس کو ''جزی'' سے مشتق خیال کیا ہے، اصل یہ ہے کہ غیر زبانوں کے جو الفاظ عربی میں مستعمل ہو گئے ہیں، ان کی نسبت ہمارے مصنفین اکثر غلطی کرتے ہیں، تعجب یہ ہے کہ خاص اس قسم کے الفاظ نہایت استیعاب سے جمع کئے گئے ہیں اور یہ فن لغت کی ایک شاخ بن گئی ہے، تاہم جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں، مثلاً شفاء الغلیل وغیرہ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مصنفین غیر زبانوں کے ماہر نہ تھے، منجنیق اور صوفی صاف یونانی الفاظ ہیں، جن کی اصل مکانک اور سوف ہے، لیکن ہمارے علمائے لغت منجنیق کی اصل "من چہ نیک" بتاتے ہیں (۱) اور صوفی کو صوف سے ماخوذ سمجھتے ہیں (۲) جو ایک قسم کا کپڑا ہوتا ہے، اس قسم کے اور سینکڑوں الفاظ ہیں۔

غیر زبانوں کے الفاظ اور مصطلحات کے متعلق نہایت صحیح اور مستند کتاب جو عربی زبان میں لکھی گئی وہ مفاتیح العلوم ہے۔ یہ کتاب صاحب کشف الظنون کا ماخذ ہے اور علامہ مقریزی نے اس کی نسبت لکھا ہے کہ "کتاب جلیل القدر"۔ اس میں جزیہ کی نسبت لکھا ہے۔ "وجزاء رؤس اہل الذمۃ جمع جزیۃ وھومعرب گزیت وھو الخراج بالفارسیۃ" (۳) یعنی ذمیوں سے جو جزیہ لیا جاتا ہے۔ یہ معرب لفظ ہے۔ جس کی اصل گزیہ ہے اور اس کے معنی فارسی میں خراج کے ہیں۔

فارسی لغت نویسوں نے گزیت کی لغت میں تصریح کی ہے کہ جزیہ اسی کا معرب ہے۔

برہان قاطع میں ہے گزیت بفتح اول وکسر ثانی زرے باشد کہ حکام ہرسالہ از رعایا گیرند و آں را خراج ہم گویند و زرے را نیز گویند کہ از کفار ذمی ستانند۔ نظامی گوید۔

گہش خاقان خراج چین فرستد   گہش قیصر گزیت دین فرستد (۴)

وآنچہ شہرت دارد بہ کسر اول و فتح ثالث است و معرب آن جزیہ باشد۔

فرہنگ جہاں گیری کے مصنف نے دوسرے معنی کے سند میں حکیم سوزنی کا یہ شعر سنداً نقل کیا ہے۔

کتاب خویش بخواہم در و عمل نکنم   کہ تا گزیت رسانند نا نخور اہل کتاب

(۱) شفاء الغلیل ص ۱۸۳ مطبعۃ السعادہ مصر ۱۳۲۵ھ (۲) ایضاً ص ۱۲۳ (۳) مفاتیح العلوم ص ۵۹ مطبوعہ بریل (۴) برہان قاطع ج ۲ ص ۳۴۹ مطبع نامی نول کشور لکھنو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ بھی لکھا ہے کہ جزیہ اسی کا معرب ہے۔

ہم کو اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں کہ جزیہ اصل میں فارسی کا لفظ ہے، تصریحات لغت کے علاوہ تاریخی قرینہ نہایت قوی موجود ہے۔ یہ مسلم ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں جزیہ کا لفظ مستعمل ہو چکا تھا، یہ بھی مسلم ہے کہ فارسی میں گزیت کا لفظ اسی معنی میں قدیم سے شائع ہے، تاریخی شہادتوں سے (جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے) ثابت ہے کہ نوشیرواں نے جزیہ کے قواعد مقرر کئے تھے اور اس زمانہ میں نوشیرواں کے عمال یمن اور مضافات یمن پر منصوب تھے، اس طرح گزیت کا لفظ قانونی طور پر عرب میں پھیلا اور معرب ہو کر جزیہ ہو گیا، یہ عام قاعدہ ہے کہ محکوم ملک میں جب فرماں روا زبان کے الفاظ دخل پانے لگتے ہیں تو سب سے پہلے وہ الفاظ آتے ہیں جو سلطنت کے قانونی الفاظ ہوتے ہیں۔ زبان عرب میں جس قدر فارسی الفاظ معرب ہو کر شائع ہو گئے ہیں کسی اور زبان کے نہیں ہوئے۔ اس پر طرہ یہ کہ جزیہ کا لفظ معرب ہونے کے لئے گویا پہلے ہی آمادہ تھا۔ صرف ایک حرف کی تبدیل اور دو ایک تغیر سے وہ عربی قالب میں پورا اتر گیا۔

دوسری بحث

جہاں تک ہم کو معلوم ہے کہ ایران و عرب میں خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو بادنیٰ تغیر اسلام میں رائج ہیں، نوشیرواں کے عہد میں مرتب ہوئے۔ امام ابو جعفر طبری جو بہت بڑے محدث اور مؤرخ تھے، نوشیرواں کے انتظامات ملکی کے بیان میں لکھتے ہیں "والزم الناس الجزیة ما خلا اھل البیوتات و العظماء و المقاتلة و الھرابذة و الکتاب و من کان فی خدمة الملک و صیروھا علی طبقات. اثنی عشر درھما ثمانیة و ستة و اربعة. ولم یلزموا الجزیة من کان اتی له من السن دون العشرین او فوق الخمسین"۔ (۱)

(۱) تاریخ کبیر طبری ج ۲ ص ۹۶۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی لوگوں پر جزیہ مقرر کیا گیا، جس کی شرح ۱۲ درہم اور ۸ و ۶ و ۴ تھی، لیکن خاندانی شرفاء اور امراء اور اہل فوج اور پیشوایان مذہب اور اہل قلم اور عہدہ داران دربار جزیہ سے مستثنی تھے اور وہ لوگ بھی جن کی عمر ۵۰ سے زیادہ یا ۲۰ سے کم ہوتی تھی۔

امام موصوف اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں،" وھی الوضایع التی اقتدی بھا عمر بن الخطاب حین افتتح بلاد الفرس " یعنی حضرت عمرؓ نے جب فارس کو فتح کیا تو انھیں قاعدوں کی تقلید کی (۱) علامہ ابو حنیفہؒ دینوری نے بھی کتاب الاخبار الطوال میں بعینہ اس تفصیل کو نقل کیا ہے۔ (۲)

جس غرض سے نوشیرواں نے جزیہ کا قاعدہ جاری کیا، اس کی وجہ علامہ طبری نے نوشیرواں کے اقوال سے یہ نقل کی ہے کہ " اہل فوج ملک کے محافظ ہیں اور ملک کے لئے اپنی جانیں خطرے میں ڈالتے ہیں، اس لئے لوگوں کی آمدنی سے ان کے لئے ایک رقم خاص مقرر کی گئی کہ ان کی محنتوں کا معاوضہ ہو"۔ (۳)

خراج و جزیہ کے متعلق جو کچھ ان مؤرخوں نے لکھا اس کی تائید فردوسی کے اشعار سے بھی ہوتی ہے، اگرچہ بعض امور میں دونوں کا بیان مختلف ہے، ہم ان اشعار کو اس موقع پر نقل کرتے ہیں

همه پادشاہان شدند انجمن — زمین را بسنجید و بر زور سن
گزیتے نہاوند بر یک درم — گرایدون کہ دہقان نہ بودے دژم
گزیت رز بارور شش درم — بجز ماستان برہمیں زد رقم
کسے کش درم بود و دہقان نبود — نہ بودے غم و رنج کشت و درود
گذارندہ ازدہ درم تا چہار — بہ سالے از دبستدے کار دار
دبیر و پرستندہ شہریار — نہ بودے بہ دیوان کسے را شمار

دونوں روایتوں کے فرق کو ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں۔

(۱) تاریخ کبیر طبری ج ۲ ص ۹۶۲ (۲) اخبار الطوال ص ۷۳ (۳) تاریخ طبری ج ۲ ص ۹۶۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری بحث

اسلام نے جو انتظام قائم کیا، اس کی رو سے ہر مسلمان فوجی خدمت کے لئے مجبور کیا جاسکتا تھا، یہ قاعدہ کچھ آسان قاعدہ نہ تھا اور لوگ اگر ذرا بھی اس سے بچنے کا حیلہ پاجاتے تھے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، چنانچہ ایک بار جب جزیرہ سسلی میں مکتب کے معلم اس جبر سے بری کردیئے گئے تو سینکڑوں آدمیوں نے اور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کرلیا۔ (۱)

اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری رہیں، جس طرح نوشیرواں عادل نے عموماً اہل فوج کو اس (جزیہ) سے بری رکھا تھا، لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے اور جن کی حفاظت مسلمانوں کو کرنی پڑتی تھی، ان کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا، نہ وہ لوگ ایسی پرخطر خدمات کے لئے راضی ہوسکتے تھے، اس لئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کے لئے کوئی معاوضہ دیں، اسی معاوضہ کا نام جزیہ تھا جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا، لیکن اگر کسی موقع پر غیر قوموں نے فوج میں شریک ہونا یا شرکت کے لئے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری کردیئے گئے، جیسا کہ ہم آئندہ تاریخی شہادت سے ثابت کریں گے۔

جزیہ کا معاوضۂ حفاظت ہونا، علمی و عملی طور سے ہمیشہ مسلم رہا اور یہی یہ ہے کہ اسی خیال نے اکثر اہل لغت کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے، وہ سمجھے کہ یہ لفظ جزاء سے نکلا ہے، جس کے معنی بدلے کے ہیں اور چونکہ یہ بھی ایک معاوضہ اور بدلہ ہے لہذا اس مناسبت سے اس کا نام جزیہ رکھا گیا۔

(۱) دیکھو معجم البلدان یاقوت حموی ذکر صقلیہ ج ۵ ص ۳۷۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین کے جو معاہدے تاریخوں میں منقول ہیں ان میں سے عموماً پایا جاتا ہے کہ جزیہ ان لوگوں کی محافظت کا معاوضہ تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والی ایلۃ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا، اس میں یہ الفاظ مندرج فرمائے "یحفظوا و یمنعوا" یعنی ان لوگوں کی حفاظت کی جائے اور دشمنوں سے بچائے جائیں (۱) حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتیں کیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ "غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہیں وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں اور مسلمانوں کو ان کی طرف سے ان کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہیئے" (۲) اس موقع پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ جن سے نہایت صاف اور مصرح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا معاوضہ تھا اور غیر مذہب والے جو مسلمانوں کی رعایا تھے، یہی سمجھ کر یہ معاوضہ ادا کرتے تھے۔

هذا كتاب من خالد بن الوليد لصلوبا ابن نسطونا وقومه انى عاهدتكم على الجزية والمنعة ...... فلك الذمة والمنعة فان منعناكم فلنا الجزية والا فلا ...... كتب سنة اثنتى عشرة فى صفر (۳)	یہ خالد بن الولید کی تحریر ہے، صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم کے لئے، میں نے تم سے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر ...... پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہم پر ہے۔ جب تک ہم تمہاری محافظت کریں ہم کو جزیہ کا حق ہے ...... ورنہ نہیں ۱۲ھ صفر میں لکھا گیا۔

عمالان اسلام نے عراق عرب کے اضلاع میں وہاں کے باشندوں کو جو عہد نامے لکھے اور جن پر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے، ان کے ملتقط الفاظ یہ ہیں۔

(۱) دیکھو فتوح البلدان بلاذری ص ۵۹ (۲) صحیح بخاری میں منقول حضرت عمرؓ کے الفاظ مولانا شبلی نے الفاروق میں نقل کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو الفاروق حصہ اول ص ۱۰۴ مطبع معارف اعظم گڑھ ۔ ک" (۳) تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری جزء رابع ص ۲۰۵۰ مطبوعہ یورپ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

براءة لمن كان من كذا و كذا من الجزية التي صالحهم عليها الامير خالد بن الوليد وقد قبضت الذي صلحهم عليه خالد وخالد و المسلمون لكم يد على من بدل صلح خالد ما اقررتم بالجزية وكنتم امانكم امان وصلحكم صلح ونحن لكم على الوفاء ۔ (۱)

ان لوگوں کے لئے جنھوں نے اس اس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے اور جن پر خالد بن الولید نے ان سے مصالحت کی ہے، یہ براءت نامہ ہے، خالد اور مسلمانوں نے جس تعداد پر صلح کی وہ ہم کو وصول ہوئی، جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے اس کو تم لوگ مجبور کر سکتے ہو، بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو، تمہاری امان امان ہے اور تمہاری صلح صلح (یعنی جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کریں گے اور جس کو تم امان دو گے ہم بھی امان دیں گے)۔

اس کے مقابلے میں عراق کی رعایا نے یہ تحریر لکھی۔

انا قد ادينا الجزية التي عاهدنا عليها خالد العبد الصالح و المسلمون عباد الله الصالحون على ان يمنعونا وامير هم البغى من المسلمين وغيرهم ۔ (۲)

ہم نے وہ جزیہ ادا کر دیا، جس پر خالد سے معاہدہ کیا تھا، اس شرط پر کہ مسلمان اور نیز اور تمام قومیں اگر ہم کو گزند پہنچانا چاہیں تو جماعت اسلام اور ان کے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہوں۔

ان تحریری معاہدوں کے علاوہ جہاں جہاں صحابہؓ نے دعوت اسلام کی، جزیہ کی نسبت یہی خیال ظاہر کیا، مثلاً ۱۴ھ میں یزدگرد کے پاس جب صحابہؓ گئے تو نعمان بن مقرن نے جو سفارت کے سردار تھے، گفتگو کے خاتمہ پر کہا، "و ان اتقيتمونا بالجزاء قبلنا منعناكم" (۳) یعنی اگر جزیہ ادا کرنے کے ذریعے سے جان بچاؤ گے تو ہم قبول کریں گے اور تم کو تمہارے دشمنوں سے بچائیں گے یا جب سپہ سالار

(۱) تاریخ طبری جزء رابع ص ۲۰۵۴ (۲) ایضاً ص ۲۰۵۵ (۳) ایضاً ص ۲۲۴۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فارس سے گفتگو ہوئی تو حذیفہ بن محصن نے کہا "او الجزاء و نمنعکم ان احتجتم الی ذلک" یعنی یا جزیہ دو اور اس صورت میں جب تم کو ضرورت ہوگی تو ہم تمہاری حفاظت کریں گے، یہ معاہدے اور تقریریں صرف زبانی باتیں نہ تھیں بلکہ ہمیشہ اس پر عمل کیا گیا۔

ابو عبیدہؓ جراح نے شام میں جب متواتر فتوحات حاصل کیں تو ہرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار کی، مسلمانوں کو اس کے مقابلے میں بڑی مستعدی سے بڑھنا پڑا اور ان کی تمام قوت و توجہ فوجوں کی ترتیب میں مصروف ہوئی، اس وقت حضرت ابو عبیدہؓ امین افسر فوج نے اپنے تمام عمالوں کو جو شام کے مفتوحہ شہروں پر مامور تھے، لکھ بھیجا کہ جس قدر جزیہ و خراج جہاں جہاں وصول کیا گیا ہے، سب ان لوگوں کو واپس دے دو، جن سے وصول ہوا تھا اور ان سے کہہ دو کہ ہم نے تم سے جو کچھ لیا تھا، اس شرط پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کرسکیں، لیکن اب اس واقعہ کے پیش آجانے کی وجہ سے ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھاسکتے" ابو عبیدہؓ کے خاص الفاظ جن میں عیسائیوں سے خطاب ہے، یہ ہیں، "انما رددنا علیکم اموالکم لانہ قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع و انکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم و انا لا نقدر علی ذلک و قد رددنا علیکم ما اخذنا منکم" عیسائیوں نے مسلمانوں کو دل سے دعا دی اور کہا کہ خدا پھر سے تم کو ہمارے شہروں کی حکومت دے، رومی ہوتے تو اس موقع پر واپس دینا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے، چنانچہ سب سے پہلے اس حکم کی تعمیل حمص میں ہوئی جہاں حضرت ابو عبیدہؓ خود مقیم تھے، انھوں نے حبیب بن مسلمہ کو بلا کر کہا کہ جو کچھ ذمیوں سے وصول ہوا ہے، سب ان کو واپس کردو، اس کے بعد ابو عبیدہؓ دمشق میں آئے اور سوید بن کلثوم کو اس کام پر مقرر کیا کہ ذمیوں سے جس قدر رقم وصول ہوئی ہے، سب ان کو واپس کردی جائے۔ (۱)

(۱) دیکھو کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۸۱ و فتوح البلدان ص ۱۳۷ و فتوح الشام ازدی ص ۱۳۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سب باتوں سے زیادہ یہ امر اس دعویٰ کے لئے دلیل بین ہے کہ اگر کسی غیر قوم نے فوجی خدمت پر رضا مندی ظاہر کی تو اسی طرح جزیہ سے بری رہے، جس طرح خود مسلمان۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب حبیب بن مسلمہ نے قوم جراجمہ (۱) پر فتح پائی تو ان لوگوں نے فوجی خدمتوں میں بوقت ضرورت شریک ہونا خود پسند کیا اور اس وجہ سے وہ تمام قوم جزیہ سے بری رہی، نہ صرف جراجمہ بلکہ بہت سے نبطیوں اور ان کے متصل کی آبادیوں نے یہ امر اختیار کیا اور جزیہ سے بری رہیں، خلیفہ واثق باللہ عباسی کے زمانے میں وہاں کے عامل نے غلطی سے ان لوگوں پر جزیہ لگایا تو انہوں نے خلیفہ کو اطلاع دی اور دربار خلافت سے ان کی براءت کا حکم صادر ہوا، (۲) جزیہ کا معاوضۂ حفاظت ہونا اس قدر صاف صاف ظاہر کردیا گیا تھا کہ معاہدوں میں یہاں تک کہ تصریح کردی جاتی تھی کہ ذمی اگر صرف ایک سال فوجی خدمت میں شریک ہوں گے تو اس سال کا جزیہ چھوڑ دیا جائے گا، چنانچہ خود حضرت عمرؓ کے زمانے میں کثرت سے یہ معاملہ پیش آیا، عتبہ بن فرقد نے جب آذربائیجان فتح کیا تو معاہدے میں یہ الفاظ لکھے "علی ان یودوا الجزیة علی قدر طاقتهم ومن حشر منهم فی سنة وضع عنه جزاء تلک السنة" یعنی صلح اس شرط پر ہوئی کہ جزیہ ادا کریں اور جو شخص کسی سال لڑائی میں بلایا جائے گا تو اس سال کا جزیہ معاف کردیا جائے گا، اسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب آرمینیہ کے بعض حصے فتح ہوئے تو سپہ سالار نے معاہدے میں یہ الفاظ لکھے "ان ینفروا لکل غارة ینفذوا لکل امرناب اولم ینب راه الوالی صلاحا علی ان توضع الجزاء عمن اجاب الی ذلک ومن استغنی عنه منهم وقعد فعلیه مثل ماعلی اهل باذربائیجان من الجزاء" (۳) یعنی

(۱) ایک عیسائی قوم تھی اور شہر جراجمہ اور اس کے مضافات میں آباد تھی، معجم البلدان میں اس مقام کا ذکر تفصیلاً لکھا ہے ج ۳ ص ۸۰ (۲) فتوح البلدان بلاذری ص ۱۵۹ و ۱۶۱ (۳) تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۶۶۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

صلح اس شرط پر ہوئی کہ یہ لوگ جب لڑائی پیش آئے یا کوئی ضرورت پیش ہو تو مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں، اس صورت میں ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا۔ لیکن جس شخص کی ضرورت ہو اور وہ بیٹھ رہے تو اس کو آذربائیجان والوں کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا، اسی معاہدے میں یہ لفظ بھی ہے اور وہ صاف صاف ہمارے دعویٰ کی توضیح ہے " والحشر عوض من جزایھم " یعنی لڑائی میں ذمیوں کا شریک ہونا جزیے کا قائم مقام ہے (۱) خود حضرت عمرؓ نے متعدد دفعہ یہ احکام بھیجے تھے کہ اگر کسی ذمی سے اتفاقیہ کسی موقع پر مدد لو تو اس سال کا جزیہ چھوڑ دو، حضرت عمرؓ کے زمانے میں جرجان وغیرہ ممالک میں جو معاہدہ ہوا، اس میں یہ الفاظ تھے، " ومن استعنا به منکم فله جزائه فی معونته عوضا عن جزائه "(۲) یعنی ہم اگر کسی ذمی سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے بدلے میں جزیہ چھوڑ دیا جائے گا۔

معاہدات میں یہ تصریح کہ جزیہ کے عوض میں ہم تمہاری اندرونی و بیرونی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، جب حفاظت پر قدرت نہ ہو تو جزیہ کا واپس کردینا، جو قومیں فوجی خدمت پر آمادہ ہوں ان کو جزیہ سے بری رکھنا، کیا ان واقعات کے ثابت ہونے کے بعد بھی شبہہ رہ سکتا ہے کہ جزیہ کا مقصد وہی تھا، جو ہم نے تیسری بحث کے آغاز میں بتایا ہے۔

جزیہ کے مصارف یہ تھے، لشکر کی آرستگی، سرحد کی حفاظت، قلعوں کی تعمیر، ان سے بچا تو سڑکوں اور پلوں کی تیاری، سررشتہ تعلیم، بے شبہہ اس طرح اس خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا اور پہنچنا چاہیئے تھا، مسلمان لڑائیوں میں شریک ہوتے، جانیں لڑاتے، ملک کو تمام خطروں سے بچاتے تھے، پس جس طرح ان کے جسم و جان سے ذمی رعایا مستفید ہوتی تھی، اگر ذمیوں کے مال سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا تو کیا بے جا تھا، اس کے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی اس میں ذمی رعایا برابر کی شریک تھی، حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المال

(۱) تاریخ کبیر طبری ج ۵ ص ۲۶۶۵ (۲) ایضاً ص ۲۶۵۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ خدا کے اس قول میں انما الصدقات للفقراء و المساکین (صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں۔ (۱)

جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپئے سالانہ تھی۔ کسی کے پاس لاکھوں روپیہ ہوں تو اس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا۔ عام شرح چھ روپئے اور تین روپئے سالانہ تھی۔ بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے اور عورتیں، مفلوج، معطل العضو، نابینا، مجنون، مفلس یعنی جس کے پاس دو سو درہم سے کم ہو، یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے، اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹیکس جس کی تعداد اس قدر قلیل تھی، جس کے ادا کرنے سے فوجی پر خطر خدمت سے نجات مل جاتی تھی، جس کی بنیاد نوشیرواں عادل نے ڈالی تھی، کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے، جیسی کہ اہل یورپ نے خیال کی ہے، کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اس کے مذہب کے ضایع ہونے کا رنج بھی نہ کرنا چاہیئے، جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے، ان کو اسلام نے جس قدر حقوق دیئے کون حکومت اس سے زیادہ دے سکتی ہے، لیکن چونکہ ہمارے مضمون کے عنوان سے یہ بحث کسی قدر دور پڑ جاتی ہے، اس لئے اس موقع پر ہم یہ بحث چھیڑنی نہیں چاہتے۔

(۱) کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۲۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف اور مسامحت

آج کل قوم کے تنزل اور ادبار کے مسئلہ پر جب بحث کی جاتی ہے تو تنزل کا سب سے بڑا سبب جو قرار دیا جاتا ہے وہ آپس کا اختلاف ہے، ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ مسلمانوں میں اس سرے سے اس سرے تک یہ عام مرض پھیلا ہوا ہے، شیعہ، سنی، مقلد، غیر مقلد، وہابی، بدعتی، معتزلۂ حال (نیچری) بیسیوں فرقے ہیں، پھر ان میں الگ الگ جتھے جن میں سے ہر ایک دوسرے کو گمراہ اور بد دین کہتا ہے، ارباب بریلی، دیوبند، ندوہ، سب حنفی ہیں، لیکن بریلی والوں کے نزدیک دیوبند اور ندوہ دونوں کافر، اس تفرق، اس اختلاف، اس بوقلمونی کے ساتھ کوئی قوم کیوں کر زندہ رہ سکتی ہے؟ یہ حالت پیش آئے تو ایک کوہ گران کی بھی دھجیاں اڑجائیں، چونکہ اس خیال کا اثر ایک بہت بڑے قومی اور تاریخی مسئلہ پر پڑتا ہے، اس لئے ہم اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہیں۔

اس مسئلہ کے طے کرنے کے لئے امور ذیل کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

۱۔ کیا زمانہ سلف میں اختلاف تھا؟

۲۔ اختلاف کے ساتھ اتحاد ممکن ہے؟ یا نہیں؟

پہلے امر کے لئے ہم کو اس زمانہ پر نظر ڈالنی چاہیے، جب آفتاب اسلام کی دوپہر تھی، جب ایک طرف تیغ و سنان نے اسپین اور سندھ کے ڈانڈے ملا دیئے تھے اور دوسری طرف صریر قلم نے مصر و یونان کے خفتہ علوم و فنون کو جگا دیا تھا، اس وقت قدری، جبری، معتزلی، جہمی وغیرہ وغیرہ اس قدر بے شمار فرقے تھے کہ بہ مشکل ان کو ۷۳ کے عدد میں محصور کیا گیا، ان فرقوں میں جو اختلاف تھا، اس کی یہ کیفیت ہے کہ ایک دوسرے کو کافر بلکہ کافر سے بدتر کہتا تھا اور گمراہ و مرتد و زندیق کہنا تو معمولی بات تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معتزلہ قرآن مجید کو مخلوق اور حادث کہتے تھے، اس مسئلہ کی نسبت محدثین اہل سنت کے یہ اقوال ہیں جو امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں نقل کئے ہیں۔

وکیع بن جراح۔

من زعم ان القرآن محدث فقد کفر	جس کا یہ خیال ہے کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے۔

یزید بن ہارون۔

من زعم ان کلام اللّٰہ مخلوق فھو الذی لا الہ الا ھو زندیق	جو یہ سمجھتا ہے کہ کلام الٰہی مخلوق ہے، خدائے یکتا کی قسم وہ زندیق ہے۔

امام بخاری۔

نظرت فی کلام الیھود والنصاری والمجوس فما رایت قوما اضل فی کفرھم من الجھمیة (۱)	میں نے یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں، سب کا کلام دیکھا ہے، کوئی کفر میں اس قدر گمراہ نہیں جس قدر جہمیہ۔

اشعری، ماتریدی، حنبلی، محدثین، سب اہل سنت و جماعت ہیں اور سب ایک دوسرے کو برسر حق سمجھتے ہیں، تاہم جب ان میں سے ایک اپنے عقائد کا ذکر دوسرے کے مقابلہ میں کرتا ہے تو اس کا نام اس طریقہ سے لیتا ہے، تمہید (۲) ابو شکور سالمی حنفیوں کی علم عقائد کی مشہور و مستند کتاب ہے، اس میں لکھا ہے:-

قال بعضھم بانا نعرف اللّٰہ تعالی بالرسول وھو قول الاشعری و قال اھل السنة والجماعة انا نعرف الرسول باللّٰہ تعالی (۳)	بعض کہتے ہیں کہ ہم خدا کو رسول کے ذریعہ سے جانتے ہیں اور یہی اشعری کا قول ہے اور اہل سنت والجماعہ کا یہ قول ہے کہ ہم رسول کو خدا کے ذریعہ سے جانتے ہیں۔

امام بزدوی نے علم کلام میں جو کتاب لکھی ہے اور جس کا قلمی نسخہ ہمارے

(۱) کتاب مذکور ص ۱۰۹ تا ۱۹۳ مطبوعہ الہ آباد (۲) کتاب حنفیوں کی علم کلام کی مشہور اور مسلم کتاب ہے (۳) تمہید ص ۸۰ مطبع غریب دہلی ۱۲۶۹ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش نظر ہے اس میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

علامہ ذہبی مشہور محدث ہیں اور فن حدیث میں ان کے بعد کوئی ان کا ہمسر نہیں پیدا ہوا۔ ان کی نسبت علامہ ابن السبکی طبقات میں لکھتے ہیں۔

هذا شيخنا الذهبى له علم وديانة وعنده على اهل السنة تحمل مفرط فلا يجوزان يعتمد عليه وهو شيخنا و معلمنا غير ان الحق احق بالاتباع (۱)	یہ ہمارے استاذ ذہبی عالم ہیں، متدین ہیں، بااین ہمہ اہل سنت سے نہایت تعصب برتتے ہیں، اس لئے ان پر اعتماد نہیں ہوسکتا اور وہ ہمارے شیخ اور معلم ہیں، لیکن حق بات پیروی کئے جانے کی زیادہ مستحق ہے۔

علامہ ابن عبد البر جو مشہور محدث گذرے ہیں اور جن کی شرح مؤطا ئے امام مالک پر شروح مؤطا میں سب سے بہتر ہے، انھوں نے اپنی کتاب جامع بیان العلم میں جو ۱۳۲۰ھ میں قاہرہ میں چھاپی گئی ہے، ایک خاص باب باندھا ہے، اس کا اقتباس ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

فعن مغيرة عن حماد انه ذكر اهل الحجاز فقال سالتهم فلم يكن عندهم شئى و الله لصبيانكم اعلم منهم بل صبيان صبيانكم (۲)	مغیرہ سے مروی ہے اور مغیرہ حماد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اہل حجاز کا تذکرہ کیا تو کہا کہ میں نے ان لوگوں سے سوالات کئے تو انکے پاس کچھ نہ تھا خدا کی قسم تمہارے بچے ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں بلکہ تمہارے بچوں کے بچے بھی۔
وعن الزهرى قال مارايت قوما انقض لعرى الاسلام من اهل مكة .... (۳)	زہری سے مروی ہے کہ میں نے کسی قوم کو اہل مکہ سے زیادہ شیرازۂ اسلام کو منتشر کرنے والا نہیں دیکھا۔
وهذا ابن الشهاب (اى الزهرى)	.... ابن شہاب زہری نے اپنے زمانہ

(۱) الرفع والتکمیل مصنفہ مولانا عبدالحئی لکھنوی ص ۲۰ (۲) مختصر جامع بیان العلم باب حکم قول العلماء بعضهم فی بعض ص ۱۹۵ (۳) ایضاً ص ۱۹۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قد اطلق على اهل مكة في زمانه انهم تنقضون عرى الاسلام ما استثنى منهم احد او فيهم من جلة العلماء من لا خفاء بجلالته في الدين و اظن ذلك والله اعلم لما روى عنهم في الصرف ومتعة النساء ...... (۱)

کے عام اہل مکہ کے متعلق کہا کہ وہ اسلام کے شیرازہ کو منتشر کرتے ہیں ۔ زہری نے ان میں کسی کو مستثنیٰ نہ کیا ۔ حالانکہ ان میں بڑے بڑے علماء موجود تھے ۔ جن کی مذہبی عظمت و جلالت مخفی نہیں ۔ میں گمان کرتا ہوں کہ زہری نے یہ اس لئے کہا کہ اہل مکہ سے مسئلہ صرف اور متعہ مروی ہے ۔

و روى علي بن مسهر عن هشام بن عروه عن ابيه قال قالت عائشة ما علم انس بن مالك و ابو سعيد الخدري بحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم و انما كانا غلامين صغيرين .... (۲)

علی بن مسہر نے ہشام بن عروہ سے روایت کی اور ہشام اپنے باپ سے راوی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ انس بن مالک اور ابو سعید خدری نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں جانا ۔ وہ دونوں چھوٹے بچے تھے .... ۔

و عن ابن وهب قال مالك و ذكر عنده اهل العراق فقال انزلوهم منزلة اهل الكتاب لا تصدقوا و لا تكذبوهم (۳)

اور ابن وہب سے مروی ہے کہ امام مالک کے سامنے اہل عراق کا تذکرہ ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ اہل عراق کو اہل کتاب کی طرح سمجھو نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب ۔

اختلاف کے ساتھ اتحاد

اوپر کی روایتوں سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ عین ترقی اسلام کے زمانہ میں اختلاف عقائد کی کیا حالت تھی ، لیکن اس وقت لوگ اس نکتہ کو سمجھ سکتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اختلاف کے ساتھ بھی مشترکہ اغراض میں اتحاد ممکن ہے ۔

اس نکتہ کی تلقین خود قرآن مجید نے کی ہے ۔

(۱) مختصر جامع بیان العلم " باب حكم قول العلماء بعضهم في بعض " ص ۱۹۶

(۲) ایضاً ص ۱۹۷ (۳) ایضاً ص ۱۹۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَـيۡسَ لَـكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا (لقمان ۳۱:۱۵)

اگر وہ دونوں (ماں باپ) یہ کوشش کریں کہ تو ہمارا شریک اس چیز کو بنائے، جس کا تجھ کو علم نہیں تو تو ان کا کہا نہ مان، لیکن دنیا میں ان سے اچھی طرح پیش آ۔

اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ مثلاً ایک شخص مسلمان ہے اور اس کے ماں باپ مشرک اور کافر ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اپنے بیٹے کو بھی مشرک اور کافر بنالیں، اس حالت میں خدا حکم دیتا ہے کہ کفر اور شرک میں ان کا کہنا نہیں تسلیم کرنا چاہیئے، لیکن اس سے ان کے حقوق پدری زائل نہیں ہو جاتے، اس لئے دنیاوی معاملات میں ان کا ادب و لحاظ اسی طرح ملحوظ رکھنا چاہیئے جو عموماً والدین کا حق ہے۔

اس آیت نے بتا دیا کہ اختلاف اور اتفاق کے حدود الگ الگ ہیں، یہ ممکن ہے کہ مذہب کے معاملہ میں اختلاف ہو اور دوسرے معاملات میں اتحادی اصول پر عمل کیا جائے گا۔

قرون اولی میں اس اصول پر عمل رہا، مثالیں ہم ذیل میں لکھتے ہیں جن سے یہ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین ہوسکے گا۔

۱۔ اوپر گذر چکا کہ محدثین، قدریہ، جبریہ، معتزلہ، شیعہ وغیرہ کو اہل بدعت اور اہل اہواء کہتے تھے، ان کو گمراہ اور .... سمجھتے تھے، با ایں ہمہ دین کا نہایت اہم کام، یعنی حدیث کا روایت کرنا، ان سے جائز سمجھتے تھے، فن حدیث کا یہ مسئلہ ہے کہ فرقہائے باطلہ سے حدیث روایت کرنا جائز ہے یا نہیں، یعنی مثلاً اگر ایک حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو جس کے سلسلۂ روایت میں معتزلی یا شیعہ وغیرہ ہوں تو یہ حدیث معتبر ہوگی یا نہیں، اس مسئلہ کے متعلق اکثر ائمہ حدیث کا یہی فتویٰ ہے کہ ان میں سے خطابیہ کے سوا جن کے مذہب میں جھوٹ بولنا جائز ہے، باقی اور فرقوں سے روایت کرنا جائز ہے، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں ابن حبان کا قول نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیس بین اھل الحدیث من ائمتنا خلاف فی ان الصدوق المتقن اذا کانت فیہ بدعة ولم یکن یدعوا الیھا ان الاحتجاج باخبارہ جائز (۱)	ہمارے ائمہ میں سے محدثین کے نزدیک اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر راست گو صاحب حافظہ بدعتی ہو، لیکن اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو بلاتا نہیں تو اس کی روایات سے دلیل لانا جائز ہے۔

اسی کتاب میں حاکم نیشاپوری کی تاریخ نیشاپور سے نقل کیا ہے۔

ان کتاب مسلم ملاٰن من الشیعة (۲)	امام مسلم کی کتاب شیعی رواۃ سے بھری ہوئی ہے۔

علامہ ابن الصلاح کا قول ہے۔

فان کتبھم طافحة بالروایة عن المبتدعة غیر الدعاۃ (۳)	محدثین کی تصنیفات غیر داعی بدعتیوں کی روایت سے پر ہیں۔

ابراہیم بن یحییٰ امام شافعیؒ کے استاذ تھے، ان کا مذہب قدری تھا، اس لئے جب امام شافعیؒ ان سے روایت کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی جس کا دین مشکوک ہے، لیکن روایت صحیح کرتا ہے، خطیب بغدادی اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

ان ھذا مذھب بن ابی لیلی وسفیان الثوری ونحوہ عن ابی حنیفہ بل حکاہ الحاکم فی المدخل عن کثر ائمة الحدیث (۳)	یہ ابن ابی لیلی اور سفیان ثوری کا مذہب ہے اور اسی کے مثل ابو حنیفہ سے مروی ہے، بلکہ یہی مذہب حاکم نے مدخل میں اکثر ائمہ حدیث کا نقل کیا ہے۔

امام شافعیؒ کتاب الام میں لکھتے ہیں۔

فلم نعلم من سلف الایمة	ہم نہ گذشتہ ائمہ میں سے جن کی اقتدا کی جاتی ہے

(۱) کتاب مذکور ص ۱۳۱ طبع لکھنو (۲) ایضاً ص ۱۳۲ (۳) ایضاً (۳) الغیۃ الحدیث ص ۱۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

من یقتدی به ولا من بعدهم التابعین رد شهادة احد بتاویل و ان خطاءه و ضلله و راه استحل ما حرم اللّٰہ علیه (۱)

اور نہ ان کے بعد کے علمائے تابعین میں سے کسی کو جانتے ہیں، جس نے تاویل سے کسی کی شہادت رد کردی ہے، گو وہ اس کو گنہگار یا گمراہ کیوں نہ قرار دیتا ہو یا اس کے متعلق یہ کیوں نہ سمجھتا ہو کہ اس نے خدا کی حرام کی ہوئی چیز حلال کردی۔

علامہ ذہبی میزان الاعتدال ابان بن تغلب کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

ان البدعة علی ضربین فبدعة صغری کغلوا التشیع او کالتشیع بلا غلو و لا تحرق فهذا کثر فی التابعین و تابعیهم مع الذین والورع والصدق فلورد حدیث هولاء لذهب جملة الآثار النبویة وهذه مفسدة بینة ...... فالشیعی الغالی فی زمان السلف وحرفهم هو من تکلم فی عثمان و الزبیر وطلحة ومعاویة و طائفة ممن حارب علیا رضی اللّٰہ عنهم و تعرض لسبهم والغالی فی زماننا و عرفنا هو الذی یکفر هولاء السادة و یتبرا من الشیخین ایضا فهذا ضال مفتر (۲)

بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت صغیرہ جیسے شیعیت میں شدید ہونا یا شیعیت بغیر شدت .... یہ شیعیت تابعین و تبع تابعین میں بہت ہے باوجود اس کے ان میں مذہب، تقویٰ اور صدق ہے۔ اگر ان لوگوں کی حدیثیں رد کردی جائیں تو آثار نبوی کا ایک حصہ جاتا رہے اور یہ خرابی ظاہر ہے ...... شدید شیعی سلف کے زمانہ میں اور اصطلاح میں وہ شخص ہے جس کو حضرت عثمان، زبیر، طلحہ، معاویہ میں اور اس گروہ میں جس نے حضرت علی سے جنگ کی کلام ہو اور ان کو برا کہتا ہو اور ہمارے زمانہ میں اور ہماری اصطلاح میں شدید شیعی وہ ہے جو ان لوگوں کی تکفیر کرتا ہے اور نیز شیخین سے بے زاری ظاہر کرتا ہو یہ شخص گمراہ اور فریب خوردہ ہے۔

اس قسم کے سینکڑوں اقوال ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔ یہ مسئلہ اس اصول کی بنا پر ہے کہ مذہبی اعتقاد اور راست گوئی الگ الگ باتیں ہیں، ممکن ہے کہ ایک

(۱) فتح المغیث ص ۱۴۳ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴ مطبعة السعادہ مصر ۱۳۲۵ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص کے عقائد اچھے ہوں لیکن کاذب الروایات ہو۔ اسی طرح یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کے عقائد خراب ہوں لیکن دروغ گو نہ ہو۔ محدثین کی یہ انتہا کی نکتہ سنجی، حقیقت شناسی اور بے تعصبی ہے کہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے ایک شخص کو بدعقیدہ، بدعتی، گمراہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ان کے تجربہ نے ثابت کردیا ہے کہ وہ شخص جھوٹ نہیں بولتا تو اس سے بے تکلف حدیث سیکھتے ہیں، روایت کرتے ہیں، اس کی شاگردی کا اعتراف کرتے ہیں۔

قتادہ ایک مشہور محدث گذرے ہیں۔ ان کی نسبت علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔

ماکان قتادہ یرضی حتی یصیح به صیاحا یعنی القدر قال ابن عروبه والدستوائی قال قتادہ کل شئی بقدر الا المعاصی. قلت مع هذا الاعتقاد الردی ما تاخر احد عن الاحتجاج بحدیثه الله یسامحه (۱)	قتادہ کو قدر کو زور شور کے ساتھ چلا کے کہے بغیر چین نہیں آتا تھا ابن ابی عروبہ اور دستوائی کہتے ہیں کہ قتادہ کا قول تھا ہر چیز کی تقدیر ہو چکی ہے۔ لیکن گناہ۔ میں کہتا ہوں کہ اس اعتقاد فاسد کے باوجود کوئی ان کی حدیث کے ساتھ حجت لانے سے باز نہ رہا، خدا ان کو معاف کرے۔

۲۔ اسی اصول کا یہ نتیجہ تھا کہ نصاب تعلیم میں مخالف فرقہ کے لوگوں کی مذہبی کتابیں بھی داخل تھیں، ہر شخص جانتا ہے کہ زمخشری معتزلی تھا اور اس نے قرآن شریف کی جو تفسیر کشاف کے نام سے لکھی، اس میں اپنے عقائد کہیں صریحاً اور کہیں اشارۃً داخل کئے تاہم یہ کتاب ابتدا سے آج تک ہمارے علماء کے درس اور مطالعہ میں رہی۔ علماء کو یقین تھا کہ ادب، عربیت، معانی و بلاغت کے لحاظ سے یہ کتاب لاجواب ہے، اس لئے اس کی عام خوبی سے انکار نہیں کرسکتے تھے۔ البتہ جہاں جہاں زمخشری نے اپنے عقائد کا اظہار کیا ہے، وہاں تنبیہ کردیتے تھے کہ یہ معتزلہ کے عقائد ہیں۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۰ مطبوعہ حیدرآباد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ عقلی اور ادبی علوم میں اختلاف عقائد کا مطلق اثر نہ تھا، علوم عقلیہ میں جو لوگ امام فن مانے جاتے ہیں قریباً کل، آج کل کے نقطہ نظر سے خارج المذہب اور کم از کم فاسد العقیدہ تھے، فارابی اور بو علی سینا افلاک کو قدیم مانتے تھے، محقق طوسی غالی شیعہ تھے، چنانچہ تجرید میں خلفائے راشدینؓ کے مطاعن نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، فن بلاغت کے تمام ارکان یعنی جاحظ، عبد القادر جرجانی، سکاکی، معتزلی تھے، نحو کا سب سے اعلیٰ درجہ کا مصنف رضی شیعہ ہے، فنون ریاضیہ یعنی اقلیدس اور حساب کا تمامتر مدار محقق طوسی کی تصنیفات پر ہے، با ایں ہمہ تمام علمائے اہل سنت و جماعت انھیں کتابوں کو پڑھتے پڑھاتے اور انھیں کو اپنا ماخذ اور مرجع قرار دیتے آئے اور ان کے مصنفوں کے نام کے بجائے ان کو شیخ، محقق، معلم ثانی، امام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، مأتہ عامل کا مشہور شعر ہے۔

عامل اندر نحو صد باشد چنیں فرمودہ اند　　شیخ عبد القادر جرجانی پیر ہدی

۴۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اہل سنت و جماعت مخالفین مذہب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے تھے اور پڑھتے تھے گو بعض لوگوں نے اس کی مخالفت بھی کی، لیکن عام فتویٰ یہی رہا کہ سب کے پیچھے نماز جائز ہے۔

امام نووی جو مشہور محدث تھے، انھوں نے لکھا ہے۔

ولم یزل السلف و الخلف علی الصلوۃ خلف المعتزلۃ وغیرھم (۱)	اور سلف و خلف کا اس پر برابر اتفاق رہا کہ معتزلہ وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

عبد العلی بحر العلوم ارکان اربعہ میں لکھتے ہیں۔

واما انہ لا یجوز الصلوۃ خلف منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر ومنکر الرویۃ وعذاب القبر ومنکر کرام الکاتبین لانہ کافر	باقی یہ امر کہ جو شخص شفاعت کبائر اور رؤیت اور عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا منکر ہو، اس کے پیچھے اس وجہ سے نماز ناجائز ہے کہ یہ امور شارع سے بتواتر ثابت ہیں، اس لئے اس کا

(۱) فتح المغیث ص ۱۴۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لتوارث هذه الامور من الشارع ولا يصلي خلف منكر المسح على الخفين والمشبهة وامثالها من تشويشات المتاخرين مخالفة لما عليه القدماء من الايمة المجتهدين فلا يلتفت اليها فضلا عن ان يفتي بها (۱)

منکر کافر ہے اور یہ امر کہ مسحِ خفین کا جو منکر ہو اس کے پیچھے اور مشبہ کے پیچھے نماز نا جائز ہے تو یہ اور اس قسم کی باتیں متاخرین کی تشویشات میں سے ہیں اور ائمۂ مجتہدین کے خلاف ہیں ، ان کی طرف التفات بھی نہیں کیا جاسکتا چہ جائے کہ ان پر فتویٰ دیا جائے۔

(۱) بحر العلوم ص ۱۹۵ و ۱۹۶ مطبع سعیدی کلکتہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ